



وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ
 أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ
 وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا
 (النساء: ۶۹)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے، وہ ان لوگوں کے
 ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، (یعنی) انبیاء
 اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق!

الهامی ادب

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۚ لِيُؤْفِقَهُمُ
أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝۳۰

(الفاطر: ۲۹، ۳۰)

بیشک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے
ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں بطور رزق عطا فرمایا ہے، اس میں سے
پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، یقیناً وہ ایسی تجارت کے امیدوار
ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔ تاکہ اللہ ان کو پورے کا پورا اجر
عطا فرمائے اور مزید اپنے فضل سے نوازے۔ بیشک وہ بخشنے والا اور
قدر دان ہے۔

اس شمار میں

ترتیب

حدیث دل

اداریہ

عذاب قبر اور اہل حدیثوں کی مغالطہ آرائیاں

محمد سہیل خان

منارۃ البیضاء سے عیسیٰ خان کے مزار تک

محمد منیر

قالہ ہے رواں دواں

سجاد حسین

سلسلہ سوال و جواب ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

معراج الدین

محمد اعظم خان

مدیر

محمدی گل

محمد سہیل خان

منور سلطان

معاونین

مجلہ حبلہ اللہ درج ذیل مقام سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے سوا اس کا دوسرا کوئی پتہ نہیں

تحریکیت ساتھیوں سے لینا

تحریک کو جاری رکھنے

اور حبلہ اللہ کی اشاعت کو ممکن

بنانے کے لئے حسب توفیق تعاون
— ضرور فرمائیے —

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

مقام اشاعت

مرکزی دفتر۔ مسجد توحید

آر۔ جی ریلوے کوارٹرز، پوسٹ بکس نمبر ۷۲۸

کیماری۔ کراچی

حیثیت

”بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کی اچانک موت پر ہماری آنکھیں اٹک بار اور ہمارے دل ٹھکن ہیں لیکن ہمارے مالک نے تو ہمیں صبر و استقامت کا حکم دیا ہے۔ لہذا ہمیں اپنے خالق و مالک کی حیثیت پر صابر و شاکر رہنا ہے اور اس آزمائش میں بھی ہمارا سرمایہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے ہماری وابستگی، محبت و عقیدت فقط اللہ ہی کے لیے تھی اور اللہ انہی القیم ہے، اس پر موت نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ہمارے ایمان اور اس کے ساتھ کیے گئے عہد کا قیام یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کے احساس کا جائزہ لے کر اس کو مزید ابھارنے کی کوشش کریں اور ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد چلنے سے زیادہ جانفشانی اور تہجد کیساتھ شہادت حق کے اس مشن کی تکمیل میں لگ جائیں۔“

اس تحریر میں اعظم صاحب نے جن تاثرات کو بیان کیا ہے وہ تو حقیقت پر مبنی ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جن جذبات و احساسات کا ان سطور سے اظہار ہوتا ہے، کیا اعظم صاحب نے اپنی زندگی میں اس کا عملی ثبوت پیش نہیں کر دکھایا؟ اس میں ساتھیوں کے لیے یقیناً دعوت نگر ہے۔

اعظم صاحب کے لیے نہ صرف شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر، بلکہ پورے ملک کے ساتھیوں کے دلوں میں محبت و عقیدت و احترام کے جذبات موجزن ہیں۔ سب ہی ان کی وفات پر غمگین اور اٹک بار ہیں لیکن مومنوں کو صبر ہی کی تلقین کی گئی ہے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم اس مجاہد کی زندگی سے کچھ سیکھیں۔ انہوں نے ایمان کی نعمت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذیانت و فراست اور اعلیٰ تعلیمی ذمہ داریاں حاصل کر لینے کے باوجود دنیاوی جاہ و منصب سے بے نیاز ہو کر خود کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ عظیم کی سرگرمیوں میں بوجھ چڑھ کر حصہ لیا، نہ بھی ذمہ داری سونپی تھی اس کا حق المقدر حق ادا کیا۔ دراصل اللہ رب العزت کا یہ فرمان ان کے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ لِكُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلِّ مَأْكَلٍ وَكُلِّ مَسْكَنٍ
وَالْعَافِيَةُ لِلْمُؤْمِنِينَ (الفصل: ۸۳)

”وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے تیار کریں گے جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد، اور باجماع تمام پر بیزار گاروں کے لیے ہے۔“

لہذا انہوں نے آخری کامیابی ہی کو حقیقی کامیابی قرار دے کر اس کے حصول کو مقصد حیات بنا لیا تھا اور پھر یہی ان کی سچی و جہد کا مرکز و محور بن گیا تھا۔ ہمارے بھائی صدیق صاحب بھی اس انداز فکر و عمل کے حامی تھے۔ ان کی عظیم سے وابستگی، عظم کی اطاعت اور راہ حق میں بے خوفی کے ساتھ حق بن و دھن کا دینا، عظیم کے ہر فرد کے لیے مثالی نمونہ تھا۔ اب ان مرحومین سے ہماری محبت اور قلبی تعلق کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ ہم ان کا انداز اپنانے کی کوشش کریں اور اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے اپنے دماغ اور اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو وقف کر دیں، ان سے محبت و عقیدت کا یہ معیار ہمارے پیش نظر رہے اور اس کا عملی ثبوت اپنی زندگی سے دیا جائے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے۔

میل اللہ کا یہ شمار بہت ہی تاثیر سے شائع ہو رہا ہے۔ انتظار کا یہ دورانیہ بلاشبہ ساتھیوں کے لیے شہید اعظم اب کا باعث رہا اس کے لیے جتنی بھی منفردت کی جائے کم سے کم یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ یہ عرصہ بے حد مستاعظم اور بیجاں انگیز گزرا ہے، عظیم نے اپنی سب آزمائشیں جیت لیں۔ آزمائشیں تو ایمان والوں کے لیے مانگزی ہیں اور یہ ان کے صبر کا امتحان لینے کے لیے ہی ہوتی ہیں اور اسی کے بدلے جنت کا وعدہ ہے۔

چند ماہ قبل ہمارے پراسرار یا ساتھی و عظیم کے روح رواں اور جبل اللہ مجلے کے مدیر محمد اعظم خان ہم سے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی حادثاتی موت سے عظیم کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے اور انہی خلا کو پُر کرے، آئین۔ چھپنے والوں اللہ کا طاب و نازوں کی شکل میں نازل ہوا اور دیکھتے دیکھتے بستیوں کی امتیاز چاہہ دو کر رہ گئیں۔ اعظم صاحب نے شمالی علاقہ جات کے امیر کی حیثیت سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کر کے جس مستعدی اور جانفشانی سے دن رات ایک کر کے ساتھیوں سے رابطہ کا حق ادا کیا اور ان کی تسلی و تسکین اور تالیف قلب میں کوئی وقفہ نہ چھوڑا، شدید زخمیوں کو معاشقہ علاقوں سے نکال کر اسپتال میں داخل کرانے اور ان کی فوری ضروریات پوری کرنے کا جس طرح اہتمام کیا، یا انہی کا مدد کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر کثیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق حادثاتی موت شہادت کی موت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں شہادت کا بلند مرتبہ عطا فرمائے آمین۔

قارئین کرام! اعظم صاحب کی اچانک جدائی نے ہمارے دلوں پر جو غم لگایا تھا، وہ ابھی مندل بھی نہ ہو پایا تھا کہ ڈھری کے محمد صدیق صاحب کی وفات نے اس غم کو پھر تازہ کر دیا۔ محمد صدیق صاحب، سابق ناظم ڈھری، ضلع گھوگی (صوبہ سندھ)، طویل عمارت کے بعد ہم سے جدا ہو گئے۔ اس علاقے میں دعوت دین کی پذیرائی اور مراکز کے قیام میں ان کی کوششوں کا بڑا حصہ تھا۔ انہوں نے دعوت حق کی مخالفتوں کا بڑے نرم و بہت سے مقابلہ کیا، وہ انتہائی بے باک، عذر اور مجاہد صفت انسان تھے اور دین حق کی سر بلندی کے لیے جان و مال قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

گذشتہ مہینے میں ہمارے محترم استاد اور بھٹا ڈاکٹر سمیع الدین عثمانیؒ کی اہم انگیز وفات کے سوتھ پر اعظم صاحب نے ایک تاثراتی تحریر رقم فرمائی تھی، اس کی چند طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

عقیدہ عذابِ قبر اور مسلک پرستوں کی مغالطہ آرائیاں

محمد سہیل

واکابرین کی اندھی پیروی کرتے ہوئے کفر و شرک پر جسے رہنے والوں کو آخرت کی بد انجامی اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ انبیاءِ دی اور اصولی باتوں سے عبارت ہے۔ چنانچہ جن خوش نصیبوں نے اپنے ان سچے خیر خواہوں کی پکار پر لبیک کہا اور ان کا ساتھ دیا وہ اللہ کی مقفرت اور اس کی رحمتوں کے مستحق شہرے جبکہ کفر و شرک پر کمر بستہ اللہ کے عذاب کا شکار ہوئی۔ سورہ روم کی آیت (نمبر ۳۲)۔ عَمَّا أَكْثَرُ مُعْتَدِلِينَ اِی طرح براوی سے ہلکا ہونے والی قوموں کی نشاندہی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ اقوام کی طرف مبعوث کیے گئے انبیاء علیہم السلام میں سے بعض پر کتابیں بھی نازل فرمائیں، جن سے ان پر گزیدہ ہستیوں کی وفات کے بعد بھی لوگ رجہائی حاصل کرتے رہے۔ اللہ کی آخری اور لاریب کتاب قرآن مجید میں بیان کردہ ان قوموں کے حالات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان آسمانی کتابوں کی پیروی کے عویداروں نے ان کے بعد صرف ان کی تعلیمات سے روگردانی کی بلکہ اپنے دنیوی مقاصد اور حقیر مفادات کے حصول کی خاطر ان الہامی کتابوں میں تحریف بھی کر ڈالی! اس طرح اللہ کی طرف سے علم و ہدایت آنے کے بعد اس کی ناقدری کی گئی جس کا نتیجہ باہم اختلافات اور تفرق پر دازی کی صورت میں نکلا۔ اللہ کے دین کے ساتھ کھیلے جانے والے اس کھیل میں سب سے بڑا کردار ان کے احبار و رہبان کا تھا جنہوں نے اللہ کی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا، ان میں بیان کردہ تعلیمات کا کتمان کیا اور ان کے برخلاف عقائد گھڑے اور لوگوں میں پھیلا دیے جنہوں نے اندھے، بہرے بن کر، انبیاء علیہم السلام اور ان پر اتاری جانے والی کتابوں کی تعلیمات کے خلاف ان احبار و رہبان کے خود ساختہ عقائد و نظریات کی پیروی کی اور سورہ توبہ کی آیت (نمبر ۳۱) کے مطابق اللہ کے مقابلے میں ان کو اپنا رب بنالیا۔

بدقسمتی سے آج یہ آخری امت بھی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو ”تم بنی اسرائیل کی پیروی کرو گے، بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ۔“

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ إِلَهُكُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَتْلُوَنَّكَ بَيْنَ النَّاسِ فِي الْخِلْعَةِ الْأُولَىٰ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَاسِئَةً ۚ فَهَكَذَا يَلَهُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَّا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنْ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۚ وَلِلَّهِ يَكُونُ مَنْ يَشَاءُ ۚ إِلَىٰ جَهَنَّمَ قُسُوفًا ۚ (البقرة: ۲۱۳)

”لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو تو شہری سناے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کر دیں۔ جن کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے واضح دلائل آجائے کے بعد بھی، آپس میں عہد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا، پھر اللہ نے ایمان والوں کو ان اختلافی معاملات میں اپنے اذن سے حق کے مطابق ہدایت عطا فرمادی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راود کھا دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا جسم و جان اور دیگر صلاحیتوں کے ساتھ اسے عقل و شعور اور فہم، اور اک سے نوازا۔ اس کی زندگی کا مقصد متعین کر کے اسے ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ابتدا ہدایت ربانی کی پیروی کر کے صراطِ مستقیم پر چلنے والے سب امت واحدہ کہلائے۔ لیکن ان کے بعد قافلہ انسانیت جب اپنے الہی دشمن کے وار سے گھائل ہو کر ہدایت کے راستے سے ہٹا اور گمراہی کا شکار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس طرح حسب ضرورت ہر دور میں گمراہ قوموں کے اندر نبی یا رسول مبعوث ہوتے رہے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو کفر و شرک اور طاغوت پرستی سے بچتے ہو کر اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی کی دعوت دی، انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اصلاح احوال کی طرف متوجہ کیا۔ مشرکاتہ عقائد سے توبہ کر کے ایمان قبول کرنے والوں کو جنت کی لازوال نعمتوں کی بشارت دی اور اپنے آباء

(بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و سنت) کے مطابق عقائد و اعمال کی تمام تر خرابیوں سمیت یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ کر گئے۔ جناب ناکذینون فی حقون (الروم: ۳۲) کا نقش پیش کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری واریب کتاب اگر چہ اپنی اصلی صورت میں محفوظ اور اس کے رسول ﷺ کا اسود واضح طور پر ان کے پاس موجود ہے مگر کتاب و سنت کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر خود ساختہ عقائد و تصورات گھڑ لیے گئے ہیں اور ان کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ گویا یہی کتاب و سنت کا نفاذ مقصد ہے! اللہ نے تو نبی اسرائیل کے حوالے سے یہ اصولی بات سب کے لیے بیان کر دی ہے:

قَوْلُ الْكَافِرِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَنَّهُمْ يَخْلَوْنَ هَذَا مِنْ بَيْنِ
الَّذِينَ يَشْفَعُونَ أَفَاءَهُ لَنَا قَوْلُهُمْ (البقرہ: ۷۹)

”بہن برہادی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اسکے ذریعے سے کچھ تھوڑا سا معاوضہ حاصل کر لیں۔“

مگر جھپلی امتوں کے اہلار و رہبان کی طرح اس آخری امت کے مولویوں اور پیروں نے بھی قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے برعکس دین کو پیشہ بنالیا ہے۔ ہر طرح کے رطب و یابس پر مبنی کتب لکھ لکھ کر پتی جارہی ہیں جو گراں قیمت ہونے کی وجہ سے مصنفین اور شافعی اداروں کی آمدنی و کمائی کا بھرپور ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ ان کتابوں نے لوگوں کے عقائد کو بری طرح بگاڑ کر رکھ دیا ہے، جنہیں فن و دینداری کے یہ ماہر لوگ عقائد و اعمال کی خرابی پر مبنی اور رسم و رواج کی تابع روایتی دینداری میں مست و گمن رکھنا چاہتے ہیں اور کسی طرح بھی اپنے ان اندھے پیروکاروں کو سننے کا موقع نہیں دینا چاہتے اس لیے کہ ان سے ان کا پیٹ اور ان کے بچوں کا ”سنہرا مستقبل“ وابستہ ہے۔ لہذا اب اللہ کے دین کے ساتھ غلامانہ تعلق رکھنے والوں کی دینداری کا یہ اہم ترین تقاضہ ہے کہ وہ عات الناس کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے سرگرم ہوں اور ان چالاک پیشہ وروں کی طرف سے ڈالے ہوئے کتمان کے پردوں کو چاک کر کے کتاب و سنت کی سچی تعلیمات کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کریں۔

اس سلسلے میں ہماری کتابوں میں ایمان و عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دینداری کے روپ میں نظر آنے والے مختلف گروہوں و فرقوں کے عقائد کا بھی تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ ان میں بڑی حد تک مماثلت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت ان فرقوں اور مسلکوں کے عقائد میں (شرک کی آمیزش کے ساتھ) پائی جانے والی یکسانی و موافقت میں بنیادی طور پر حیان

فی الجہ و عقیدہ کا رفرما ہے جو شرک کی جز ہے، اور ہر دور کی طرح آج بھی احیاء و قہر پرستی، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، ان سے استدعا کے لیے عاتیانہ پکاروں اور واسطے و سیلے وغیرہ کے شاخسانے اور شرک کی گرم بازاری اسی بنیاد پر قائم ہیں۔ چنانچہ ان فرقوں میں ہر ایک اپنے دل کے اس چود کو کسی نہ کسی انداز میں تحفظ فراہم کر رہا ہے۔ ان میں کچھ تو وہ ہیں جو کھلے طور پر اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتے اور اس پر عمل پیرا ہیں، اور کچھ وہ جو توحید و سنت کی مزخومہ پیروی کے لبادے میں یہ کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور جب قرآن و حدیث کے واضح دلائل سے اس شرکانہ عقیدے کا رد کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے یہ جسم مردہ و بے شعور رہتا ہے بلکہ سڑ گل کر مٹی بن جاتا ہے تو ہر ایک اپنے اپنے انداز سے اس دعوت کی مخالفت کرتا ہے۔ ان میں کچھ تو انبیاء و صلحاء اور اپنے خود ساختہ اولیاء کی محبت و عقیدت اور اپنے آستانوں کے تقدس کے حوالے سے اس عقیدے کا تحفظ کرتے ہیں جبکہ کچھ اپنے پیشواؤں اور اکابرین کے تحفظ میں اس عقیدے سے تعلق جوڑے رکھتے ہیں، کیونکہ ان کے اکابرین نے حیات فی القبر، عود روح اور سماج موتی کی حمایت میں اپنی تحریروں میں بہت کچھ لکھ رکھا ہے۔ ان میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے اندر ایمانی و اخلاقی جرأت کے فقدان کی وجہ سے نہ تو کھل کر حیات فی القبر کے شرکانہ عقیدے کی حمایت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے اکابرین کے باطل تصورات سے برأت کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک عجیب قمقمے اور ادھیر بن کا ڈکار ہیں اور اپنے اس مجرمانہ احساس کے ماتحت مختلف انداز اختیار کرتے اور بیترے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ اپنے ان اکابرین کی نام نہاد و مٹی خدمات اور ان کے مزخومہ علمی مقام و کارناموں کے حوالے سے اور کبھی عذاب قبر کے حوالے سے افکار پریشاں پیش کر کے اپنے چدار کا بھرم رکھتے اور اپنے حلقہ اثر کو مطمئن رکھنے کی نامراد کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں کچھ عرصے سے فرقۃ المحدثین کی طرف سے مختلف کتابیں سامنے آ رہی ہیں جس سے ان کی اس بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔ دراصل یہ لوگ عذاب قبر کے بارے میں پھیلانے گئے اپنے خود ساختہ اور گمراہ کن عقائد و تصورات کا جب قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کر پاتے تو کمال ہوشیاری سے کہنے لگتے ہیں:

”اس مرحلے میں موت سے لے کر ”یوم البعث“ کے قائم ہونے تک جو کچھ قرآن کریم اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اس پر ایمان لازمی ہے۔ اس کی کیفیت اولہ شرحہ میں مذکور و موجود نہیں ہے۔“

(مقدمہ پہلا زین، از عبد الرحمن شامین الاثری)

جسے چھوڑ آیا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ (آڑ) حائل ہے قیامت کے دن تک۔۔۔۔۔۔
 وَكَوْنَتُیْ اِذْ تَنْزِیْلُ الْفَلَاكِیْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوْا اَیْدِیْہُمْ اَنْزِلُوْا
 اَنْفُسُكُمْ اِلَیْہِمْ فُجِرُوْنَ عَذَابُ الْہٰٓئِلِیْنَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ تَوَكَّلُوْا حَقًّا وَكُنْتُمْ
 عَنْ اٰیٰتِہِ تَنْتَہِیْوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِرْعٰوْنَ اٰیٰتًا لِّمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْکٰوْهُ
 فَاَخْلٰوْا لَکُمْ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (الانعام: ۶۰-۶۳)

”... کاش تم دیکھو ان ظالموں کو سکرات موت میں اور فرشتے ہاتھ پھیلا پھیلا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی روجوں کو آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیات سے سرکشی کرتے تھے۔ اور تم تنہا پہنچ گئے ہمارے پاس جیسا کہ ہم نے تمکو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمکو عطا کیا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے ہو۔“

سورۃ المؤمنون کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے کہ مرنے والے کی روح کسی اور عالم میں منتقلی پر واپسی کی درخواست کرتی ہے کہ ”مجھے واپس لوٹا دے“۔ کہاں لوٹا دے؟ سورہ انعام کی آیت اس بات کی مکمل وضاحت کر دیتی ہے ”جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو“، یعنی یہ دنیا، یہ جسم، یہ تمام نعمتیں۔ گویا مرنے والے کی روح ان سب کو چھوڑ کر چلے جانے کے بعد اب ان کی طرف واپسی کی درخواست کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ (آڑ) حائل ہے قیامت کے دن تک“۔ تو یہ آؤ کس کے درمیان حائل ہے؟ قرآن بتاتا ہے کہ یہ آؤ مرنے والے کی روح اور ان سب چیزوں (یعنی دنیا، اس کی نعمتیں اور اس کے جسم) کے درمیان ہے جو وہ چھوڑ کر گئی ہے۔

یہ اہل حدیث کہتے ہیں کہ ہمارا تو ہر عقیدہ و عمل قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور اسی طرح اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت کہنے والے دیوبندی اور بریلوی بھی اسی بات کے دعویدار ہیں، اب ذرا بتائیں کہ کتاب اللہ تو ”برزخ“ مرنے والے کی روح اور دنیا اور اس میں موجود اس کے مردہ جسم کے درمیان بتاتی ہے جبکہ ان فرقوں کے علماء کی کتابیں اسے صرف زندہ انسانوں اور مردوں کے جسم کے درمیان قرار دیتی ہیں! کیا یہ قرآن پر ایمان ہے یا اس کا انکار؟

کیا ”برزخ“ دنیا اور آخرت کے درمیان ہے؟

اس سلسلے میں ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ یہارضی قبر ”آخرت“ کا مقام ہے اور زندہ انسانوں کا تعلق دنیا سے ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا و آخرت کے درمیان برزخ حائل کر دی ہے اسی وجہ سے اب ہم سے اس مردہ جسم پر ہونے والے تمام حالات غفلتی ہیں۔ کتاب اللہ سے اس مسئلے کی وضاحت ہو چکی ہے کہ ”برزخ“ کے معنی ”پردہ“ نہیں بلکہ ”آڑ“ ہیں، لہذا ان کا یہ عقیدہ بھی ان کے دوسرے عقائد کی طرح محض خود ساختہ و من گھڑت ہے۔

سورۃ المؤمنون کی مذکورہ آیت میں یہ بات نہیں بیان کی گئی ہے کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ہے بلکہ بیان یہ کیا گیا ہے کہ وَحِیْنَ کُلِّ نَفْسٍ مِّنْہُمْ رَآتِیْ یَوْمَہَا یُتَعَذَّبُ، یعنی برزخ کا یہ معاملہ مرنے سے لے کر یوم آخرت تک کے لیے ہے۔ قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کے برعکس انہوں نے ایک من مانی تفسیر کروالی تاکہ اپنے فرقے کا محبوبا عقیدہ ثابت کر سکیں۔

انسان کی موت کے وقت اس کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتے آتے ہیں، ان مسلک پرستوں نے اس وقت کو بھی برزخ سے تعبیر کر دیا ہے، بلا حجب ہو:

”برزخ میں فرشتوں کا مارنا: ارشاد ہوتا ہے:

وَكَوْنَتُیْ اِذْ تَنْزِیْلُ الْفَلَاكِیْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوْا اَیْدِیْہُمْ اَنْزِلُوْا اَنْفُسُكُمْ اِلَیْہِمْ فُجِرُوْنَ عَذَابُ الْہٰٓئِلِیْنَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ تَوَكَّلُوْا حَقًّا وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہِ تَنْتَہِیْوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِرْعٰوْنَ اٰیٰتًا لِّمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْکٰوْهُ فَاَخْلٰوْا لَکُمْ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (پ: ۱۰ سورہ انفال آیت ۵۰)

کاش تم اس وقت کافروں کی حالت دیکھو جب فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں اور ان کے منہوں اور پشتوں پر چوٹیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چلکو عذاب آگ کا۔

اس آیت پر بعض حضرات نے یہ تفسیری نوٹ لکھا ہے کہ فرشتے کو ہے کی گرزوں کو آگ میں سرخ کر کے تھپکاروں کو مارتے ہیں اور ان سے جو دم پیدا ہوتا ہے اس میں آگ پیدا ہوتی ہے اور سوزش ہوتی ہے فرشتے مارتے ہوئے بولتے ہیں کہ عذاب و برزخ کو چلکو۔“

(دعا کرنے کا اسلامی تصور: صفحہ نمبر ۱۲۱، از فضل الرحمن کلیم اہلحدیث)

جماعت المسلمین والے اس سلسلے میں سورہ محمد کی آیت پیش کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے“ اس وقت کافروں کی کیا کیفیت ہوگی جب فرشتے انکی روج قبض کریں گے اور انکے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔“ (محمد: ۲)

اور اس کی تشریح میں اپنی جہالت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جس طرح ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا جبکہ لاش قبر میں پوشیدہ ہوتی ہے اسی طرح جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں اور انھیں مارتے ہیں تو پاس بیٹھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا پھر ستر لپیٹے ہوئے کی سیٹھ پر مارنا تو بالکل ہی مجھ سے بالا تر ہے لیکن ضروری نہیں کہ جو نظر نہ آئے اسکا وجود ہی نہ ہو۔ نہ نظر آتے ہوئے بھی ہمارا چہرہ ایمان ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو ہم نہیں دیکھ سکتے موسیٰ علیہ السلام سے بھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لَئِنْ كُنْتُمْ بِئِي (اعراف ۱۳۳) اے موسیٰ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے اسی طرح شیائین وغیرہ ہمیں نہیں دکھائی دیتے۔ کافر کی جان نکالتے وقت فرشتے اسے مارتے ہیں لیکن فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح انسان کو خواب میں تکلیف پہنچتی ہے وہ جھٹکا جاتا ہے لیکن پاس بیٹھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا بتائیے کسی برزخ ہے؟“ (ارضی قبر یا فرضی قبر، صفحہ نمبر ۲۵)

ایک اور اہلحدیث بھی اس مسئلے پر یوں رقم طراز ہیں:

”وہ ان کے چہروں پر بھی مارتے ہیں اور ان کی سیٹھ پر بھی مارتے ہیں۔ اب فرشتے اس کے منہ اور پیٹھ پر مار مار کر اس کی روح کو نکال کر لے جاتے ہیں تو کیا آپ تک کسی زندہ نے مرنے والے کے جسم پر عزرائیل کے چھڑیوں کا نشان دیکھا ہے؟۔۔۔۔۔ اب چونکہ قرآن کریم نے کہا ہے اس لئے سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے یہی معاملہ عذاب قبر کا ہے حالانکہ وہ ابھی زندہ ہوتا ہے صرف مرنے کے قریب ہوتا ہے لیکن اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کو وہ بتانے سے قاصر ہے اور اوجہ دیکھنے سے قاصر ہیں اسی کا نام ”آز اور چودہ“ ہے جسے قرآن نے لفظ ”برزخ“ سے تعبیر فرمایا ہے۔“ (پیشاورد، صفحہ نمبر ۱۱۸، ۱۱۹ از جاری ظیل الرحمن الہدیث)

فرق پرستوں کے ان بیانات سے جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ اس طرح ہے:

- ۱۔ انسان کی روح قبض کرنے کا معاملہ برزخی ہے۔
 - ۲۔ ہمارے اور مردے کے درمیان برزخ حاکم ہو جاتی ہے۔
 - ۳۔ اسی وجہ سے فرشتوں کے مارتے کے نشانات ہم کو نظر نہیں آتے۔
- آئیے کتاب اللہ سے رجوع کریں۔

کیا روح قبض کرنے کا وقت برزخی دور ہے؟

وَهُوَ الْقَائِمُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ

الْمَوْتُ يَكُونُ فَوْقَهُ رُسُلُنَا لِيُخْبِرُوا هُمَا وَأَنذَرْنَا إِلَىٰ آلِهِم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ تِلْكَ رُجُوعُ الْإِلَهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ

أَنذَرْنَا لَهُمُ الْهَلاَكَةَ وَهُمْ أَتَمَرُوا عَلَىٰ الْيَبِينِ ﴿۹۱﴾ (الانعام ۸۹-۹۰)

”اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے پیچھے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے پھر تم پلٹائے جاتے ہو اللہ کی طرف کہ تمہارا حقیقی مالک ہے۔ سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔“

اس آیت میں فرشتوں کے ذریعے روح قبض کرانے اور پھر اللہ کی طرف پلٹانے جانے کا ذکر ہے، برزخ کا کوئی ذکر نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

إِذَا مَرَّ رُوحُ الْفُلَانِ مِنْ تَلْفَافِهِمَا عَلَيَّكَانِ يَضَعُهُمَا لِئَلَّا يَخْلُفَا فَلَاحِظٌ فَلَاحِظٌ مِنْ هُنَا ثُمَّ يَقُولُ انْظُرُوا بِهَذَا إِلَىٰ آخِرِ الْأَجَلِ (مسلم، کتاب الجنۃ واصلحہ باب عمر فی مقعد الميت)

”جب مومن کی روح اس کے بدن سے نکلتی ہے تو اس کے آگے آگے دو فرشتے جاتے ہیں، اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی توثیق اور متحکک کا ذکر کیا اور کہا کہ آسمان والے (فرشتے) کہتے ہیں کوئی پاک روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت کرے اور میرے جسم پر جس کو تو نے آیا اور کہا۔ پھر اس کو اس کے رب کے پاس لے جاتے ہیں وہ فرماتا ہے: لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لیے۔ اور جب کافر کی روح نکلتی ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر لعنت کا ذکر کیا اور کہا کہ آسمان والے (فرشتے) کہتے ہیں کہ ناپاک روح ہے جو زمین سے آئی ہے پھر علم ہوتا ہے لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لیے۔“

مالک کا نکات فرماتا ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَىٰ لِّمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَلَكُمْ مَقُورَاتٌ ﴿۸۳﴾ (الانعام ۸۳)

”تم تنہا پہنچ گئے ہمارے پاس جیسا ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور تم چھوڑ آئے ہو اپنی بیٹھ بیچھے جو کچھ ہم نے تم کو عطا فرمایا تھا۔“

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے پتہ چلا کہ فرشتے اس روح کو آسمانوں میں لے جاتے اور اس کو رب کا نکات کے سامنے پیش کرتے ہیں، وہاں اس روح سے اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے۔ یہاں تک برزخ کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ روح اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے جانے کے بعد کیا درخواست کرتی ہے، سورۃ المؤمنون میں

۱. ہمیں کھڑے ہو جائیں (تو یہ اللہ سے ملنے کا وقت ہے)۔“

حَقَّقَ إِذْ جَاءَهُ أَحَدُهُمُ الْمَوْتَ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِي ﴿ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلِمَاتُهَا كَلِمَةٌ فَهُوَ قَائِلٌ لَهَا أَوْ مِنْ وَرَائِهَا يُرْجَى إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ
(المومنون: ٩٩، ١٠٠)

نہ معلوم یہ کیسا پردہ ہے کہ مرنے والے کی بعض مادی کیفیات کو ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے سانس کا اکھڑنا، آنکھوں کا چڑھنا وغیرہ۔ البتہ فرشتے نظر نہیں آتے، ان کا مارنا نہیں دکھائی دیتا اور روح قبض کرنا نہیں دکھائی دیتا۔ تو بتائیے یہ برزخ کے حالات ہوئے یا قیاب کے معاملات؟ جماعت المسلمین والے اپنے آپ کو قرآن وحدیث کا چمپین سمجھتے ہیں، لیکن انہوں نے بھی غیب اور برزخ کو خلاصہ ملط کر دیا ہے۔ یہ علم کے دعویدار فرشتوں کے نہ دکھائی دیتے کو ”برزخ“ قرار دیتے ہیں جبکہ اس دنیا میں بے شمار واقعات ہوتے ہیں جن میں فرشتے نظر نہیں آتے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو جو اس کے دائیں بائیں (فرشتے) بیٹھتے ہیں وہ اسے لکھ لیتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ فرشتے مسجد میں بیٹھنے والوں کے لیے دعا کرتے ہیں، جمعہ کے دن صلوٰۃ کے لیے آنے والوں کے نام رجسٹر میں لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر کی محفلوں پر اس طرح چھا جاتے ہیں کہ آسمان تک قطار بنا لیتے ہیں..... تو کیا یہ سب برزخی امور ہیں یا غیبی معاملات؟ جناب نے کیا خوب علمی بصیرت پائی ہے! ان سے ہماری گزارش ہے کہ مستحق کے چمپین بننے کی بجائے کتاب اللہ کے مطابق ایمان لے آئیں۔

اب جب روح اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست کرتی ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ ”برزخ“ کا ذکر فرماتا ہے کہ دنیا میں واپس جانے کی بات ہرگز ممکن نہیں کیونکہ ان مرنے والوں کے پیچھے اب برزخ کی ”آز“ ہے قیامت کے دن تک کے لیے یعنی مرنے کا بعد ٹھکانہ برزخ میں ہے۔ قرآن کے انکار میں ان کا دیا ہوا عقیدہ یہ ہے کہ اب ہمارے اور مردے کے درمیان چونکہ ”پردہ“ آگیا ہے اس لیے اب مردے کو جو مارا پیٹا جا رہا ہے وہ ہمیں نہیں دکھائی دیتا حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ فحش امور ہونے کی وجہ سے ہم ان کا مشاہدہ نہیں کر سکتے لیکن حتمی طور سے اس کو برزخ کا معاملہ قرار دینا بے دلیل ہے کیونکہ برزخ کا مرحلہ شروع ہی اس وقت ہوتا ہے جب روح کا بدن سے اخراج ہو جائے جبکہ اخراج سے پہلے کی بعض مادی و جسمانی کیفیات کا تو ہم خود بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

كَلَّا لَإِن كَانَ بَلَاءُكَ يُرَاقَىٰ ۖ وَبَيْنَ مَنْ رَاقٍ ۖ وَخَطَرَ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۚ وَالصَّلَاقِ
الْعَاقِبَةُ الْعَاقِقُ إِلَى رَيْكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۚ (القيامة: ٣٦-٣٨)

”برگزینہ! جب روح گھر تک پہنچ جائے اور کہا جائے کون ہے مجھاڑ پھونک کرنے والا۔ اور اس نے جان لیا کہ آپ جدائی کا وقت ہے اور پنڈلی سے پنڈلی ل جائے، اس دن تجھے اپنے رب کی طرف جانا ہے۔“

فَلَوْلَا إِذْ يَدْعُبُ الْمَلَائِكَةُ بِالْوَأْدَتِمْ جِئْتُمْ بِشُيُورِكُمْ (الواقعة: ٣٣، ٣٤)

”اور جب روتے گئے میں آپ پوچھتی ہے اور تم اس حالت کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔“
 ﷺ نے فرمایا:

إذا طلع النضر وحُشِرَ الفُدرُ والقُدرُ الجُدُ فوَدَّ.....

(لثانی: کتاب الدعوات، باب فی من احب لقاء الله)

”جب بیٹائی مٹ جائے اور چھاتی میں دم آجائے اور بدن کے

ہے، یہ مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔

برزخ کی اس سن مانی تشریح میں آل فرعون کو ہونے والے عذاب کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے:

”الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَلِلَّهِ الْعَذَابُ الْعَظِيمُ“

صبح شام تمام فرعونی آگ پر پیش کئے جاتے ہیں لیکن مصر کے جانب گھر میں آج بھی فرعون کی لاش موجود ہے اور کبھی بھی مصری پریشان نہیں ہوئے کہ صبح و شام لاش کہاں غائب ہو جاتی ہے اس لئے کہ فرعون کی لاش وہاں سے غائب نہیں ہوتی لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قرآن کریم سچا ہے وہ یقیناً بلا تلافی آگ پر پیش ہوتا ہے لیکن اس پیشی کو بھی برزخ میں رکھا گیا یعنی ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا جس کی وجہ سے ہم ان کے ساتھ ہونے والے سلوک کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

اب کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب ہمیں وہ پیش ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے تو پھر ہم کیسے مان لیں؟ تو اس کے جواب میں ہم اتنا عرض کریں گے کہ وہ پیش ہوتے ہیں کیونکہ قرآن کہتا ہے وہ کس طرح پیش ہوتے ہیں ہم اس کیفیت کو نہیں جانتے اور نہ ہی جانتے پر مختلف ہیں۔ (زمخشری صفحہ ۸۲، ۸۱)

در اصل عقیدہ تو پہلے سے بنا ہوا ہے۔ جو جس فرقے سے وابستہ ہے اس کا عقیدہ اپنے فرقے کے اکابرین ہی کے اقوال پر مبنی ہے، اب اگر اس کا ثبوت کتاب اللہ سے مانگا جائے تو پھر یہ ان کے لیے کس طرح ممکن ہوگا اور جب ان کے سامنے قرآن و حدیث کی بیان کردہ کوئی بات رکھی جائے، تو یہ فرقہ پرست اس کی وضاحت بھی نہیں کر پاتے اس لیے کہ ان کے عقائد تو ہیں ہی خلاف قرآن و حدیث۔ اب یہ اس طرح کا طرز عمل اختیار نہ کریں تو اور کیا کریں؟ ان کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ ”جی ہاں اب مردے اور ہمارے درمیان برزخ آگئی، آگے ہمیں کچھ نہیں معلوم“ حالانکہ صاف اور سمجھ میں آنے والی بات تو یہ ہے کہ آل فرعون پر ہونے والے عذاب کا تعلق اس دنیا اور یہاں موجود مرد و لاشوں سے بالکل نہیں، بلکہ یہ تو دوسرے جسموں کے ساتھ جہنم کی آگ پر پیش کیے جاتے ہیں جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن و حدیث سے بہت کر عقائد رکھنے والے یہ فرقہ پرست اس دنیاوی قبر کو بھی برزخ قرار دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

”پھر اس پر موت آتی ہے یعنی قبر کی زندگی یا برزخی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔“

(دعاء عذاب قبر اور سماع سوئی، صفحہ ۱۸، از عبد الرحمن کیلاتی، اہلحدیث)

اہل تشیع عقیدہ رکھتے ہیں:

”برزخ اس عالم دنیا کے پردے میں ہے۔ لیکن ہے بعض افراد کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ عالم برزخ اس طول و تفصیل کے ساتھ کہاں واقع ہے؟ یقیناً ہماری عقل اس حد تک نہیں پہنچتی کہ ہم اسے سمجھ سکیں۔ ہم بس اتنا ہی کہیں گے کہ عالم برزخ اس عالم دنیا سے پردہ اور غیب میں ہے اور اسے سمجھنے کے لیے روایات میں بہت سی تشریحات وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ دنیا مع اپنی زمینوں، آسمانوں وغیرہ کے عالم برزخ کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے ناپید اکھڑا صحرا و بیاباں میں ایک مختصر ساحل ہے، جب تک انسان دنیا میں رہتا ہے وہ ریشم کے کپڑے کی طرح یا اس بچے کی طرح جو ظلم مادر میں ہو محدود ہوتا ہے۔ جب او مرتا ہے تو آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ بظاہر رہتا ہے ہی اسی دنیا میں اور کہیں جاتا نہیں ہے لیکن اب اس کے محدودیت باقی نہیں رہ جاتی، اس کے لیے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں رہ جاتی، کیونکہ یہ قیدیں اسی دنیا تک محدود ہیں جو عالم مادہ و طبیعت ہے۔“ (معارف صفحہ ۷۹-۸۰)

احمد رضا خان بریلوی کہتے ہیں:

”اسی لئے علماء فرماتے ہیں دنیا کو برزخ سے وہی نسبت ہے جو رحم مادر کو دنیا سے پھر برزخ کو آخرت سے یہی نسبت ہے جو دنیا کو برزخ سے اب اس سے برزخ و دنیا کے علوم و ادراکات میں فرق سمجھ لیجئے وہی نسبت چاہیے جو علم جنین کو علم اہل دنیا سے واقعی روح طائر ہے اور بدن نفس اور علم پردہ و بستر سے میں پرندگی پر فطرتی کفایتی ہاں جب کھڑکی سے باہر آیا اس وقت اس کی جولانیاں قابل دید ہیں۔“ (روح کی دنیا، صفحہ ۱۲۸، از احمد رضا خان بریلوی)

ان مسلک پرستوں کی اکثریت اسی عقیدے کی حامل ہے: قاری محمد طیب دیوبندی نے تو اپنی کتاب ”عالم برزخ“ میں متعدد جھوٹے چشم دید واقعات بیان کر کے اسی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ کچھ واقعات کا تعلق انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی جوڑ دیا ہے لیکن حوالہ کسی بھی حدیث کا نہیں دیا۔ اس طرح ان سب لوگوں کی تحریروں میں عذاب قبر کے حوالے سے حیات فی القبر کے سلسلے میں ان کے مشترکہ عقیدے کی بھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ دراصل ان لوگوں کے پاس قرآن و احادیث صحیحہ کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ عقائد کے لیے بہت سارے دلائل ہیں اور یہ سب موضوع و منکر روایات یا جھوٹے افسانوی واقعات پر مبنی ہیں جن کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم کی آیات اور احادیث صحیحہ کی غلط تشریحات کی جاتی ہیں جس کی مثالیں ابھی آپ کے سامنے آچکی ہیں اور مزید آگے آرہی ہیں۔

اس جھوٹ کا جواب بھی حدیث میں ملتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَا اخَذَ لَدَى خَلِّ الْخَيْلَةِ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مَنَى إِلَّا الشَّيْطَانُ.....

(بخاری: کتاب الجہاد و السیر، باب تمنی المحاہد... إلی الدنیا)

”کوئی بھی شخص ایسا نہیں کہ جو جنت میں داخل کیے جانے کے بعد دنیا میں

دوبارہ آنا پسند کرے، خواہ اسے ساری دنیا مل جائے سوائے شیطان“

قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْخَيْلَةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَأَنَّهُ تُوذِي النَّاسَ

(مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل إزالة الطريق)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک

شخص کو آرام کرتے ہوئے دیکھا جس نے ایک درخت کو راہ سے کاٹ دیا تھا جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی تھی۔“

قرآن وحدیث نے وضاحت کر دی کہ مرنے کے بعد جزااں دنیا میں نہیں ملتی

بلکہ ایسے مقام پر ملتی ہے جہاں سے وہ دنیا کی طرف آتا ہی نہیں چاہتا، چاہے

اسے دنیا کی ہر چیز ہی کیوں نہ دے دی جائے۔ یعنی اس کو ایسی جزااں مل چکی ہوتی

ہے کہ اس پوری دنیا کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، لیکن شہید اس دنیا کی

طرف واپس آنا چاہتا ہے اس لیے کہ شہادت پر جو اس کا استقبال ہوتا ہے اور

جس طرح وہ نوازا جاتا ہے اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس ناقابل بیان جزا

کو دوبارہ حاصل کرے۔ یہ شہید کہاں ہوتے ہیں؟ کتاب اللہ بیان کرتی ہے۔

يَكُنْ أَحْيَاؤُكُمْ عَنْكُمْ تَزِيدُكُمْ وَأَمْثَلُكُمْ

”بلکہ اپنے رب کے پاس زکوہ ہیں، رزق پاتے ہیں۔“

نبی ﷺ نے شہداء کے مقام کے بارے میں بیان فرمایا:

أَزْوَاجُهُمْ فِي خَوْفِ طَبَرِ خُطْبَرٍ لَهَا قَنَادِيلٌ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ

تَنْسَبُحُ مِنَ الْخَيْلَةِ خَيْفَ ثَلَاثَ ثَمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ

فَاعْلَافُ النَّبِيِّمْ رُفُفٌ أَظْلَاعُهُ فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُونَ..... قَالُوا لَا

ذِبْ لُبَيْدُ أَنْ تَرَوْا خَنَافِي أَحْسَنَ دَنَا خَنِي لَفْظُ فَنِي سَبِيلِكَ

مَرَّةٌ أُخْرَى فَلَمَّا رَأَى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ لَوْ شِئَا

(مسلم: کتاب الامارۃ باب فی ارجاع شہداء... برزخون)

”شہداء کی زوجیں ہنز پرندوں کے جسموں میں ہیں اور ان کے لیے قنڈیلیں

عرش الہی سے لگی ہوئی ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں اور

بحران قدیوں میں آکر بیرا کرتے ہیں۔ ان کی طرف ان کے رب سے

مابعدہ طور میں قرآن وحدیث سے اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے

کہ جب روح اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست

کرتی ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا واپس جانے کی بات ہرگز ممکن نہیں

کیونکہ ان مرنے والوں کے پیچھے اب برزخ ہے قیامت کے دن تک کے لیے،

یعنی اب یہ روح واپس دنیا کی طرف چلنا چاہے تو دنیا اور اس کے درمیان ایک

آڑ (برزخ) حائل ہے، اور یہ قیامت کے دن تک ”برزخ“ کے اس پار ہی

رہے گی، اسی حوالے سے اسے ”عالم برزخ“ کہا جاتا ہے۔

کتاب اللہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسانی زندگی کے دو ادوار ہیں: ایک

عمل کا دور اور دوسرا اس کی جزااں کا دور۔ انسانیت سے اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ

ہے کہ اگر مسلم بن کر واپس لوٹے تو اس کے لیے جزا ہے اور حالت کفر میں واپس

لوٹنے والوں کے لیے صرف اور صرف سزا ہے۔ اس وعدے کے پورے ہونے

کا مقام کونسا ہے؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

وَفِي النَّارِ أَرْدُفَتٌ لَهُمْ أَعْيُنُهُمْ وَاللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ

”اور آسمان میں ہے تہارار رزق اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“

قرآن سے یہی وضاحت ملتی ہے کہ مرنے کے بعد جس جزااں کا وعدہ کیا گیا

ہے وہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آسمانوں میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں یہی

فقیدہ دیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ يُسْرُهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا

وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّيْطَانُ لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَإِنَّهُ يُسْرُهُ أَنْ

يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا لِيُفْتَلَ عَرَّةٌ أُخْرَى

(بخاری: کتاب الجہاد و السیر، باب الحور العين و صفتہن)

”بندوں میں سے جو کوئی مرتا ہے اور اس کے لیے اللہ کے پاس خیر ہے تو

نہیں چاہتا کہ دنیا کی طرف لوٹ آئے اگرچہ اس کو دنیا کی ہر چیز سے دی

جائے، سوائے شہید کے کہ اس نے شہادت کی فضیلت دیکھ لی ہوتی ہے۔ ا

وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹ آئے اور دوبارہ اللہ کی راہ میں شہید کیا

جائے۔“

یہاں بھی یہ فرق پرست لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ اسی قبر میں اس

کو سب کچھ ملتا ہے: اسی قبر میں جنت یا جہنم کی طرف کھڑکی کھول دی جاتی ہے،

یہی مقام آخرت ہے جہاں سے مرنے والا واپس نہیں آنا چاہتا..... ان کے

جھانکا اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں کسی اور چیز کی خواہش ہے۔ شہداء نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں، جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مڑے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تین بار ان سے یہی دریافت کیا اور شہداء نے دیکھا کہ جب تک وہ کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے ان کا رب ان سے برابر پوچھتا رہے گا تو انہوں نے کہا کہ مالک ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری رگوں کو پھر ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیا جائے اور ہم دوسری بار تیری راہ میں شہید کیے جائیں۔ اب کہ مالک نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔

سورہ آل عمران کی آیت اور اس کی تفسیر میں اس روایت نے پوری طرح واضح کر دیا کہ دنیاوی جسم بے روح ہیں اور ارواح کو دوسرے جسموں کے ساتھ جنت کی راحتیں حاصل ہیں۔

نبی ﷺ کو خواب کے ذریعے انسانوں کو موت کے بعد ملنے والی جزا کے مناظر دکھاتے ہوئے فرشتوں نے نبی ﷺ کو بتایا:

.....وَالَّذِیْ الْأَوْلٰی اَلْنٰی ذٰلَکَ غَاثَۃُ النَّوْمِیْنِ وَاَمَّا هٰذِہُ النِّدَآءُ فَاِذَا الشَّہْدَآءُ..... اِنَّہٗ یَقِیْ لَکَ عُثُوْرٌ لَّمْ تَسْتَحْجِلُوْہُ فَلَوْ اَسْتَحْجَلْتُمْ اَتٰیْتُمْ فَنُوْرٌ لَّکَ (بخاری: کتاب الجنائز)

”.....وہ پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے عام مومنین کا گھر تھا اور یہ شہداء کے گھر ہیں اور میں جبرائیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں آپ ذرا اپنا سرا پر اٹھائیے۔ میں نے اپنا سرا اٹھایا تو اپنے سر کے اوپر ایک بادل سا دیکھا ان دونوں نے کہا یہ آپ کا گھر ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں۔ ان دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا جب آپ اس کو پورا کر لیں گے تو اپنے اس گھر میں آ جائیں گے۔“

اسی طرح سورہ مومنون کی آیت نمبر ۱۰۰ میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ فاسق لوگوں کی رگوں مرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچائی جاتی ہیں تو حقیقت سامنے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس دنیا میں بھیجے جانے کی درخواست کرتی ہیں۔ موت کے بعد کی سزا اس دنیا میں نہیں ملتی بلکہ اس کا مقام جہنم بیان کیا گیا ہے جیسا کہ آل فرعون (المومن: ۳۶)، نوح علیہ السلام کی بیویاں (تحریم: ۱)، نوح علیہ السلام کی قوم (نوح: ۲۵)۔ غزوہ بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے قتل ہو جانے والے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: هٰکُنْ وَجْہُکُمْ لِرَبِّکُمْ وَارْجِعْ وُجُوْہُکُمْ لِمَا کُنتُمْ یَہْتَدُوْنَ۔ پھر کیا تم نے اس وعدے کو حق پایا جو تمہارے

رب نے تم سے کیا تھا؟“۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآنی آیات پڑھ کر اس کی تشریح فرمائی کہ یہاں سننا مراد نہیں ہے بلکہ جاننا مراد ہے، یعنی نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ جو میں تم سے کہا کرتا تھا اب تم کو پتہ چل گیا ہوگا کہ وہ سب سچ تھا۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قرآنی آیات پڑھنے سے مراد یہ تھی کہ حسن حبیب و اصفاء علیہم من النار ”جب جہنم میں ان کو آگ کا ٹھکانہ مل گیا ہوگا (جب انہوں نے اچھی طرح جان لیا)“۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل)

موت کے بعد انسانوں پر ہونے والے عذاب بھی نبی ﷺ کو خواب میں دکھائے گئے جس کا حال نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ:

.....فَاِذَا رَجَلٌ جَالِسٌ وَ رَجُلٌ قَائِمٌ یُّبَدِہُ..... فَقُلْتُ مَا هٰذَا.....

(بخاری: کتاب الجنائز)

”.....میں دیکھتا تھا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص کھڑا ہے اور اسکے ہاتھ میں لوہے کا آغڑا ہے وہ اس کو پیٹنے ہوئے شخص کے گال میں داخل کر کے گال کو گردن تک پہنچا دیتا ہے پھر اس کے دوسرے گال کے ساتھ بھی عمل کرتا ہے پھر گال جز جاتے ہیں اور پھر وہ (کھڑا) شخص (بیٹھے ہوئے) کے ساتھ دوبارہ یہی معاملہ کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے۔ پس ہم چلے یہاں تک کہ ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنی گدی کے ٹل لیٹا ہوا تھا اور اس کے سر پر ایک دوسرا شخص پتھر لیے کھڑا ہوا تھا اور پتھر مار کر اس کا سر بچھاڑ دیا تھا۔ پتھر سر پر پڑنے کے بعد ایک طرف لڑھک جاتا تھا اور پتھر مارنے والا اس کو اٹھانے کے لیے جاتا اور اس درمیان میں کہ دلوٹ کر اپنی کئی سر پھر جڑیٹا اور وہ ایسے ہی ہو جاتا کہ سیرا پہلے تھا۔ اب پھر وہ پہلے کی طرح پتھر کو سر پر مارتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے (یہ دیکھ کر) ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے۔ ہم چلے اور خود کی شکل کے نقب کے پاس آئے اس نقب کے اوپر کا حصہ ٹٹک اور نیچے کا وسیع تھا اور اس میں آگ جل رہی تھی اس نقب کے اندر برہنہ مرد اور عورتیں تھیں۔ جب آگ تیز ہوتی تو وہ اوپر اٹھتے اور باہر نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب ٹٹکی ہوتی تو نیچے واپس چلے جاتے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یہ کیا ہو رہا ہے؟ ان دونوں نے کہا آگے چلیے۔ ہم چلے یہاں تک کہ ایک نہر پر آئے جو خون سے بھری ہوئی تھی اور اس میں ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے کنارے ایک اور شخص کھڑا ہوا تھا جس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ جب نہر والا شخص آگے بڑھتا اور باہر نکلتا چلتا تو باہر والا اس کے منہ پر پتھر مارتا اور اسے واپس اس

کی جگہ لوٹا دیتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کہا یہ سب کیا ہے۔۔۔؟
فرشتوں نے بتایا:

اِنَّ الَّذِي رَاْنِيْهُ يُشْفِقُ مِنْهُ فَاِنْ كُذِّبَ فَكُذِّبَتْ تَحْدِيْثُ بِالْكُذْبَةِ
فَتُحْمَلُ..... وَالَّذِي رَاْنِيْهُ فِي النَّهْرِ اَكْلُوْا الرِّثْوَا..... (ایضاً)
”.....وہ جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کے گال بھاڑے جا رہے
تھے وہ کذاب تھا جھوٹی باتیں بیان کرتا تھا اور لوگ اس بات کو لے اڑتے
تھے یہاں تک کہ ہر طرف اس کا چرچا ہوتا تھا تو اس کے ساتھ جو آپ نے
ہوتے دیکھا وہ قیامت تک ہوتا رہے گا اور جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر
پکلا جا رہا تھا، یہ وہ شخص تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا لیکن وہ
رات کو قرآن سے غافل ہوتا رہا اور دن میں اس کے مطابق عمل نہ کیا، یہ عمل
اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور جن کو آپ نے قلب میں دیکھا وہ
زنا کار تھے اور جس کو آپ نے نہر میں دیکھا وہ سوہ خور تھا.....“

زنا کاروں کی قبریں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں تو پھر یہ مقام کونسا ہے کہ
سارے زنا کار اکٹھے ایک ہی طور میں عذاب دیے جا رہے ہیں؟ سوہ خور
خون سے بھری نہر میں عذاب دیا جا رہا تھا جبکہ ان لوگوں کا وجود بھی
سارے جہاں میں کسی ایک جگہ مخصوص نہیں؟ تو کیا یہ خون کی نہر ہر سوہ خور کی
دنیوی قبر میں جاری کر دی جاتی ہے؟ کبھی کسی قبرستان میں جاری ایسی خونی
نہر، بلکہ نہروں کا مشاہدہ کیا ہے؟

کتاب اللہ کے بیانات اور احادیث سے واضح ہوا کہ عالم برزخ کا
اس عالم دنیا سے تعلق نہیں۔ قرآن و حدیث کے اور بھی دلائل اس سلسلے میں پیش
کیے جاسکتے ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے صرف انہی دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔
ماننے والوں کے لیے تو یہی بہت ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے تو اگر پورا
قرآن بھی پیش کر دیا جائے تو وہ نہ مانیں گے۔ ابو جہل و ابولہب کی مادری زبان
عربی تھی، وہ آج کے ان نام نہاد شیخ القرآن و شیخ الحدیث سے بہت زیادہ عربی
جانتے تھے لیکن قرآنی مثالیں سن کر کہتے یہی تھے:

مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا امْتَلَا (القرۃ: ۲۶)

”اللہ تعالیٰ ایسی مثالیں دے کر بھلا کیا چاہتا ہے۔“

بالکل اسی طرح بخاری کی اس حدیث کے بارے میں ابجدیٹ علامہ فرماتے ہیں:

”جیسا کہ خواب میں آپ ﷺ نے کچھ نافرمانوں کو جملائے عذاب دیکھا تھا
ان واقعات کا تعلق عام عذاب سے ہے خاص عذاب القہر سے نہیں اور یہ
احادیث بتا رہی ہیں کہ عذاب القہر ایک بالکل الگ شے ہے۔“

(خلاصہ الدین الخالص: صفحہ ۳۶)

یہ ابجدیٹ بتائیں کہ ”عام عذاب“ کیا ہوتا ہے؟ کتاب اللہ سے صرف عذاب
دنیا اور عذاب آخرت کا ثبوت ملتا ہے اور عذاب القہر آخرت کے عذاب کا ہی
ایک حصہ ہے جو انسان کی موت سے شروع ہو کر قیامت کے دن ختم ہوگا۔ سرہ
بن جہد ﷺ سے مروی اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی ﷺ کو
فرشتوں نے اس عذاب کی بابت بتایا تو کہا: يُفْعَلُ بِهِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ”یہ
اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔“ اب ان مسلک پرستوں سے کوئی
پوچھے کہ انسان کی موت سے لے کر قیامت کے دن تک دیے جانے والے
عذاب کا نام ”عام عذاب“ ہے یا ”عذاب القہر“؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ كُنْ لِّمَنْ كُنْتَ لِمَنْ مِّنْہُمْ

یہی موصوف اپنی مذکورہ کتاب میں عذاب القہر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”موت کے بعد سے قیامت کے دن تک جو عذاب اللہ کے نافرمان بندوں

کو دیا جائے گا اسی کا نام عذاب القہر ہے۔“ (خلاصہ الدین الخالص: صفحہ ۳۱)

ملاحظہ فرمایا ان کا دو دُرُخاطر زلزلہ و استلزال۔ جس بات کو اپنے موقف کے ثبوت میں
پیش کرتے ہیں، دوسری جگہ خود اسی کو رد کر دیتے ہیں! یہاں عذاب القہر کو عام
عذاب کہنا ان کی مجبوری ہے کیونکہ اس حدیث میں اس عذاب کے ہونے کا
مقام واضح کر دیا گیا ہے جو کہ ان کے خود ساختہ عقیدے کے مطابق ”زمینی قبر“
میں ہرگز نہیں۔ اس حدیث سے چونکہ انکے خود ساختہ عقیدہ کی حقیقت بالکل ہی
عیاں ہو رہی ہے اس لیے علماء یہود کا طرز عمل اپناتے ہوئے اس کو توڑ مروڑ کر
اس طرح پیش کیا گیا کہ حق پر پردہ پڑ جائے اور یہ بات اس طرح مشتتب ہو جائے
کہ کوئی سمجھ نہ پائے۔ کہتے ہیں ”ہم ابجدیٹ ہیں“، اگر حدیث کا انکار کرنے
والوں اور اس کے مفہوم کو بدل ڈالنے والوں کو ہی ابجدیٹ کہتے ہیں تو پھر یہ
واقعی ابجدیٹ ہیں۔ علامہ موصوف اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”احادیث کے متعلق اگر ذرا بھی ایمان حزر لال ہو جائے تو پھر گویا اس شخص کا

پورا اسلام ہی مشکوک ہو جائے گا۔“ (ایضاً: صفحہ ۱۶)

لیکن طرقتہ ثنائیہ یہ ہے کہ زیرِ نظر واضح حدیث اور اسی طرح کی دوسری احادیث کا
تو کھلا انکار کرتے ہی ہیں لیکن قبر سے باہر چار پائی پر عذاب القہر ہونے کا عقیدہ بھی
دیتے ہیں! ملاحظہ فرمائیے:

”حالانکہ عذاب کا یہ سلسلہ حالت نزاع ہی سے جب کہ میت ابھی چار پائی پر

ہوتی ہے شروع ہو جاتا ہے اور فرشتے اس کے چہرے اور پیٹ پر ضربیں لگاتی

شروع کر دیتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اس عذاب کا کوئی حصہ دنیا والوں پر

ظاہر کر دیتا تو چار پائی نظر آتی اور یہی اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ دکھائی دیتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس عذاب کا تعلق غیب کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ زندہ انسانوں کے سامنے اسے ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ لہذا عمومِ بلیہ کی وجہ سے اس عذاب کا نام نبی ﷺ نے عذابِ قبر رکھا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک شخص ہسپتال میں لوگوں کا علاج کرتا ہے تو لوگ اسے ڈاکٹر صاحب صاحب کہتے ہیں اب یہی شخص نماز پڑھتے تو لوگ کہتے ہیں کہ ”ڈاکٹر صاحب نماز پڑھ رہے ہیں“ حالانکہ نماز پڑھتے ہوئے یہ شخص ڈاکٹری کا کام نہیں کر رہا ہوتا ہے اب تو اسے نمازی صاحب کہنا زیادہ مناسب تھا لیکن اس شخص کو کوئی عمل کرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ بے ساختہ یہی کہے گا کہ ڈاکٹر صاحب فلاں کام کر رہے ہیں۔“ (ایضاً صفحہ ۲۲)

پہلے عقیدہ گھڑا کہ اسی جسم پر عذاب قبر ہوتا ہے، پھر آگے چل کر کہہ دیا کہ یہ فیب کا معاملہ ہے اس لیے ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔..... پھر خیال آیا کہ لوگ پوچھیں گے کہ حضرت! یہ کیا عذاب قبر ہے جو قبر کے باہر ہی ہو رہا ہے! تو اس کے لیے یہ مثال دیکھی کہ چاہے ستر پر ہی کیوں نہ ہو، یہ پہلائے گا عذاب قبر ہی اور نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ دیا کہ آپ نے اس جسم پر ہونے والے عذاب کا نام عذاب قبر رکھا ہے اگر ستر پر ویسے جانے والے عذاب کو قبر کا عذاب مان لیا تو عالم برزخ میں ہونے والے عذاب کو عذاب قبر ماننے میں کیا مشکل درپیش ہے؟ اپنے جھوٹے عقیدے کی زور سے جسم سے جان نکلنے اور اور قبر ملنے سے پہلے ہونے والے عذاب کو تو قبر کے باہر ہی "عذاب قبر" ثابت کر دیا لیکن اس حقیقی عذاب قبر کو جو موت آجانے کے بعد شروع ہوا اور جو نبی ﷺ پر خواب کے ذریعے وحی بھی کیا گیا اور جس کے متعلق نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بتایا کہ "یہ اس مردے کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا"، اس کو انہوں نے "عام عذاب" قرار دے دیا! حالانکہ جہنم میں عمر و بن کی کو جملائے عذاب دیکھنے کے بعد ہی اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

وَلَقَدْ أَذْهَبْنَا إِلَى الْفُتُوْرِ مِثْلَ آوْ قَرِيْنًا مِّنْ فِئْتِهِ الْمَوْجِلِ
 "اور میری طرف وہی گئی کہ تم اپنی قبروں میں آؤ گے جاؤ گے مثل یا قرینہ یا جال کے"
 اور تب ہی لوگوں کو عذابِ قبر سے بچاؤ مانگنے کا حکم دیا، لیکن یہ مولوی صاحب اس
 عذاب کو "عذابِ قبر" ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو یہ ہے ان کی کرشمہ سازی کہ قبر
 سے یا ہر چار دہائی پر ہوتے والا عذاب تو ان کے نزدیک "عذابِ قبر" ہے جبکہ
 ابھی جان بھی نہیں نکلی لیکن اس زمینِ قبر کے علاوہ جہنم (عالمِ برزخ) میں بعد از
 مرگ ہونے والا عذاب "عذابِ قبر" نہیں!

احادیث کے ساتھ اہلحدیثوں کا یہ طرز عمل کوئی نئی بات نہیں۔ ابھی آگے چل کر آپ کے سامنے آئے گا کہ یہ تو اہلحدیثوں کا طرز امتیاز ہے اور بالان کے ایمان کا معاملہ، تو ان کا اوپر بیان کردہ جملہ خود انہی پر ایک مسلمہ گواہی ہے۔

قرآن وحدیث کا بیان خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ اکابر پرست اپنے طے شدہ عقیدہ سے ہرگز پلھرنے والے نہیں۔ کتاب اللہ آخرت کی جزا و سزا کا مقام خواہ کچھ بھی بتاتی رہے، ان کا عقیدہ یہی ہے کہ اسی زمین میں یہ سب کچھ ہوتا ہے اور اپنے اس باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ سورۃ الاعراف، طے اور مرسلات کی آیات پیش کرتے ہیں۔ لہذا ضرور دہی ہے کہ ان آیات کی تفسیر صحیح بھی لوگوں کے سامنے لائی جائے تاکہ واضح ہو جائے کہ کیا قرآن مجید میں مرنے کے بعد عذاب و راحت کا مقام یہی زمین بتایا گیا ہے؟

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ ۖ وَفِيهَا تَمُوتُونَ ۖ وَفِيهَا تُنْشَرُونَ (الاعراف: ٣٥)

”اس میں تم کو بیٹنا ہے اور اس میں تم کو مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو نکالا جائے گا۔“

مِنْهَا خُذْ كَلْبًا وَفِيهَا يُعْفَدُ لَكَ وَفِيهَا أَنتُ بَارَكُ الْاُخْرَى (طه: ١٦)

”اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی میں ہم تم کو لوٹائیں گے۔ اے اور اسی سے ہم تم کو دوبارہ نکالیں گے۔“

أَلَمْ تَجْعَلِ الْإِنسَانَ كَقَمْحٍ وَنَخْلٍ
وَأَمْ لَا تَذَكَّرُ (الرحمن: ٢٤-٢٦)

^{۱۰} کیا تاہم نئے زمین کو زلزلوں اور گرد و غبار کے لیے کافی نہیں کر دیا؟

ان آیات کو یہ فرق پرست اپنے اس باطل عقیدے کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ ان میں سے کسی میں بھی مرنے کے بعد کی جزا و سزا کا کوئی ذکر نہیں۔ جماعت المسلمین والے فرماتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ زمین میں موت آنی لگی اور زمین ہی سے نکالا جائے گا یہ دونوں چیزیں واضح طور پر اعلان کر دی ہیں کہ مرنے کے بعد جو کچھ ہوگا وہ زمین ہی میں ہوگا۔“ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے درمیانی وقت کے سلسلے میں کسی جگہ کوئی ذکر نہیں۔ زمین میں مرنا اور زمین سے بہت زیادہ قیامت اٹھایا جانا یہ تسلسل بتا رہا ہے کہ درمیانی وقفے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں۔“

(۱) (مضی) قیصر و قیصری (مضی)

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اسی مٹی سے بنایا گیا ہے، اسی زمین پر یہ اپنی زندگی گزارے گا، موت کے بعد اسی مٹی میں لوٹا جائے گا پھر قیامت کے دن اسی مٹی سے نکالا جائے گا۔ اب اس کے بعد یہ کہنا کہ "یہ دونوں چیزیں واضح طور پر اعلان کر رہی ہیں کہ مرنے کے بعد جو کچھ ہوگا وہ زمین ہی میں ہوگا" مبغض اپنے باطل عقیدے کا استحراج ہے ورنہ ان آیات میں ایسی کوئی بات ہرگز نہیں۔

سے ثابت ہے کہ آخرت کی جزا و سزا کا مقام یہ دنیا نہیں۔ اب جو یہ عقیدہ رکھے کہ آخرت کی جزا و سزا اس دنیا میں ملتی ہے وہ قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والا ہے یا اس کا کفر کرتا ہے؟ دنیا والوں کے بتائے ہوئے ان قبرستانوں میں پائی جانے والی یہ قبریں عالم دنیا میں ہیں یا عالم آخرت میں؟ افسوس صد افسوس! شیطان نے کیا گمراہ کر دیا ہے! اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَيَكُوْنُ اِلٰى ذٰلِكَ لَیْسَ لَہٗ اٰیٰتٍ کٰثِرَۃٌ وَّ اِنَّ اَكْثَرُ عٰمِلِیْہِ لَفٰی ضَلٰلٍۭۃٍۭۭۢ

برزخ کے بارے میں ہر فرقے میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ زندوں کی سائی وہاں ممکن نہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اب اگر یہی قبر ”برزخ“ ہے تو پھر نبی ﷺ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کیسے یہ اجازت دے دی کہ وہ قیامت تک حائل رہنے والی رکاوٹ عبور کر کے اپنے والد کی ”برزخ“ میں داخل ہو جائیں اور اس ابدی رکاوٹ کے پار، ان کا جسم وہاں سے نکال کر ان کو دوسری قبر میں منتقل کر کے ان کی ایک دوسری ”برزخ“ بنا دیں، اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی اجازت سے اپنے والد کا جسم ان کی میدان احد کی قبر، جس میں وہ اپنے داماد کے ساتھ دفنائے گئے تھے، سے نکال کر دوسری جگہ دفن دیا تھا۔ (بخاری: کتاب الجنائز، اهل بخروج الميت... لعلہ)۔ اسی طرح نبی ﷺ نے

مردہ میں مشرکین کی بنی ہوئی قبریں کھدواویں (بخاری: کتاب الصلوة، باب حرم مدینہ)۔ گو یا کہ یہ بات زندہ انسانوں کی دسترس میں آگئی ہے کہ وہ جب چاہیں کوئی قبر کھود کر میت کی برزخ میں داخل ہو جائیں کیونکہ کتنے پوسٹ مارٹم ہوتے ہیں جن میں مردہ اجسام کو یا ان کے مختلف حصوں کو کیمیائی تجزیے کے لیے قبر سے نکال لیا جاتا ہے! کیا معلم قرآن ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ یہی قبر ”برزخ“ ہے، ورنہ وہ کیسے کسی زندہ کو اجازت دے دیتے کہ وہ وفات پا جانے والوں کی برزخ میں داخل ہو جائیں، اور صرف داخل ہی نہ ہوں بلکہ ان کے مردہ جسم کو اس برزخ سے باہر بھی نکال لائیں؟ پھر ان کی ایک نئی برزخ بھی بنا دی جائے! شاید یہ لوگ اس بات کے دعویدار ہیں کہ قہود باللہ ان کے پاس وہ علم ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی نہ تھا!

پھر ان سے پوچھا جائے کہ جن کی قبریں ابھی نہیں بنیں، جو تو میں اپنے مردوں کو جلا دیتی ہیں اور جو ڈوب کر مر جاتے ہیں، ان کی ”برزخ“ کہاں ہے؟ تو پھر اسی ٹوٹے سادے عقیدے کی قوالی سنائی جاتی ہے کہ ہمارے اور مردے کے درمیان ”برزخ“ ہے۔ ایک طرف تو مردہ کی ارضی قبر کو بھی برزخ گروانا جاتا ہے، یعنی یہاں برزخ ایک ”مقام“ ٹھہرتی ہے، اور جہاں مردہ اس ارضی قبر میں دفن نہ ہو تو وہاں نہ برزخ ہمارے اور مردہ کے درمیان آجاتی ہے، یعنی برزخ

قرآن وحدیث نے عقیدہ فرائض کیا ہے کہ مرنے کے بعد یہ ہوگا کہ یہ جسم اس مٹی میں جانے کے بعد سڑکھل جائے گا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان جسموں کی دوبارہ تخلیق فرمائے گا۔ "خلق جدید" کا تو قرآن میں بار بار اثبات کیا گیا ہے۔ جو کچھ جماعت المسلمین والے بیان کر رہے ہیں، اس سے اگر ان کی مراد مرنے کے بعد کی جزا و سزا ہے تو پھر آخرا اللہ کو اس کے بیان کرنے میں کیا چیز مانع تھی؟ حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ مٹی سے بنایا جاتا، مٹی میں لوٹا یا جاتا، قیامت کے دن اسی زمین سے نکالا جاتا بیان کر رہا ہے اور نہیں بیان کر رہا تو ان کا گھڑا ہوا عقیدہ لیکن ان کے علم کی پہنچ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بات اللہ تعالیٰ نے تو بیان کی نہیں لیکن انہوں نے اس جیسی ہوئی بات کو سمجھ بھی لیا، اس پر عقیدہ بھی بنالیا، اور اس کی تبلیغ بھی شروع کر دی! جب ان سب باتوں کا کتاب اللہ میں کوئی ذکر ہی نہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان باتوں کی تعلیم انہوں نے کہاں سے حاصل کی ہے؟ بہر حال شیطان انسان کا انزلی دشمن ہے اور اس نے اپنا پورا زور لگایا ہوا ہے کہ کسی طرح بھی اس انسان کو ہیکا کر اللہ کے بتائے ہوئے راستہ سے دور کر دے۔

يُؤْتِيهِمْ مِنْهُ لِي يَفْقَهُوا رَبَّهُمْ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ

درمیانی وقفہ

در میان وقت

فرماتے ہیں "مردنا اور زمین سے ہر روز قیامت اٹھایا جاتا ہے تسلسل ہمارا ہے کہ درمیانی وقفہ کے لیے کوئی اور جگہ نہیں۔" اس سے پہلے اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ دنیا سے واپسی کا اگلا لمحہ آخرت کا پہلا لمحہ ہوتا ہے۔ ادھر روح قبض ہوتی ہے ادھر اس کا داخلہ جنت یا جہنم (عالم برزخ) میں ہوتا ہے تو قرآن کے اس بیان کے بعد زمین ہی میں "درمیانی وقفہ" کا سوال کیسے پیدا ہوتا ہے؟ راحت قبر یا عذاب قبر قیامت کے بعد ملنے والی جزایا سزا سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ اسی کا تسلسل ہے۔

ہمارے قبرستان عالم آخرت میں ہیں یا عالم دنیا میں؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَخْتَلُفُ اللَّهُ الَّذِينَ أَسْأَلَ الْقَوْلَ النَّهَايَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (الرواه ١٣٤)

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس قولِ طہارت پر دلیلاً اور غرّت میں طہارت قدم رکھنے ہے۔“

اس آیت کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

يُشْفِئُ اللَّهُ الْبَلِيَّتَ (مَوْنًا) نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقُرْ

(بحاری: کتاب الجنائز، باب ما جاء في غلابة القبر)

”یہ آیت خدا پر قبیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔“

عذابِ قبر کے معاملے کا تعلق آخرت سے ہے، اور جیسا کہ کتاب اللہ کے دلائل

یہاں ایک ”پروہ“ بن جاتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ ایک شخص کی لاش شیروں نے
 کھنچوڑا دی، باقی بچا ہوا گوشت گیدڑوں اور بھیرپوں نے چٹ کر لیا، ہڈیوں
 سے لگا ہوا گوشت گیدھوں نے صاف کر دیا، باقی ذرات پریتوں نے اڑا لیے
 ہڈیاں کتوں نے نکل لیں..... اب اس کی ”برزخ“ شیروں کا پیٹ ہے۔

گیدڑوں اور بھیڑیوں کا، بکدھلوں کا پیٹ ہے یا چیونٹیوں اور کتوں کا؟ یا بیک وقت اس کی بہت ساری ”برزخیں“ ہیں؟ پھر ان سب نے کھا کر اسے فضلہ کی صورت میں خارج کر دیا۔ ”برزخ“ ختم ہو گئی؟ پھر خزیروں نے اس گندگی کو کھایا، اب ایک ہی ”برزخ“ بن گئی؟ اور ان خزیروں کے فضلے سے دوسری تیسری..... کیا ہندوؤں کے آواگون یا ستارح کی طرح یہ ”برزخی“ سلسلہ کہیں رکے گا بھی یا نہیں؟ مزید دیکھیں کہ عمارت گر گئی، ہم پھٹ گیا، جہاں کا

حادثہ ہو گیا یا دُعا آگیا، کسی کی نائیک کسی کے ہاتھ کے ساتھ دُفن ہوئی، کسی کا دھڑ
 کسی کے سر کے ساتھ دُفن ہوا۔ ”الف“ کی ”برزخ“ میں ”ب“ کی ”برزخ“
 شامل ہو گئی۔

برزخ کے حوالے سے کچھ مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مطمئن و
 متکبر ہی ”عالم برزخ“ میں، لہذا لکھتے ہیں:

”مؤمن مشرکِ مطمئن میں آرام اٹھاتے ہیں اور کافر مشرکِ متکبر میں عذاب

شامل ہو گئی.....

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ يُؤْتَ كِتَابَهُ مِنْ غَيْرِ حَرْجٍ لِيُتَوَكَّلَ عَلَيْهِمْ

”ان سب مرنے والوں“ کے پیچھے وہ بارہوی اٹھنے کے دن تک ”بزرگ“ ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ”ان سب مرنے والوں“ کے پیچھے ”برہمن“ ہیں

لیکن تم نے ہر مرنے والے کی علیحدہ ہرزخ بنا ڈالی! کتاب اللہ سے بے انتہائی

کی روش اختیار کرتے ہوئے ذرا اللہ کا خوف نہ آیا! اکابر پرستی نے ایسا اندھا

کر دیا ہے کہ قرآن کی آیات پر غور تک کرنے کو تیار نہیں! اِنَّا كُنَّا لَا نَعْلَمُكَ وَلَا نَعْلَمُكَ وَلَا نَعْلَمُكَ

اللہ تعالیٰ کچھ عقیدہ دیتا ہے اور تم شیخ القرآن ہونے کے بعد یاد قرآن ہی کے

خلاف عقیدہ دیتے ہو! آنکھیں رکھنے والو دیکھو! اللہ نے واضح نشانیاں نازل

فرمائی ہیں:

قَوْمَهُ لَنْ يَسْلُبَ مَا مَكْرَهُوا وَحَاقَ بِالْأَقْبَادِ فَذُفِعُونَ لِيَوْمَ الْقَدَرِ الْأَثَرِ
يُخْرَجُونَ عَلَيْهِمْ أَزْوَاجُهُمْ وَيُفَرِّقُهُمُ الْعَادَةُ الَّذِينَ كَانُوا لِلْأَقْبَادِ
أَشَدَّ الْهَدَرِ (الموسیٰ: ۴۵-۴۷)

جاتا ہے۔ کچھ اہلحدیث بھی اس معاملے میں ان کے ہمنوا دکھائی دیتے ہیں:
”برے لوگوں کی ارواحیں تھین میں ہیں اور نیکیوں کی تلپیں میں ہیں۔“
(قبر کا بیان از اقبال کلمائی اہلحدیث، ص ۱۳۰)

اور اہل تشیع افراہی اسی قسم کے عقائد رکھتے ہیں، مثلاً:

”احادیث میں موجود ہے کہ مشرقی و مغربی میں جو سو سن بھی مرتا ہے اس کی روح جسم مثالی کے ساتھ و میر المؤمنین علیہ السلام کے قریب وادی السلام میں پہنچ جاتی ہے ایک اور جگہ سرزمین نجف اشرف کو حکوت علیا کی نمائندگی کا گاہ کہا گیا ہے۔ اگر روح کا تعلق اعلیٰ علیین کے ساتھ ہے اور اس کا جسم بھی نجف میں

”آخر کار ان لوگوں نے جو بری چالیں اس کے خلاف چلیں تو اللہ نے ان سب سے اس کو بچا لیا اور خود آل فرعون بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے۔ جہنم کی آگ ہے جس پر صبح و شام وہ جیٹیں کیے جاتے ہیں اور جب قیامت برپا ہوگی تو (عظم ہوگا کہ) آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کر دے۔“

اب بتاؤ کہ فرعون اور اس کے خواروں کو علیحدہ علیحدہ ”برزخوں“ میں عذاب

دفن ہے تو وہ زیادہ سعادت کا حامل ہے لیکن اگر خدا نہ کرے کسی شخص کا جسم
نہیں دفن کیا جائے اور اس کی روح وادی برہوت میں مبتلائے عذاب
ہے تو اس کی روح جسم کے ساتھ اتصال کو قوی کرتی ہے اور وادی اسلام
میں اس کا دفن ہے اثر نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ وادی برہوت وہ بیابان اور خشک صحرا
ہے جہاں آب و دان کا نام و نشان کچھ نہیں ہے۔ پرندے بھی خوف کے
مارے نہیں گزرتے۔ یہ وادی برزخی عذاب کا مظہر ہے جہاں تکلیف اور
غیبت اذواج مبتلائے عذاب ہیں اور یہ یمن میں واقع ہے۔“

(مرنے کے بعد کیا ہوگا، صفحہ ۷۷-۷۸، از علامہ شیخ محمد عباس قسبی)

”اہل سنت والجماعت“ بریلوی مسلک کا عقیدہ ہے:

”مقامات علیین اور جہنم کس جگہ ہیں حضرت عبداللہ نے حضرت کعب سے
علیین کے متعلق دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ علیین ساتویں آسمان کا
نام ہے۔ جہاں پر مومنین کی ارواح رہتی ہیں اور جہنم ساتویں زمین کا نام
ہے جہاں کفار کی ارواح رہتی ہیں۔“

(موت کے بعد کیا ہوگا؟ صفحہ ۹۳، از علامہ شبیر حسن چشتی بریلوی)

علیین و سجین کیا ہیں؟

لَا اَنْ يَكْتَبَ الْفَاتِحَةَ لَيْفِي سَجِينَ لَوْ مَا اَكْرَمَكَ مَا اَبْرَحِينَ ۝ يَكْتَبُ مَرْفُوعَةً
(المطففين: ۷ تا ۹)

”ہرگز نہیں فاجروں کے اعمال نامے جہنم میں ہیں، اور تم کیا جانو کہ جہنم کیا
ہے، وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔“

يَكْتَبُ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَنْزِلَ عَلَيْهَا ذِكْرٌ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهَا يُقَرِّبُهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
(المطففين: ۱۸ تا ۲۱)

”ہرگز نہیں بے شک نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے، اور تم کیا جانو کہ
علیین کیا ہے، ایک کتاب ہے لکھی ہوئی، اس کی نگہداشت مقرب (فرشتے)
کرتے ہیں۔“

قرآن کریم کی ان آیات سے ان کے اس خود ساختہ عقیدے کی حقیقت سامنے
آگئی۔ مالک کائنات تو فرماتا ہے کہ علیینا و جہنم اعمال ناموں سے متعلق لکھی
ہوئی کتابیں ہیں اور یہ ملائے کہتے ہیں کہ یہ روحوں کا مسکن ہیں، یہاں عذاب و
ثواب ہوتا ہے، ایک آسمان پر ہے اور ایک زمین کے نیچے۔۔۔۔۔ دیکھا آپ
نے ان علماء کا حوصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے کہ ”تم کیا جانو“ یعنی تم نہیں جانتے، اے
نبی تم نہیں جانتے، اے انسانو تم نہیں جانتے کہ علیین و جہنم کیا ہیں؟ ستوا یہ

لوگوں کے اعمال ناموں پر مشتمل ہے، یہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔ لیکن امتحانوں کا شیخ
القرآن جواب دیتا ہے کہ میں جانتا ہوں یہ کیا ہیں، یہ روحوں کے مسکن ہیں، یہ
عذاب و ثواب کے مقام ہیں۔۔۔۔۔ اور الحمد للہ شیخ الحدیث کہتا ہے:

”یمن اس نظریے سے بھی اختلاف ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی یہ رجسٹر اندراجا
ہوئے وہ کوئی مقام ہی ہوگا۔ پھر جہاں قرآن میں علیین کا ذکر آیا ہے
وہاں کِتَابٌ مَرْفُوعٌ کے ساتھ يَكْتَبُهَا الْمَلَائِكَةُ کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

یعنی جس مقام پر اہل سنت کا یہ رجسٹر ہے وہاں مقرب لوگ (مرے
ہوئے نیک لوگ یا مقرب فرشتے) بھی موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح جہاں
جہنم کا ذکر آیا ہے وہاں کِتَابٌ مَرْفُوعٌ کے ساتھ يَكْتَبُهَا الْمَلَائِكَةُ کے الفاظ
بھی آئے ہیں یعنی اس میں اندراج کے دان لکھے گئے ہیں، ان جملہ ناموں کی
ہلاکت کا دو شروع ہو جاتا ہے۔ اندر میں صورت حال علیین اور جہنم مقام
نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ ایسے مقامات ہیں جہاں صرف اہل جہنم اور اہل النار
کے نام ہی رجسٹر نہیں کئے جاتے، بلکہ وہی مقام ان دونوں کا اصل مقبر بھی
قرار پاتا ہے۔ اور انہی مقامات پر وہ عرصہ برزخ میں عذاب و ثواب سے
تاقیامت دوچار ہوتے رہیں گے۔“

(روح عذاب قبر اور سہ ماہی، عبدالرحمن کاشانی صفحہ ۹۳-۹۴)

علامہ فرمائی الحمد للہ کے ان علامہ صاحب کی تخریج کہ کسی طرح اللہ کی بات کو
جانتے بوجھتے بدل ڈالنا کہ ان کے اکابرین پر چوتھ پڑے اما لکھ فرماتا ہے
”ایک لکھی ہوئی کتاب ہے“ یہ کہتے ہیں کہ ”مقام“ ہے۔ اور ان کا یہ اختلاف
بھی کس سے ہے؟ ان کا یہ اختلاف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لیے
کہ علیین و جہنم کے ”لکھی ہوئی کتاب“ ہونے کا عقیدہ و نظریہ مالک کائنات ہی
نے دیا ہے، کسی انسان نے نہیں۔ پھر اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے
کہتے ہیں کہ

”يَكْتَبُ مَرْفُوعَةً کے ساتھ يَكْتَبُهَا الْمَلَائِكَةُ کے الفاظ بھی موجود ہیں۔۔۔

وہاں مقرب لوگ (مرے ہوئے نیک لوگ یا مقرب فرشتے) بھی موجود
ہوتے ہیں۔“

”يَكْتَبُهَا“ جب ”وہ“ کی ضمیر کے ساتھ آتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے معائنہ
کرتا، دیکھتا۔ اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ اس کی نگہداشت مقرب (فرشتے)
کرتے ہیں، لیکن انہوں نے اس کا مطلب ”وہاں مقرب لوگ (مرے ہوئے نیک
لوگ یا مقرب فرشتے) بھی موجود ہوتے ہیں“ بنا ڈالا۔ یہ ان کی مجبوری ہے کیونکہ اگر
علیین و جہنم میں انسانوں کی حاضری ثابت نہ کر سکے تو ان کا عقیدہ ہی خلاف

قرآن قرار پائے گا، لہذا ضروری ہے کہ قرآن کی معنوی تخریف کی جائے۔

اب اگر علیہین کے بارے میں ان کا یہ من گھڑت موقف صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو تحقیق کے بارے میں تو کتب مرقومہ کے ساتھ یَقُولُ الْمُشْرِكُونَ "اس کی عبادت سحر (فریضے) کرتے ہیں" کے الفاظ نہیں آتے (جن سے یہ وہاں لوگوں کی موجودگی کا ثبوت نکال کر لیتے ہیں)، تو کیا مرنے والے صرف علیہین میں جاتے ہیں، تحقیق میں نہیں جاتے؟ نیک لوگوں کو تو بقول آپ کے علیہین میں قیامت تک راحت ملتی رہے گی لیکن تحقیق والوں کا کوئی تو مقام ہمارا وہ جس کے ساتھ یَقُولُ الْمُشْرِكُونَ کے الفاظ آتے ہوں تاکہ پتہ چلے کہ یہاں بھی لوگوں کو داخل کیا جاتا ہے؟ چونکہ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، اس لیے فن و بدکاری کے داؤ پیچ لگاتے ہوئے کہتے ہیں:

"اسی طرح جہاں تحقیق کا ذکر آیا ہے وہاں کتب مرقومہ کے ساتھ قَوْلُ الْمُشْرِكِينَ

لَا يَدْخُلُونَ کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی اس میں اندراج کے دن کی بات سے ان

بھیٹانے والوں کی بلاکت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔"

ملاحظہ فرمائی ان الحمد للہ کی دیدہ و لیری ایوٹھنی کا ترجمہ "اندراج کا دن" کیا ہے، جبکہ اس سورہ کی ابتداء بھی میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ یہ کون سے دن کی بات ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قِيلَ لِلْمُظَلِّمِينَ إِنَّ إِلَهُنَا لَإِلَهُكَ لَوْ أَعْلَى النَّاسِ يَكْفُرُونَ لَإِذَا لَوْ لَوْ
أَوْ كَذَّبُوا بِفُتُورٍ لَّأُولَئِكَ أَكْثَرُ مُعْذِرِينَ قِيلَ لِلْمُظَلِّمِينَ إِنَّ إِلَهُنَا لَإِذَا لَوْ
يَكْفُرُونَ النَّاسِ رَبِّكَ الْعَلِيُّ الْعَلِيُّ قِيلَ لِلْمُظَلِّمِينَ إِنَّ إِلَهُنَا لَإِذَا لَوْ
مَكَرِهِمْ قِيلَ لِلْمُظَلِّمِينَ إِنَّ إِلَهُنَا لَإِذَا لَوْ قِيلَ لِلْمُظَلِّمِينَ إِنَّ إِلَهُنَا لَإِذَا لَوْ
قِيلَ لِلْمُظَلِّمِينَ إِنَّ إِلَهُنَا لَإِذَا لَوْ (المطففين: ۱۱-۱۵)

"بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کی کرنے والوں کی۔ کہ جب لوگوں سے آپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد ہی اٹھنے کا خیال نہیں۔ اس عظیم دن کے لیے۔ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ بھلا یہ کاروں کا ناما مال تحقیق میں ہے۔ تجھے کیا معلوم تحقیق کیا ہے۔ (یہ تو) گھٹی ہوئی کتاب ہے۔ اس دن بھلا لے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ جو جزا و سزا کے دن کو بھلا لے رہے۔"

(تفسیر احسن البیان، ترجمہ محمد یونس گرامشی الحمد للہ)

اب بتائیے کہ اس سورہ میں یَوْمَئِذٍ سے مراد کونسا دن ہے؟ کیا اس کے رب

العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا "عظیم دن" یعنی یوم قیامت مراد ہے یا کسی ایک انسان کی موت اور تحقیق میں اس کے اندراج کا دن؟ یہ ہے الحمد للہ کا طریقہ واردات: (یہی) بات تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو کلام اللہ کو سنتے اور سمجھنے کے بعد اسے بدل ڈالتے ہیں (البقرہ: ۷۵)۔ یہ انہی طرح جانتے ہیں کہ یہاں یَوْمَئِذٍ سے مراد کونسا دن ہے، لیکن تخریف اس لیے ضروری ہے کہ اگر تحقیق و تحقیق محض اعمال انہوں کی کتاب کی ثابت ہو جائیں تو ان کا فرقہ پھر جموں کا فرقہ نہ کہلائے! اسی لیے ایک اہل بیت مفتی نے اس باطل عقیدے کو حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے:

"سلف صالحین نے علیہین و تحقیق کو اعمال مومن کے دفتر کے علاوہ روحوں کا جو ممکن کہا ہے تو انکی یہ بات بالکل بے دلیل نہیں بلکہ اس کی پشت پر کچھ احادیث و آثار موجود ہیں جن سے علیہین و تحقیق کی کچھ وضاحت سامنے آتی ہے۔ چنانچہ ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَبْرُونَ اَهْلَ عِلِّيِّينَ، (مسند احمد، جلد ۱ صفحہ ۶۱)

"بے شک جنتی لوگ علیہین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکدار ستارے کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو۔ بے شک ابو بکر اور عمرؓ ان (اہل علیہین) میں سے ہیں اور دونوں آرام و دوام پر ہو گئے۔"

(الدر المنثور، جلد ۱، صفحہ ۳۷، اور ابواب جہنم، جلد ۱)

ہونا تو یہ تھا کہ قرآن و حدیث کا دیا ہوا عقیدہ ہی اختیار کیا جاتا لیکن اب اپنے فرقے کے اس عقیدے کو بچانے کے لیے قرآن کے مقابلے میں ضعیف روایت پیش کی گئی ہے۔ یہ روایت دو اسناد سے آتی ہے اور دونوں ہی انتہا درجے کی ضعیف ہیں۔ پہلی سند میں حمید بن سعید بن جنادہ ہے۔ جس کا شمار کوفہ کے شیعوں میں کیا جاتا تھا۔ اس نے اپنی طرف سے انکی کی کفایت ابو سعید رکیلی تھی اور کہا تھا کہ مجھ سے ابو سعید نے روایت کی اور لوگوں کو دوام ہو جاتا تھا کہ یہ ابو سعید الخدریؓ ہیں۔ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۳، صفحہ ۵۱۰-۵۱۱)؛ دوسری سند میں حماد بن سعید ہے۔ اس راوی کو بھی محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا کہ انکی روایت نہ جان کی جائے۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۶، صفحہ ۱۵۲-۱۵۳)۔ پھر اگر اس روایت کے متن پر غور کیا جائے تو بھی اس سے ان کا عقیدہ تو بھر پور ثابت نہیں ہوتا۔ اس روایت کا یہ جملہ ابو سعید رکیلی "بے شک علیہین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ چمکدار ستارے کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو" انکی ہی تحقیق و تحقیق محض کے علاوہ۔

لیکن کوئی ایسا مقام ہے ہی نہیں جہاں ہر آدمی کی ملی جلی کیفیت ہو۔

پہلے ”اعراف“ کی علامت تشریح کی گئی اور پھر ”حالات عینہ“ کو بھی ”بروزخ“ کا نام دیا۔ اللہ عزوجل کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا

”بروزخ“ دراصل دو نعل یا ستھان چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز کا نام ہے۔ جس میں کھلی دونوں اشیاء کے ملے جلے اوصاف پائے جاتے ہیں اور وہ آزاد کام بھی دے۔“

ابند بنی کے یہ ترجمان تھا میں کہ یہ خند کن کے درمیان ”آز“ ہے؟ کیا کتاب اللہ میں کہیں لکھا ہے کہ یہ زندگی اور موت کے درمیان آز ہے یا محض اپنے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ کھینچ جان کی جا رہی ہے؟

خند کو بروزخ اس لیے آزاد دیا جا رہا ہے کہ آگے ان کا ایک خود ساختہ عقیدہ بیان کیا جائے گا کہ عذاب قبر ثواب کی کیفیت کی طرح ہے، اور انسان ثواب لب و لبتھا ہے جب حالت عینہ میں ہوتا ہے۔ خند میں زندگی اور موت کی ملی جلی کیفیت ہوتی ہے اس لیے ”آز“ کی تشریح یہ کی گئی کہ

”جس میں کھلی دونوں اشیاء کے ملے جلے اوصاف پائے جاتے ہیں۔“

قارئین اللہ عزوجل کے حوالے سے ان فرقہ پرستوں کی تفتی ہی بے سرو پا تاویلات آپ کے سامنے پیش کی گئیں۔ انہیں بروزخ کو ایک پرہیزگار دیا گیا، کبھی انسان کی دوسری جہت کیے جانے کے وقت کو بروزخ کہا اور کبھی قبر بروزخ بنی۔ یعنی حق جانتے ہوئے حق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيُزَيِّنُ فَرِيقًا لِّبَنِي آدَمَ لِيَكُلُوا مِن ثَمَرِهِمْ وَيُفْرِقَ بَيْنَهُم فِي يَوْمٍ أُخِرَ ﴿١٠٦﴾

”اور ان میں ایسے بھی ہیں جو حق کو چھپاتے ہیں جبکہ وہ اسے جانتے ہیں۔“

اس مضمون میں ہم نے دو بنیوں کی ایک کتاب ”عالم بروزخ“ کا حوالہ بھی دیا ہے، یہ کتاب ان کے بارے میں گرامی عالم قادری محمد طیب جو کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے قرآن کریم کی آیات کی من مانی تفسیر، سوسنوع و منکر روایات اور جھوٹے واقعات سے اس آئینی قبر ہی کو عذاب کا مرکز اور بروزخ قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن اسی ترنگ میں ساتھ ہی یہ بھی لکھ گئے:

”اسی طرح بروزخ والے دنیا والوں کے احوال بھی معلوم کرنے کے خواہشمند

رہتے ہیں جیسے جس حدیث نبویؐ کے بعد روح کے عالم بروزخ میں پہنچنے کی میت کے اعزاء و احباب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں۔“ (صفحہ ۱)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تو ”انسان کی روح قبض کرنے کا وقت“ اور ”اس کے اقصائے کی جگہ“ بروزخ ہے، یا بقولی ان کے اگر نہیں دیکھا گیا تو

”کتابت اور اسی مردہ کے درمیان“ بروزخ ہے تو اب یہ ”عالم بروزخ“ کہاں ہے۔ کیا اس کی تعریف کے طور پر ”الف“ گراچی میں مردان کے عقیدے کے مطابق لکھا گیا ہے کہ چڑھنے کے کسی قبرستان میں ہے: ”ب“ امریکہ میں ذوب کیا چٹا چٹا اس کی ”بروزخ“ امریکہ کے سمندر میں ہوگی: ”ت“ کو افریقہ کے جنگل کے درندے کھا گئے، گو یا اس کی بروزخ افریقہ کے جنگل میں بننے والے درندوں کے پیٹ میں۔ تو اب ”عالم بروزخ“ میں ان سب کی روئیں کہاں سے آئیں گی؟ کوئی ان سے پوچھے کہ آپ نے تو کہا میں لکھ لکھ کر امت میں کسی عقیدہ چھپایا ہے کہ یہی قبر اس مردے کی بروزخ ہے، لیکن اس کی روح لوہ کی جاتی ہے، اسی میں اس کو عذاب دیا جاتا ہے، استثنیٰ ہے، تو اب ان سب کی روئیں ”عالم بروزخ“ میں لیا کر نے چلی گئی ہیں؟

”حقیقت یہ ہے کہ ان سب کے تحت اشعار میں کتاب اللہ کا دیا ہوا عقیدہ ”عالم بروزخ“ موجود ہے باقی یہ ساری منہ انت مضامین اپنے فرقے کو بچانے کے لیے ہے۔ یہ حق جانتے ہیں لیکن اس کو چھپاتے اور باطل کو چھپاتے ہیں، اس لیے کہ ان کے فرقے کے بڑے یہ باتیں لکھ گئے ہیں، ان کو کہاں لے کر جائیں!

دیوبند یونیورسٹی کے ایک دوسرے سر شریف علی تھانوی صاحب عالم بروزخ کے بارے میں فرماتے ہیں

”اور عالم مثال کا اثبات کرتا ہوں۔ سو سمجھ لیجئے کہ یہ ثابت ہے اشارات قصوص سے۔ اور اشارات تو میں نے احتیاطاً کہہ دیا ہے ورنہ وہ اشارات بجز نہ صراحۃ کے ہیں تو گویا بالشرع یہ بات ثابت ہے کہ عالم و عبادات یعنی دنیا کے اور عالم غیب یعنی آخرت کے ان دونوں کے درمیان میں ایک اور بھی عالم ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں جو من و عبادت ہے عالم شہادت کے اور من و عبادت ہے عالم غیب کے یعنی وہ بروزخ ہے درمیان دنیا اور آخرت کے اور اس عالم کے ماننے سے ہزاروں اشکال قرآن و حدیث سے حل ہو جاتے ہیں۔“

تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے۔ وہاں ایک آسمان بھی ہے مثابہ دنیا کے آسمان کے اور ایک زمین بھی ہے مثابہ دنیا کی زمین کے۔ اور ایک جسم بھی ہے مثابہ اس جسم کے لیکن وہ بھی ہے جسم ہی۔ تو مرتے کے بعد تو موت کے لئے ایک جسم مثالی ہوگا اور آخرت میں جو جسم ہوگا وہ بھی ہوگا جو دنیا میں ہے۔“

(اشرف المصابہ، اشرف علی تھانوی صفحہ ۶۰۶-۶۰۷)

عالم برزخ کی جو تشریح قرآن وحدیث سے ملتی ہے وہ ہے ”آئو کے پیچھے کا عالم“ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ عالم دنیا اور آخرت کے علاوہ ایک دوسرا عالم ہے، تو اس کا کوئی ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ملتا، بلکہ عالم برزخ تو ہے ہی عالم آخرت کا حصہ۔ قرآن وحدیث میں جہاں مرنے والے کے لیے قیامت تک اس عالم میں رہنے کا ذکر ہے وہاں اس عالم کے ثواب و عذاب کی جگہ جنت و دوزخ اور قبر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کوئی جنت یا دوزخ ہے، اس کی بھی کوئی وضاحت کتاب اللہ سے نہیں ملتی۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان ایک دوسرے جسم کے ساتھ یہاں داخل کیا جاتا ہے البتہ قیامت کے دن سارے انسان اپنے انہی دنیاوی جسموں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت یا جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

اہل تشیع نے بھی اسے بطور ”بہشت برزخ“ بیان کیا ہے، سورہ ناس میں بیان کیے گئے واقعے اور جنت میں داخلے کے حکم پر فرماتے ہیں:

”پس یہاں پر جو پروردگار عالم فرماتا ہے کہ ”قلم ہوا جا بہشت میں“ امام فرماتے ہیں بہشت یعنی بہشت برزخی اور ایک دوسری روایت میں جنت دنیوی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی بہشت قیامت سے نچلے درجے کی۔“

(برزخ صفحہ ۱۰، آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین اہل تشیع)

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

”برصوت جہنم برزخی کا مظہر ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۱۱)

یہ بھی ان کے مذہب کے دیگر نوادرات کی ہی قلیل کی کوئی چیز ہے ورنہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس جنت کو ”برزخی جنت“ یا ”دنیوی جنت“ اور جہنم کو ”برزخی جہنم“ نہیں بیان کیا گیا، بلکہ اسے صرف جنت یا جہنم کہا گیا۔ غزوہ احد کے شہداء تو ایسی جنت میں داخل کیے گئے ہیں کہ جس میں عرش الہی سے قدمیں لٹکی ہوئی ہیں۔ اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر شہید ہونے والے حارثؓ کے لیے فرمایا کہ جنتوں کی تعداد تو بہت ہے اور وہ تو جنت الفردوس میں ہیں۔

”برزخ“ کے بعد اب ہم ان فرقہ پرستوں کی طرف۔ ”روح“ کے سلسلے میں پھیلائی گئی مغالطہ آرائیاں اور کتاب اللہ سے ان کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔

روح

روح کے بارے میں جو عقائد لوگوں کے درمیان پھیلائے گئے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

”جب منکر و کبیر قبر میں سوال کرتے کیلئے آتے ہیں اس وقت روح لوٹا کی جاتی ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، حصہ اول صفحہ ۶۷۲، میاں نذیر حسین دہلوی الحمد للہ)

بات قبر میں سوال جواب کے نام پر روح لوٹائے جانے سے شروع ہوتی ہے اور پھر کہنے والے یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ۔

”دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ ترور زور سے آن ولی اللہ کو پکار کر یہ کہیں۔ اس صورت میں اعتقاد کی خرابی تو لازم نہ آئے گی مگر یہ اندھیرے میں تیر چلا تا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ پکار رہے ہوں اور وہ نہ سن رہے ہوں۔ کیونکہ سارے موتی کا مسئلہ مختلف قد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا سماع تو ممکن ہو، مگر ان کی روح اس وقت وہاں تشریف نہ رکھتی ہو، اور آپ خواہ مخواہ خالی مکان پر آوازیں دے رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روح تشریف فرما تو ہو مگر وہ اپنے رب کی طرف مشغول ہوں۔“

(رہنما، مساجد، ص ۳۶۵، صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱

میں دلچسپی لیتی جاتی ہے اور قیامت تک کا یہ دور اس نے وہیں گزارنا ہو گا تو اب اللہ تعالیٰ کی بات کے بعد آخر کسی کی بات ہے کہ جس پر یہ فرقہ پرست سوال و جواب کے واسطے روح کے لوٹانے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟

روح لوٹا ئے جانے کے عقیدے کی بنیاد؟

ان کے اس عقیدے کی بنیاد بر اصل اکابر پر مبنی ہے، اس امت میں سب سے پہلے احمد بن حنبل نے یہ عقیدہ قراہم کیا کہ

”منظر غیر عذاب قبر، ملک الموت کے ارواح قبض کرنے، پھر ارواح کے قبروں کے اندر جنسوں میں لوٹائے جانے پر ایمان لاتا ضروری ہے، اور ایسا یہ بھی ایمان لاتا ضروری ہے کہ قبر میں ایمان، توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔“ (طبقات حاشیہ جز، اول صفحہ ۳۳۴)

یہی وہ عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے لیکن اس کے باوجود یہ ان کے ایمان کی بنیاد بنا ہوا ہے۔ ایک طرف قرآن و حدیث کا بیان ان کے سامنے آتا ہے تو بادی الظہر میں ”اعاود روح“ کا انکار کرتے ہیں، لیکن دوسرے نمبر لے کر اپنے اکابرین اور فرقہ کا خیال آتا ہے تو اس باطل پرے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اپنی پوئی کا زور لگا ڈالتے ہیں۔ اب جبکہ ان کا عقیدہ ہے ہی خلاف قرآن و حدیث، اس لیے مجھ پر ”یاد بارہ موقع اور حالات کے حوالے سے اپنے عقیدے کو تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال الجھڑی مفتی ابو حامد عبداللہ دامانوی کی کتاب ”عقیدہ و عذاب قبر“ ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں روح کے بارے میں کیا کیا بیان ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

”روح اور جسم کی جدائی کا نام موت ہے اور قیامت تک اذن اور جسم
میں جدائی رہے گی اور جب قیامت برپا ہوگی تو روح کو دوبارہ جسم میں داخل
کرو دیا جائے گا۔“ (مشیدہ عقاب، تم، صفحہ ۷۷)

سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۴۶ لکھ کر اپنے عقیدے کا دوسرا رخ پیش کرتے ہوئے
کہتے ہیں:

جسے ”اس آیت میں بے شمار موتوں اور بے شمار زندگیاں کا تذکرہ ہے وہاں ”اعادہ روح“ کا بھی تذکرہ موجود ہے جو ہر شخص کے بیدار ہونے پر اس کی طرف ہوتا ہے لہذا جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ قیامت سے پہلے اعادہ روح نہیں ہوتا تو ان کا یہ قول بلا دلیل و برہان ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۸۳)

خیمہ کے بعد بیدار ہونے سے مرنے کے بعد اعاذ کو روحِ غائبہ کرنا بھی پیشہ ورانہ فنِ کاری بلکہ دانشہ فریبِ کاری کا انداز ہے۔ عزید گیل افغانی فرماتے ہیں کہ:

بقدره

دوہیں بدن میں والہیں لوٹ جائیں؟ اگر ہم نے ایسا ہونا تسلیم کر لیا تو اس سے مخالفت قرآنِ لادیم آنے لگی (عذابِ قہر کا معاملہ دوسرا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں) اور قرآن کی مخالفت تو وہی کر سکتے ہیں جو حیاتِ الانبیاء کا غور سامنے عقیدہ کر سکتے ہیں۔

(روایت النبیاء و صلحہ ۴۴) علامہ سعید بن عزیز یوسف زلی (ابجدیٹ)

قارئین! ملاحظہ فرمائیے ان کا فرمانا کہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ قیامت سے قبل اس جسم میں روح لوٹاؤنی جاتی ہے وہ مخالف قرآن، یعنی قرآن کا انکار ہی ہے۔ لیکن کفر کے اس فتویٰ کا اتفاق انہوں نے صرف اپنے حریفوں پر کیا ہے، اہلحدیثوں کو یہ کہہ کر بچا لیا ہے کہ ”ہذا ب قبر کا معاملہ دوسرا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں“ کیونکہ یہ تو گھر کا معاملہ ہے اسو ال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”روح لوٹے جاتے“ کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، تو عذاب قبر کے لیے یہ عقیدہ کیسے عین قرآن میں ایمان کہلائے گا؟ قرآن میں کبھی اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ روح قیامت تک نہیں لوٹائی جائے گی لیکن عذاب قبر کے لیے؟ اسی دور نے یمن پر یہ اس آیت کے مصداق ہیں:

الْأَخْرُوقَ وَالْإِنْسَ وَالْجِبَّ وَالْمُتَمَلِّقَ وَالْمُتَمَلِّقَ وَالْمُتَمَلِّقَ
(البقرة: ٢٢)

۱۹ کیا لوگوں کو یسعی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پر دیتے ہو، پھر کیا تم سمجھتے نہیں؟

ہیں دونوں ایک ہی عقیدے کے ماتھے والے، مگر ایک پر قرآن کے خلاف جوئے یعنی کفر کا فتویٰ اور دوسرا قرآن پر ایمان کا دعویدار اور کلمہ گھر کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کو بیان فرمایا کہ مرنے والے کی یہ روح قیامت سے قبل اس دنیاوی جسم میں نہیں لوٹائی جائے گی تو چاہے کوئی بدوح کے بار بار یا ہمیشہ کے لیے لوٹائے جانے کا عقیدہ رکھے یا صرف سوال و جواب کی حد تک اعادہ مانے، بہر صورت قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔

مور طلب بات یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ”خواب قبر کا معاملہ دوسرا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں“ کس بنیاد پر ہے؟ قرآن مجید سے تو اس کی وضاحت ہو چکی ہے، اس سے قبل نقل کرو کہ مسلم کی حدیث میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے کہ جب فرشتے کسی مسلم یا کافر کی روح لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں تو مالک کا حکم فرماتا ہے: **يُنْظِلُّوْهُ اِلَى اَخْرِ الْاَجَلِ** ”لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لئے“ (مسلم: کتاب الجنة و صفتها) دیگر احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہے کہ مرنے والے کی روح جنت یا جہنم (عالم برزخ)

”سُورۃ کے بعد روح جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے جبکہ جسم اپنی قبر میں عذاب یا ثواب سے ہمکنار ہوتا رہتا ہے اور یہی عقیدہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ اگر روح جسم میں واپس آجائے تو پھر یہ عذاب سرورہ کو نہیں بلکہ زندہ کو ہوا جبکہ احادیث صحیحہ وضاحت کرتی ہیں کہ عذاب قبر میت (مردہ) کو ہوتا ہے۔ البتہ سوال و جواب کے لئے میت کی طرف روح کو کچھ دیر کے لئے لوٹا یا جاتا ہے اور یہ استثنائی حالت ہے۔“

(ایضاً صفحہ ۲۵)

”اسی حدیث سے ثابت ہوا کہ مومن کی روح جنت میں رہتی ہے اور قیامت کے دن ہی اسے اس کے جسم کی طرف لوٹا یا جائے گا۔“

(ایضاً صفحہ ۷۷)

”ایسی ثابت ہوا کہ اعادہ روح الی القبر کا عقیدہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور عذاب القبر اور اعادہ روح الی القبر دو الگ الگ مسئلے نہیں بلکہ اعادہ روح کا تعلق بھی عذاب القبر ہی سے ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۷۷)

”ان دلائل سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ مومن کی روح جنت میں پیش و آدم کرتی ہے، وہاں کی نعمتیں کھاتی ہے، پرندوں کی طرح اڑتی پھرتی ہے۔ اور دوسری طرف کافر و مشرک اور منافق کی روح جہنم میں رہتی ہے اور عذاب سے دوچار ہوتی رہتی ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۷۷)

”پھر (کافر کی روح کو) آسمان سے پھینک دیا جاتا ہے پھر وہ روح قبر میں پہنچ جاتی ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۷۸)

اضطراب سے پھر پورے مندرجہ بالا سہارے پڑھ کر بیساختہ وہ شخص زبان پر آگیا جو یہ لوگ دوسروں کے لئے لکھا کرتے ہیں کہ

”یک و ہا ہوں جنوں میں کیا کیا — کچھ نہ سمجھے ”خدا“ کرے کوئی

ملاحظہ فرمایا کہ جب انسان کا عقیدہ کتاب اللہ کی بجائے کسی اور بنیاد پر ہو تو کیسی کیسی غلابازیاں کھانی پڑتی ہیں۔ پہلے کہتے ہیں کہ روح قیامت تک اس جسم میں واپس نہیں آ سکتی، پھر کہتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے اعادہ روح نہیں ہوتا ان کا یہ قوس بلادلیل ہے۔ یعنی خود ہی ایک بات بیان کرتے ہیں اور اپنے کہے کو غلط بھی کہتے ہیں۔ قبر میں روح لوٹاتے جانے کو استثنائی مسئلہ قرار دیتے ہیں اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ اعادہ روح اور عذاب قبر الگ الگ مسئلے نہیں بلکہ یہ ایک ہی مسئلہ ہے یعنی اب یہ استثنائی مسئلہ بھی نہیں رہا بلکہ عذاب قبر کا حصہ بن گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ روح کا قبر میں لوٹنا احادیث سے ثابت ہے مگر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ روح جنت میں رہتی ہے اور روز قیامت ہی اس کے جسم میں لوٹے

گی۔ پھر ایک طرف کہتے ہیں کہ کافر کی روح قیامت تک جہنم میں رہے گی تو دوسری طرف کہتے ہیں اس کی روح آسمان سے پھینک دی جاتی ہے اور وہ قبر میں آ جاتی ہے۔ شاید ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ روح گورا حافظہ نیا شد! عبدالرحمن کیلانی کی تحویل بالا کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی روح کے بارے میں ایسے ہی بے شمار متضاد عقائد کی بھرمار ملے گی۔

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ اس عقیدے کی بنیاد صرف اور صرف احمد بن حنبل کا دیا ہوا عقیدہ ہے، اب عقیدہ تو اپنا لیا لیکن کیسے اقرار کیا جائے کہ یہ ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے اس لئے اپنا یا ہے؟ سہرہ حالی، اس کا دفاع تو ضروری ہے، چنانچہ اس مقصد کے لئے اسے قرآنی آیات کی غلط تشریح اور موضوع و منکر روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ داماد نوی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۲ اور ۸۳ پر سورہ انعام کی آیت ۶۰ اور سورہ زمر کی آیت ۳۲ پیش کر کے قیامت سے قبل روح لوٹائے جانے کو ثابت کیا ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس کی حقیقت بھی لوگوں کے سامنے لائی جائے۔

المجددیت اور اعادہ روح

المجددیت قرآن مجید کی ان آیات سے اعادہ روح کا عقیدہ ثابت کرتے ہیں:

وَهُوَ الَّذِي يُمْرِكُنَا بِالْقَلْبِ وَيَعْلَمُ مَا يَخْفَوْنَ بِالْأَنفِ ثُمَّ يَنْزِلُ فِي السَّجْدِ
يُحِلُّ مَسْئَلَهُ ثُمَّ يَرْجِعُ قُلُوبَهُمْ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَخَالِفُونَ (الانعام: ۶۰)

”اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ تم نے شکر و حمد پورا ہو۔ آخر کار اسی کی طرف پلٹ کر تمہیں جانا ہے پھر وہ تم کو تادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَازِلِهَا فَمِنْهُمْ
الَّذِينَ هَضَمُوا عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيَرْجِعُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّعُلَّوْهُ يُفَكِّرُونَ (الزمر: ۴۲)

”اللہ رحوم کو قبض کر لیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ان کی موت کے وقت، پھر جس پر موت کا فیصلہ کرتا ہے اس کی روح روک لیتا ہے اور دوسری اروا کو چھوڑ دیتا ہے ایک مقررہ وقت تک کے لئے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

پہلی آیت میں مکمل طور پر اور دوسری آیت میں موت کے علاوہ زندہ انسانوں کی

جہاں ہوا ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

ابجدیث احادیث صحیحہ سے عموماً روح ثابت کرتے ہیں!

اپنے اکابر کے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے پھر احادیث کا سہارا لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ روح لوٹائے جانے کا عقیدہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ کی کوئی بات قرآن مجید کے دیے ہوئے عقیدے کا انکار کرے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ نبی ﷺ تو قرآن کے بیان کردہ حقائق و احکامات کی تشریح ہی کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اب جب قرآن قیامت سے قبل روح کے نہ لوٹائے جانے کا عقیدہ دیتا ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ کوئی حدیث اس کے خلاف بیان کرے۔ لیکن ابجدیث ائمہ و ضعیف اور موضوع روایات سے اپنا عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا کہ نبی ﷺ نے قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کے برعکس مردہ مچھلی کو جان کر مار دے دیا اسی طرح قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کے برعکس نبی ﷺ کی حدیث سے (نعوذ باللہ) روح کا واپس لوٹنا یا جانا بھی ثابت ہے! اپنے اس فعل کی توجیہ یہ لوگ اس طرح پیش کرتے ہیں:

”قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ مردہ (یعنی جو حلال جانور اپنی طبعی موت سے مر جائے) حرام ہے۔ اور اب کسی بھی مردہ کو کھانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ وہ حرام ہے۔ لیکن حدیث میں ہے: ”مسند کا پانی پاک ہے اور اس کا ”مردہ“ (مچھلی) حلال ہے۔“ (اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مچھلی مردہ ہے لیکن اس کا کھانا حلال ہے۔ اگرچہ ظاہر یہ حدیث قرآن کریم کے خلاف ہے لیکن جب قرآن و حدیث میں بظاہر تضاد ہوگا تو ان میں تطبیق دی جائے گی۔ اگرچہ مردہ حرام ہے لیکن مچھلی مردہ ہونے کے باوجود بھی حلال ہے کیونکہ یہ ایک استثنائی صورت ہے۔“ (عقیدہ مذاہب قبر، صفحہ ۱۶۱۵)

ان مولویوں کو مدرسوں میں منطق بھی پڑھائی جاتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب اپنی کوئی بات قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو رہی ہو تو اس کو اس طرح الجھا کر پیش کیا جائے کہ سیدھے سادے لوگ جن کے پاس قرآن و حدیث کا اتنا علم نہ ہو، ان مولویوں کی باتوں میں الجھ کر رہ جائیں۔ یہی حربہ یہاں بھی آزمایا گیا ہے۔ پیش کی گئی آیت میں خشکی کے جانوروں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جب کہ پانی میں پائے جانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی میں فرما دیا ہے کہ:

ہوتے ہوئے روح قبض کرنے اور انہیں دوبارہ جھوٹے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ (یہ بات یاد رہے کہ زندہ ہوتے ہوئے اور مرنے والے انسانوں کی روح کا قبض ہونا بالکل مختلف بات ہے اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی) لیکن ان لوگوں نے زندہ انسانوں کے لیے بیان کیے جانے والے طریقہ کار کو مرنے والوں کے ساتھ خلط ملط کر دیا، اور بڑے ”عالمانہ“ انداز میں بیان فرما دیا کہ

”ہذا جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ قیامت سے پہلے اعادہ روح نہیں ہوتا تو ان کا یہ قول بلا دلیل اور بان ہے۔“

ذرا غور فرمائیے کہ زیر بحث موضوع مرنے کے بعد کا ہے اور اس کے لیے دلیل زندگی کے دور سے دی جا رہی ہے! اور پھر مزید فرماتے ہیں:

”اور پھر یہ تعریف روا رکھنا کہ دنیا میں ہر روز انسان مرے اور ہر روز اس کی

روح اس کی طرف لوٹائی جائے اور اس سے کئی زندگیاں اور کئی موتیں مراد نہ

ہوں۔ اور آخرت و دوزخ میں اگر ایک مرتبہ اس کی طرف روح لوٹ آئے تو

یہ بات قرآن کے خلاف قرار پائے گی۔“ (ایضاً، صفحہ ۸۴)

گویا اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ ہر مردہ ایک مرتبہ بولتا بھی ہے، سنتا اور چلتا پھرتا بھی ہے تو اس سے قرآن و حدیث کا کوئی کفر نہ ہوگا، اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سننے اور بولنے والا بنایا ہے۔ یہ انسان ساری زندگی سنتا اور بولتا رہا ہے، اب اگر صرف ایک بار کے لیے یہ کہہ دیا جائے کہ یہ مرنے کے بعد بھی سنتا، بولتا اور زندگی کے دوسرے امور انجام دیتا ہے تو پھر کفر کیسا؟ ہمیں تو پہلے ہی اندازہ ہے کہ ان مسلک پرستوں بالخصوص ابجدیثوں کے نزدیک قرآن کی کیا حیثیت ہے اور کس طرح یہ لوگ قرآن کی آیات کا استہزاء کرتے ہیں! سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۴۴ خود انہوں نے پیش کی ہے، اس آیت میں موت سے ہلکا رہنے والوں کی روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کے لیے موت کا فیصلہ کرنا ہے اس کی روح روک لیتا ہے، اور سورۃ مومنوں کی آیات ۹۹، ۱۰۰ میں فرمایا گیا کہ مرنے والے کی یہ روح اب قیامت سے قبل واپس نہیں لوٹ سکتی۔ لیکن جو عقیدہ زندہ انسانوں کے لیے دیا گیا اس کو وفات پا جانے والوں کے لیے دلیل بنا کر قرآن کی بات رو کر دی گئی اور بڑے فخریہ انداز میں کہا: ”تو یہ بات قرآن کے خلاف قرار پائے گی۔“

ان کا یہ اندازہ دیکھ کر بے ساختہ قرآن کی یہ آیت یاد آ جاتی ہے:

عَلَّمَ لَدُنَّ كُلِّ فَلَّاحٍ مَعْنَهُ وَعَلَىٰ أَكْبَادِهِمْ نَسْأَلُهُ الْفُلُوكَ وَالْمَرْفَعَةَ (البقرہ: ۲۶)

”اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ

کیا عذاب قبر کے لیے روح کا لوٹایا جانا استثنائی مسئلہ ہے؟

تمام معاملات کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک قانون دکھایا مقرر فرمایا ہے جو سب انسانوں کے لیے یکساں ہے، لیکن کچھ ایسے معاملات ہوتے ہیں جن کو استثنائی کہا جاتا ہے، مثلاً دنیا میں پیدا ہونے والے ہر بچہ کا باپ ہوتا ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے؛ قرآن نے ایک طرف قانون عام بیان کیا تو دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام کے استثناء کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ قرآن کے بیان کیے ہوئے قانون دکھانے سے ہٹ کر صرف وہی بات استثنائی مانی جاسکتی ہے جس کا ذکر قرآن و احادیث صحیحہ میں موجود ہو، یہ نہیں کہ اب جو چاہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیے گئے اس قانون کے خلاف ایک عقیدہ مقرر کرے اور پھر اس کو استثناء کا نام دے ڈالے۔ یہ لفظ استثناء کا بڑا غلط استعمال ہے۔ یہی طریقہ ان فرقہ پرستوں نے اختیار کیا ہے کہ اپنے اکابرین کی بیرونی قبر میں روح لوٹائے جانے کا عقیدہ اپنالیا اور اب اس بے بنیاد عقیدے کو ایک استثنائی مسئلہ کہہ کر جان چھڑائی جاتی ہے! یہ ان لوگوں کا ایک منطقی حیلہ ہے جو انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اختیار کیا ہے اور حق کو چھپانے کے لیے "استثناء" کو بطور نقاب استعمال کیا ہے۔

ڈاکٹر عثمانی نے اس بات کو واضح کیا کہ "اعادہ روح" کو ثابت کرنے کے لیے پیش کی جانے والی یہ روایات موضوع و من گھڑت ہیں لیکن اجماع شیوخ کی طرف سے اس کی شدید مخالفت کی گئی اور انہیں صحیح ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا گیا اور ایسا کرتے ہوئے حقیقت پر مبنی تمام تردیدیں تو یہ جھٹلاتے چلے گئے مگر اپنے اپنے اکابرین اور اپنے ہی فرقے والوں کی غلط بات کو جھٹلاتا ان کے بس کی بات نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

"قبر میں روح کا جسم میں لوٹایا جانا یا اس کا تعلق جسم سے قائم کر دینا صحیح احادیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ ویسے بھی روح جسم میں موجود ہو پھر بھی وہ مردہ کہلائے، یہ لوگوں کی عقل کے مردہ ہونے کا ثبوت ہے اس مردہ عقل پر جس قدر ماتم کریں کم ہے۔" (میزان: صفحہ ۴۸)

"..... لہذا مرنے کے بعد قیامت تک روح واپس اس جسم میں نہیں ڈالی جاتی اور نہ ہی تعلق قائم کیا جاتا ہے اور جو لوگ اعادہ روح کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ سوائے چند ضعیف یا موضوع روایات کے۔" (ایضاً: صفحہ ۷)

اجماع شیوخ نے تو سارا زور اسی بات پر لگایا ہوا تھا کہ ہمارے فرقے

"حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا۔"

اس آیت میں سمندر میں مچھلیوں کو شکار کرنے اور ان کے کھانے کو حلال کہا گیا ہے۔ مردہ مچھلی کھانے کا بھی حدیث میں ثبوت ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے مردہ حالت میں پائی جانے والی ایک بڑی مچھلی کھائی اور اس کا گوشت نبی ﷺ کے لیے بھی لے کر آئے جسے آپ ﷺ نے "رزق" قرار دیا اور برکت کھایا۔ اسی طرح اگر مچھلی کے شکار کے لیے جال یا کانا وغیرہ لگایا جاتا ہے تو اس سے شکار ہونے والی کافی مچھلیاں بھی مردہ حالت میں پانی سے نکالی جاتی ہیں۔ خشکی کے شکار کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لِحَالِ لَحْدٍ صَدِّقٍ وَطَعًا لَهَا (المائدة: ۹۶)
لَهُ فُكُلًا وَاسْخًا مَمْلُوءًا وَذَكْرًا وَاسْخًا مَمْلُوءًا وَاسْخًا مَمْلُوءًا
(المائدة: ۹۶)

"کہو کہ تم پر حلال کر دی گئی ہیں پاک چیزیں اور جو سمندر کا کھانے میں تم نے شکاری جانور، شکار پر دوڑائے کے لیے کہہ سکھاتے ہو ان کو وہ طریقہ جو سکھایا ہے تم کو اللہ نے۔ سو کھاؤ اس میں سے جو بچو کر لائیں تمہارے لیے اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔"

قرآن مجید نے خشکی کے شکار پر اللہ کا نام لینے کا حکم فرمایا اور احادیث نبوی ﷺ سے اس کی مکمل تشریح ملتی ہے کہ یہ شکار اسی وقت حلال ہوگا کہ جب ان کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ اس کے برعکس سمندری شکار کے لیے قرآن میں اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا گیا، البتہ حدیث سے اس کی تشریح مل گئی کہ اس کا مردہ بھی حلال ہے۔ نیز دیگر جانوروں کی طرح شریعت میں مچھلی کے ذبح کا کوئی حکم نہیں ملتا اسی طرح ٹڈی کے بارے میں بھی احادیث میں وضاحت ملتی ہے۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن میں بیان کردہ مردار کے حرام ہونے اور حدیث میں مذکور مردہ مچھلی حلال ہونے کے دو مختلف احکام ہیں، ان میں تضاد یا قطعی کی بات کرنا فریب کارانہ انداز ہے۔ حدیث تو قرآن مجید کے احکامات کی تفسیر و توضیح کرتی ہے نہ کہ اس کا انکار۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ احادیث قرآن کے احکامات کے انکار میں کوئی عقیدہ دے سکتی ہیں اور وہ استثنائی معاملہ ہے، من گھڑت اور محض اپنے باطل عقیدے کا دفاع ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے امام کے دیے ہوئے عقائد کا دفاع کرنا ہے، تو وہ لوگوں کو ایسی ہی من گھڑت باتوں اور بے سرو پا ششوں کے ذریعے دھمکانے کی کوشش کرتے ہیں۔

کے بانی و بانی میاں بلا رحمت سارے فرقہ والوں کا یہ عقیدہ و احادیث مجھ سے ثابت ہے لیکن اب تو خود انہی کے ایک ائمہ دین علامہ نے اعتراف کر لیا ہے کہ اعادہ روح کا عقیدہ کئی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور انہی کے "شیخ الحدیث" نے بھی "مبادی جنس ثانی" سے اس کتاب کا مقدمہ لکھ کر ان باتوں کی تصدیق بھی فرمادی۔ چنانچہ اب یہ کہہ بغیر چارہ نہیں رہا کہ

روح اول کے پیچھوئے بل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ان لوگوں کو چاہیے کہ ان دونوں افراد کو فوراً اپنے فرقے سے نکال دیں اس لیے کہ انہوں نے تو اس خارجی کدو کاوش کا بول ہی کھولی کر رکھ دیا ہے جو آج تک ائمہ دین لوگ اپنے اس باطل عقیدے کو "احادیث صحیحہ" سے ثابت کرنے کے لیے لہتے رہے ہیں۔ ان کے برعکس اسی توہم پرستی قبیح کا ایک اور گروہ اعادہ روح کے بارے میں لوگوں کو اس طرح گمراہ کرتا ہے۔

"جو مائیں کا نکلتا سو وہ صلیب میں فرماتا ہے کہ لوہا آسمان سے نازل کیا گیا ہے اور پھر اسے زمین کی تہ سے لنگوا دے تو اس کے لیے کیا عید ہے کہ کہ وہ قبر میں رہنا چاہتا ہو کہ وہ زندہ ہو کر رہے۔"

(اسی طرح فریضی قمر، ازہر امت اسلامیہ)

گویا اس بات کا تو انہوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ قرآن و حدیث مرنے کے بعد قبر میں روح کو نہ پالنے کا کوئی عقیدہ و فراہم نہیں کرتے اس لیے بات اب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کی حدیث میں عرض ہے کہ یہاں بات اللہ کے لیے "عید" اور "قرب" کی نہیں ہو سکتی، بلکہ بات ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمع کردہ اصول و قوانین کی جس کے لیے قرآن و حدیث کی حکم و اتباع دلیل سے کام چلے گا، مطلق یا اللہ کے لیے "ممکن" اور "ناممکن" سے نہیں۔ ان لوگوں کو اس چیز پر لانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ یہ نہیں کہ شخص ان لوگوں کے اقوال پر اپنا عقیدہ و بنا لیا پھر جب وہ کتاب اللہ سے ثابت نہ ہو سکے تو کہہ دیا جائے کہ لَنْ اَقْدِرَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَعَدُوٌّ اِيَادِهِ ہے کہ جتنی جماعت والے اور دیگر مسلک پرست اسے بدگمانوں کی کہانات (من سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں) کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہی انداز اختیار کرتے ہیں۔ اگر ایمان کی یہی بنیاد ہے تو پھر کافر یا کفریوں کو کہیں کا فر کہا جاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ مرزا قاسم احمد کو بھی بظاہر؟ لیکن قادیانی کافر ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اب جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرے وہ بھی کافر اور جو ان کو نبی مانے وہ بھی کافر۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے

"عید" اور "قرب" سے استدلال نہیں ہوگا۔ روح کے لیے مالک کا حکم کا قبضہ واضح ہے کہ موت کے بعد یہ قیامت سے قبل نہیں لوٹا جاتا ہے۔ اب جو یہ عقیدہ رکھے کہ روح اس قبر میں لوٹا جاتا ہے۔ تو وہ کون ہوگا؟ خود ہی فیصلہ کر لیں۔

روح کے بارے میں نئی تحقیق

روح کے بارے میں ائمہ دین نے ایک اور عقیدے کو "جہنم" دیا ہے، علامہ حکیم:

"روح کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک روح حیوانی جس کا تعلق کرشمہ حیرت سے ہوتا ہے جب تک کہ کرشمہ حیرت برقرار رہتا ہے یہ روح بھی موجود ہوگی۔ گروہی رک جائے تو روح ختم ہو جاتی ہے یا نکل جاتی ہے۔

دوسری قسم کی روح انسانی ہوتی ہے جسے روح انسانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ روح انسانی یہ قسم ہے جو وہ انسان خواہ یہ کھڑی ہے۔ روح کی یہ قسم وروں کا حصہ جب انسان کے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو انسان کے دوس ٹکڑے کی کارکردگی میں تھوڑا سا کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ان دو حصوں سے کوئی ایک حصہ جائے تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے"

(روحانی علاج، قمر، ازہر امت اسلامیہ، ازہر اسلامیہ)

اسی مقدم پر انہوں نے سورہ اسراء آیت نمبر ۴۴ سے دو روہوں کو ملتے کرنے کی ایسی نئی کوشش کی کہ ہے بھی ان کے اوسرے "مفق" (خاک کی جان و اما تو می) نے اس آیت سے اعادہ روح ثابت کرنے کے لیے کی تھی، اس لیے ان لوگوں کے اس طرز عمل پر بار بار بحث کرنا فضول ہے کیونکہ ان کا تو طریقہ کار ہی یہ ہے کہ قرآن کی آیت سے ذرا باقی آکر بات کو ثابت کیا جائے جس کا اس میں کوئی قصہ و دجی نہ ملتا ہو۔ روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلٌ (سورہ اسراء: ۸۵)

"کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (ان لوگوں کے بارے میں) تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے۔"

اب کوئی ان سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے تو دو روہوں کا کوئی علم نہیں دیا بلکہ صراحت کر دی کہ روح کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے، تو روح کے بارے میں یہ اضافی علم ان کو کہاں سے حاصل ہو؟

وَمَنْ يَتَّبِعِ الشَّيْطَانَ لَذَّةَ النَّفْسِ فَذَرْبُهُ إِلَى السَّعِيرِ (سورہ اسراء: ۷۵)

"اور جس کا ساتھی شیطان ہو اور وہ لذت و ہوا چاہی ہے۔"

جب ان کی طرف سے بے پرکی ہانگی ہوئی باتوں پر پکڑ کی گئی تو فرماتے ہیں:
 ”یہ اور اس قبیل کے دوسرے اعتراضات میں عام غلطی جو ہوتی ہے وہ یہ ہے
 کہ بات تو کرتے ہیں روح اور عالم برزخ کی، اور اسے پرکھنا چاہتے ہیں
 انسانی عقل اور محسوسات سے، حالانکہ یہ بات اصولاً غلط ہے۔ کیونکہ ارشاد
 باری تعالیٰ ہے کہ روح کے متعلق انسان کو بہت قہور اعظم دیا گیا ہے۔ تو پھر
 اس قہور سے سے علم کی بنیاد پر ایک نظریہ قائم کرنا، پھر اس نظریہ کو عقیدہ کا
 رنگ بھردینا پھر اس میں اتنا عقیدہ اور مصعب ہو جانا کہ جو شخص اس نظریہ کے
 خلاف بات کرے اسے کافر و مشرک کے القاب دے دے، انا، آخر یہ کہاں کی
 دانشمندی ہے؟“ (روح، مذاہب قبر اور سماج موقی: صفحہ ۹۹، ۱۰۰)

عالم اسی کو کہتے ہیں الناحیہ رکوتوال کو ڈالنے۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے قہور سے
 سے علم کے مقابلے میں وہ دونوں کا عقیدہ رکھنا اور روح کے قبر میں لوٹانے جانے
 کا عقیدہ رکھنا احمقوں کا ہی وسیعہ ہے، مومن تو صرف اس بات پر ایمان رکھتے
 ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بیان کی گئی ہو۔ پہلے خود ہی ایک
 عقیدہ مقرر کرنا اور پھیلایا اور جب کتاب اللہ سے اس کا ثبوت مانگا گیا تو کہتے ہیں یہ
 روح اور عالم برزخ کی بات ہے، انسانی عقل پر اسے نہیں پرکھا جاسکتا، کیونکہ
 اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بہت کم علم دیا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا
 ہے کہ احمقوں کی عقل میں یہ سب کیسے آگیا؟ ان کا استاد کون ہے جس نے ان
 کو دوسرا علم دے ڈالا جو حُجَّتِیٰ لَکَ اَلِہِ یعنی قرآن کریم میں بھی نہیں ہے؟ پھر
 یہی دور روح کا باطل فلسفہ آگے بڑھتا ہے اور فرمایا جاتا ہے:

”خواب میں اس روح انسانی کی شکل و صورت بالکل ویسی ہوتی ہے جیسے
 بستر پر پڑے ہوئے (سوئے ہوئے) اس کے قالب کی ہوتی ہے۔ اور
 خواب میں جب رو جس آئیں میں ملتی ہیں تو اس شکل و صورت کی ہم آہنگی کے
 واسطے سے ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان ہی
 روحوں کی آپس میں ملاقات ہو جو اس دنیا میں زندہ کھلاتے ہیں۔ یہ ملاقات
 ان لوگوں سے بھی ہو سکتی ہے جو اس جہاں سے رحلت کر چکے یا چکے
 ہیں۔..... خواب میں روح راحت و الم یعنی خواب و عذاب سے دوچار
 ہوتی ہے..... ان ہر دو اقسام کی روحوں کے بارے میں یہ بات بھی
 ملحوظ رکھنی چاہیے کہ ایک قسم کی روح کے خاتمہ سے دوسری قسم کی روح ازخود
 ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص سویا ہوا کوئی خواب دیکھ
 رہا ہے کہ کسی دوسرے شخص نے اسے سوتے میں قتل کر دیا تو روح انسانی خواہ
 نہیں بھی سیر کرتی ہوگی۔ اب یہ دوبارہ اس جسم میں داخل نہیں ہوگی بلکہ اللہ

تعالیٰ اسے وہیں قبض کر لے گا۔ اس کے برعکس صورت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ
 کسی انسان کی روح انسانی کو خواب میں قبض کر لیں تو بستر پر سوتے والا آدمی
 بغیر کسی حادثہ یا بیماری کے مر جائے گا۔“ (ایضاً: صفحہ ۳۳، ۳۴)

ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق علماء
 دین کی نہیں بلکہ معروف غلطی عملیات کے نام نہاد پر و فیر مساحبان کی تحریروں
 ہیں۔ ان کی ان باتوں کا کیا جواب دیا جائے۔ اگر ان قیاسی گھوڑے دوڑانے
 والوں کی بے شکے پن سے ہانگی ہوئی ایک ایک بات کا جواب دیا جائے تو پھر
 کتب کا ایک انبار لگ جائے گا۔ اب تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہے کہ
 تمہیں یہ دو روحوں کا عقیدہ، زندہ کی روحوں کا مردوں کی روحوں سے ملنے کا
 عقیدہ، ایک روح کے خاتمے سے دوسری روح کے ازخود ختم ہو جانے کا عقیدہ،
 کہاں سے ملا؟ یہ خود سوچ لیں کیا جواب دیں گے اپنے مالک کو؟

تقریباً یہی عقیدہ دیوبندی عالم قاری حبیب نے اپنی کتاب ”عالم برزخ“
 کے صفحہ ۳۶ پر پیش کیا ہے۔ ایک اور احمق قاری غلیل الرحمن نے اپنی کتاب
 ”پہلا زینہ“ کے صفحہ ۵۰، ۵۱ پر کسی حاجی عبدالنارمین کا واقعہ بیان کر کے اس
 بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قَبْرِہِیْ لَکَ اَلِہِ قَبْرِہِیْ لَکَ اَلِہِ لَکَ اَلِہِ لَکَ اَلِہِ
 مطلب یہ ہے کہ روح سوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جاتی ہے اور اگر اس
 کی موت کا فیصلہ ہو جائے تو وہ روح پھر وہاں روک لی جاتی ہے۔ آئیے اس
 بارے میں قرآن وحدیث سے رجوع کریں۔

نیند اور موت میں قبض روح

قرآن وحدیث میں مرنے والے کی روح قبض ہونے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:
 اللہ تعالیٰ انسانوں کی موت کے وقت روح قبض کرتے کے لیے فرشتے
 بھیجتا ہے، وہ اس کی روح قبض کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں۔

(الانعام: ۶۲، ۶۳)

..... فرشتے انسان کے جسم میں تیرتے ہوئے، ذواب کر آگے بڑھ کر اس کی
 روح کھینچ لیتے ہیں۔

(تازمات: ۱۰-۱۳)

..... ظالم لوگوں کی روح نکالتے ہوئے فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے
 ہوتے ہیں نکالو اپنی روحوں کو۔ مرنے والے کی روح یہ جسم دنیا سب کچھ
 چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جاتی ہے۔

(الانعام: ۹۳، ۹۴)

..... چاہا کئی کے وقت جان لگے تک پہنچ جاتی ہے، پنڈلی سے چڑھ لی جاتی
 ہے، جان لیا جاتا ہے کہ اب جدائی کا وقت ہے اپنے رب کے پاس جانے کا

وقت ہے۔ (القیامہ: ۴۹-۳۰)

جب روح گھر میں آتی ہے انسان اس حالت کو دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن بے بس ہوتے ہیں۔ (الواقفہ: ۸۳-۸۷)

نبی ﷺ نے فرمایا:

..... جب روح نکلتی ہے تو بصارت اس کے پیچھے نکل جاتی ہے۔ (مسلم: کتاب البزور)

..... مومن مرتا ہے پیشانی کے پسینے سے۔ (ابن ماجہ: کتاب البزور باب ما یحدث من الموت)

جب ونائی مٹ جائے اور چھاتی میں دم آجائے اور بدن کے روئیں

کھڑے ہو جائیں (یا اللہ سے ملنے کا وقت ہے) (مسند ابی یوسف: کتاب البزور باب ما یحدث من الموت)

قرآن وحدیث کے ان دلائل سے ثابت ہوا کہ:

☆ مرتے وقت روح قبض کرنے کے لیے فرشتے بھیجے جاتے ہیں۔

☆ فرشتے انسانوں کے جسم سے مختلف امداد میں روح نکالتے ہیں۔

☆ فرشتے روح نکال کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں۔

☆ موت کے وقت روح گھر تک آتی ہے۔

☆ روح کے جسم سے اخراج پر پنڈلی سے پنڈلی مل جاتی ہے۔

☆ جسم سے روح نکلنے ہی بصارت بھی جسم سے نکل جاتی ہے۔

☆ روح سارے جسم سے نکلتی ہوئی چھاتی میں آتی ہے۔

رواں رواں کھڑا ہو جاتا ہے، پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے۔

حالات سکرات میں واقع ہونے والے اس قسم کے معاملات عام مشاہدہ میں بھی آتے ہیں۔

حالت نیند میں روح کا قبض ہونا

..... اللہ تعالیٰ رات کو سوتے ہوئے انسانوں کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور پھر

ان کو دوبارہ اٹھا دیتا ہے تاکہ نئے شدہ وقت پر راہوں کے۔ (الانعام: ۶۰)

..... اللہ تعالیٰ زندہ انسانوں کی روحیں ان کے سونے کے وقت قبض کر لیتا ہے

اور پھر ان کو واپس چھوڑ دیتا ہے۔ (الزمر: ۴۲)

..... نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے زندہ انسانوں کی روح قبض

کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے انہیں لوٹا دیتا ہے۔ (بخاری: کتاب البزور باب ما یحدث من الموت)

قرآن وحدیث سے نیند میں روح قبض کیے جانے کے لیے نہ تو کسی فرشتے کو بھیجے جانے کا ذکر ملتا ہے اور نہ ہی جسم سے روح کے اخراج اور اسے اللہ تعالیٰ کے پاس لے جانے کا کوئی عقیدہ ملتا ہے۔ موت کے وقت جب روح اس جسم سے نکال لی جاتی ہے تو یہ جسم مردہ لاش بن جاتا ہے، بصارت فوراً ہی جسم سے نکل جاتی اور دیگر تمام حواس بھی قیامت تک کے لیے ختم ہو جاتے ہیں، اس کے

برخلاف سوتے ہوئے شخص کا جسم مردہ نہیں ہوتا سانس چل رہی ہوتی ہے،

نفسیں بھی رواں رہتی ہیں، دوران خون جاری رہتا ہے، کھانا ہضم ہوتا رہتا ہے،

پسینے کے ذریعے نظام اخراج بھی کام کرتا رہتا ہے، موسم کی گرمی سردی کا احساس

بھی ہوتا ہے، کچھ حواس معطل، کچھ نیم معطل اور کچھ پوری طرح کام کر رہے ہوتے ہیں۔

اسی حوالہ سے نیند کو موت سے مشابہت دی جاتی ہے۔ اب بس روح کے جسم سے

نکلنے کا کوئی عقیدہ قرآن وحدیث سے ثابت ہی نہیں اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ یہ

روح اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتی جاتی ہے تو اس روح کا واپس جسم میں لوٹنا یا جانا

کیسا؟ یہ محض خود فریبی ہے۔

موت کے وقت جسم سے روح کے اخراج کی وجہ سے تمام حواس

قیامت تک کے لیے ختم ہو جاتے ہیں لیکن حالت نیند میں ایسا نہیں ہوتا اس سے

قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ ٹوٹتی یعنی "روح کا قبضے میں لے لینا" جسم کے اندر ہی

ہوتا ہے جس کی وجہ سے کچھ حواس معطل، کچھ نیم معطل اور کچھ حسب معمول کام

کر رہے ہوتے ہیں۔ نیز کتاب وسنت سے اس روح کے جسم سے اخراج کا کوئی

ثبوت نہ ملنا اس موقف کو مزید تقویت دیتا ہے۔

سورہ زمر کی آیت میں "یُنْزِلُ" کا مطلب یہ لوگ "واپس بھیج دیتا ہے"

کرتے ہیں حالانکہ عربی کے اس لفظ کے معنی بھیجنے یا چھوڑ دینے کے ہیں، اور

قرآن کریم کے دیے ہوئے عقیدے کے مطابق یہاں اس کے یہی معنی ہوتے

ہیں، لہذا "لَوْ سَنَّ" کے لیے تو "وَجْعَ اور عَوْدَ کے الفاظ ہیں۔ خود عبدالرحمن کیلانی

الاجدیث نے اپنی کتاب "روح، عذاب قبر اور سارے موتی" کے صفحہ ۱۵ اور قاری

علیل الرحمن الاجدیث نے اپنی کتاب "پہلا زینہ" میں اور فتح محمد جالندھری

دیوبندی نے قرآن مجید کے ترجمہ میں اس کا ترجمہ "چھوڑنا" ہی کیا ہے۔ قرآن

میں دوسری جگہ بھی اس لفظ کے یہی معنی کیے گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

أَكْمَرُكُمْ أَتَىٰ الشَّيْطَانُ (مومنین: ۳۵)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیاطین"

(ترجمہ: محمود الحسن دیوبندی)

"کیا تم نے نہیں دیکھا ہم نے شیطان کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے"

(ترجمہ: فتح محمد جالندھری)

يُنْزِلُ عَلَيْكُمْ الْغُطَاةَ مِنْ نَارٍ وَتُحَاسِبُونَ فَلَا تَتَّبِعُوا (الاحقاف: ۳۵)

"چھوڑا جائے گا تم پر شعلہ آگ کا اور دھواں پھر تم اس کا مقابلہ نہ کر سکو گے"

(ترجمہ: محمود الحسن دیوبندی)

”تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا تو تم متجاہد نہ کر سکو گے“

(ترجمہ فتح محمد چاندھری)

بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے غار حرا میں پیش آنے والا واقعہ بیان فرمایا

لَا اخذَنِي فِعْطَسِي حَتَّىٰ يَبْلُغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ ارْسَلَنِي

”اس (جبریل علیہ السلام) نے مجھے بھیچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی

پھر مجھے چھوڑ دیا“ (ترجمہ: عبدالرحمان ابجدیث، بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ اطلاق)

گو یا سوتے ہوئے روح کا قبض ہونا جسم کے اندر ہی ہوتا ہے اور جب چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کو چھوڑ دیتا ہے۔ حالت خیمہ میں جب روح قبض کی جاتی ہے تو اسے موت سے تعبیر تو ضرور دی گئی ہے لیکن مویا ہوا یہ انسان زندہ ہی کہلاتا ہے، مردہ یا مرہ اسے نہیں ہوتا اور جب روح لوٹا دی جاتی ہے یعنی جب اس کا قبض ہونا ختم ہو جاتا ہے تو اس کے تمام حواس حسب سابق کام کرنے لگتے ہیں۔

اوپر بیان کردہ عقیدہ جبر الہیہ میں نے اپنایا ہے اس کی وجہ یہ ہے:

”جو جس طرح خواب میں روح راحت و آسائش سے دوچار ہوتی ہے۔ اور کبھی

کبھی اس کے اثرات بدن پر بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس عرصہ

موت میں روح کو عذاب و ثواب ہوتا ہی ہے و تاہم اس ملاقات کے دوران

اس کے اثرات جسم یا اس کے ذرات پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ یہی عذاب و

ثواب کی حقیقت ہے۔“ (روح، عذاب قبر اور سماوی موتی، صفحہ ۴۶)

”عالم برزخ کا تصور بہت تصور، جتنا کہ اس عالم دنیا میں ممکن ہے، خواب اور

اس کے کوائف و واردات میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ خیمہ

بھی زندگی اور موت کے درمیان برزخ ہے اور اسی لئے خیمہ کو موت سے تعبیر

کیا گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خیمہ جس چونکہ زندگی کے آثار غالب ہوتے

ہیں اس لئے قرآن نے اس دور کو زندگی سے تعبیر کیا ہے اور برزخ میں

چونکہ موت کے اثرات غالب ہوتے ہیں اس لئے قرآن نے اسے موت

سے تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی زندگی کے کچھ آثار پائے جاتے

ہیں اور اسی لئے اس موت کے دور کو برزخی زندگی بھی کہہ دیا جاتا ہے۔“

(ایضاً صفحہ ۹۹)

قرآن وحدیث کے خلاف بتایا گیا، یہ ہے وہ عقیدہ جس کے لیے یہ ساری جنگ لڑی جاتی ہے۔ اسی عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے کبھی دھوکوں کا عقیدہ دیا جاتا ہے اور کبھی ”خیمہ“ کو زندگی اور موت کے درمیان ”برزخ“ بنا دیا جاتا ہے۔ اگر ان کی ان قیاس آرائیوں اور مفروضہ باتوں پر یقین کر بھی لیا جائے

تب بھی عذاب قبر کے بارے میں ان کا دیا ہوا یہ عقیدہ محض باطل ہی قرار پائے گا۔ اس لیے کہ انسان ابھی زندہ ہے، اس کے تمام حواس کام کر رہے ہیں، دل دھڑک رہا اور سانس چل رہی ہے، دماغ بھی موجود ہے اور شعور بھی رکھتا ہے۔ اس لیے خواب دیکھنا اور اس کے اثرات قلب و ذہن پر مرتب ہونا کوئی عجیب بات نہیں، لیکن جب مرنے کے بعد انسان کا یہ جسم بے جان دبے شعور ہو جاتا اور سڑنے لگنے لگتا ہے اور آخر کار مٹی میں مل کر مٹی بن جاتا ہے، تب یہ سوچنے اور سمجھنے والا دماغ ہی نہیں رہتا اور نہ ہی احساس کرنے والا یہ جسم۔ اب روح کا تعلق قائم کس سے ہوگا؟ کون خواب دیکھے گا؟ کون اس کا اور اک کرے گا؟ ثابت ہوا کہ یہ سب محض کاندھنی فلسفہ ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ وَمِنْهُمْ أَقْضُوهُ لَا يَحْكُمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا تَمَلَّاهُ وَلَئِنْ هُمْ إِلَّا يَكْذِبُونَ

کتاب اللہ اور الہی حدیث

الہی حدیث دوسرے فرقوں کے لوگوں پر قرآن کی آیات کے حوالے سے بڑے فتوے لگاتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن کا انکار کرتے ہوئے ان مردوں کو زندہ سمجھتے اور ان سے دعا کیں کرتے ہیں حالانکہ یہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔ لیکن کیا کریں کہ اپنے فرقہ کے عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ کہنے پر مجبور ہیں: ”اگرچہ اس میں بھی زندگی کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں اور اسی لئے اسے موت کے دور کو برزخی زندگی بھی کہہ دیا جاتا ہے۔“

دیکھا آپ نے! رب کائنات فرماتا ہے

أَمْ أَمَاتُ الَّذِينَ آمَنُوا كَآلَ الْفُلِ الْفَاحِشِ (۲۱)

”مردہ ہیں زندگی کی رقی نہیں“

الہی حدیث کہتے ہیں:

”اس میں بھی زندگی کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں“

ایک طرف کتاب اللہ ہے تو دوسری طرف ان علماء کی کتابیں! کسے مانا جائے؟

مع فیصلہ حیران کن بات میں ہے

دو موتیں دو زندگیاں

قرآن مجید ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں کا عقیدہ فراہم کرتا ہے۔ جسم میں روح کا آنا، یعنی جسم اور روح کا اتصال ”زندگی“ کہلاتا

”پھر کیا ہوگا جب فرشتے ان کی رو میں آجس کریں گے ان کے من اور پیکوں پر مارتے ہوئے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کی روحوں کو مارتے ہوئے لے جائیں گے بلکہ مارتے کا بیان صرف روح کے قبض کرنے کے وقت کا ہے۔ اس کے بعد لکھیں۔ ”وہودنی صاحب نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے وہ محض ان کے اپنے تصور سے پیدا ہے۔ روح کی داہتہ عقیدہ کتاب اللہ سے ہرگز نہیں ملتا۔ اسی طرح اشاعت و اتحاد والوں نے جو چاہوں رو کی مثال گھڑی ہے۔ وہ بھی ایسی مثال آپ ہے۔ اس بات کی وضاحت بھی یہاں کر دی جائے کہ دیگر مسلک پرست بھی کہتے ہیں کہ فرشتے روح قبض کرنے کے بعد اس مردہ جسم کے منہ اور پیٹ پر مارتے ہیں اور اس سے وہ ایسی جسم پر عذاب کا عقیدہ فراہم کرتے ہیں لیکن یہ بھی قرآن کی معنوی تفسیر ہے۔ دونوں فرشتوں کا مارنا صرف قبض روح کی حد تک ہے۔ روح زندہ کی قبض کی جاتی ہے مردہ کی نہیں۔ عذاب تو صرف مردوں کے لیے ہے۔ زندہ و امواتوں کے لیے نہیں۔“

”وہودنی صاحب مزید فرماتے ہیں:

”کہ اس زمانہ میں جسم کے بغیر روح زندہ رہتی ہے۔ کلام کرتی اور کام لیتی ہے، جذبات و احساسات رکھتی ہے، موشی اور فم مسونہ کرتی ہے، اور اہل دنیا کے ساتھ بھی اس کی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں۔“

(تفسیر القرآن، جلد ہفتم، ص ۲۵۵، ۲۵۶)

ان کا یہ عقیدہ محض ظن و گمان کی بنیاد پر ہے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا سے چلی جانے والی اس روح کو ایک نیا برقی جسم عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ مذکور ماقبل احادیث سے ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے شہداء کی رو میں ہزاروں سالے جسموں میں ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو ایسا جسم عطا فرمایا گیا کہ وہ فرشتوں کیساتھ آتے ہیں، نبی ﷺ کے فرزند کو وفات کے بعد جنت میں وہودہ پینے والا جسم عطا کیا گیا۔ اسی طرح مردہ نبی کو جنم میں ایسا جسم دیا گیا کہ جسے خدا دیا جارہا تھا۔ وہودہ اپنی آستیں بچھ کر بیوی و عورت کو بھی جنم میں جسم دیا گیا۔ اور نبی سے توح کو چ کر کھارہی تھی اور عیاسی بھوٹ بولنے والے کو ایسا برقی جسم دیا گیا کہ اس کے کال پھارے جارہے تھے۔ زنا کاروں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے جسموں کو جلایا جارہا تھا۔ وغیرہ۔

”روح“ کے موضوع کی ابتداء میں ہم نے وہودنی صاحب کی

ایک کتاب کا اقتباس پیش کیا تھا کہ

”دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ (اور زور سے آن ولی اللہ) پکار کر یہ کہیں۔ اس صورت میں اعتقاد کی خرابی تو لازم نہ آئے گی مگر یہ اعتقاد میں تیرے چلانا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ پکار رہے ہوں اور وہ نہ سن رہے ہوں۔ کیونکہ سماج موقی کا مسئلہ تلفظ نہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا سماج تو ممکن ہو مگر ان کی روح اس وقت وہاں تشریف نہ رکھتی ہو۔ اور آپ خواہ کچھ خالی مکان پر آوازیں دے رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روح تشریف فرما تو ہو مگر وہ اپنے رب کی طرف مشغول ہوں۔“

(رسائل و مسائل، حصہ سوم، صفحہ ۳۶۵)

امت میں پھیلا یا گیا یہی وہ عقیدہ ہے جس کی بنیاد پر آج یہ حضرات آباد ہیں اور عرس و میلوں کی شکل میں اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کے جھنڈے بلند کیے جا رہے ہیں اور اللہ کے عیقا و نصب کو ہلکا کیا جا رہا ہے۔ ان کے نزدیک قبر میں روح لوٹا دی گئی، مردہ زندہ بن گیا، اب یہ سن بھی سکتا ہے، گونسنے پھرنے کے لیے قبر سے باہر بھی جا سکتا ہے۔ دنیا والوں کے ساتھ اس کی دلچسپیاں بھی ہیں اور اللہ کی عبادت بھی کر رہا ہے۔ تو اب کوئی کسر رہ گئی ہے کہ اس کو زندہ نہ کیا جائے۔ پہلے یہ ماتحت الاسباب سارے کام کرتا تھا، اب یہ مافوق الاسباب امور پر قادر ہو گیا اور یہ ”لڑیں نظریات“ مسلک پر مشغول کی کتابوں اور سیمپلوں کے مخلوقات کے لیے بنیاد فراہم کر گئے! کئی زندہ کو قبر میں دیا دوا، وہ قبر سے نہیں اٹھ سکتا، لیکن مرنے کے بعد، یہ مردے چاہیں تو قبر میں عبادت کرتے، وہیں یا چاہیں تو نکلیں گونسنے پھرنے چلے جائیں! پھر کیوں نہ ایسے مردے کو جنت بردا اور مشکل کشا گردانا جائے۔ اب ان سب صفات کا حامل ہو گیا اور ایسے اس عقیدے پر ان مسلک پرستوں میں کیسا اتفاق ہے اور یہی عقیدہ قبر پرستی کے شرک کی بنیاد ہے۔ آج جو یہ امت ان قبروں پر چنگی پڑی ہے تو اس کی بنیاد یہ روح لوٹا کے جانے کا عقیدہ ہی تو ہے جس نے اس مردے کو زندہ کر دیا۔ وہ زندہ گون آنے گا ان گل سڑ جائے والوں کی ہڈیوں پر جو کتاب اللہ کے مطابق نہ سن سکتے ہوں، نہ دیکھ سکتے ہوں، نہ شعور رکھتے ہوں اور نہ کوئی احساس! اس لیے کہ شعور و احساس تو زندہ رکھتا ہے۔ روح کے اس جسم سے نکل جانے کے بعد یہ جسم قیامت تک کے لیے بے حس ہو جاتا ہے شعور و ادراک سے عاری ہوتا ہے، مٹی ہو کر مٹی ہی میں رہتا ہے۔

ایک طرف یہ عقیدہ ہے تو دوسری طرف ایک بار پھر احمدیوں کی

عقیدہ ساز فیکٹریاں ایک نیا عقیدہ دیتی ہیں:

”اس کے بجائے ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ روح کو کوئی نیا جسم نہیں ملتا۔ بلکہ

اس کا اپنا بھی جسم ہوتا ہے۔ فرشتے جب کسی مرنے والے کی روح کو نکالتے ہیں تو یہ روح اپنی جسمیت سمیت مادی جسم کے بند بندے سے نکلتی ہے۔ پھر فرشتے اسی جسمیت سمیت روح کو کونیزے میں لپیٹ کر آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں اور روح کا یہ جسم مادی جسم میں اسی طرح پھنسا ہوا ہوتا ہے، جیسے گولہ میں گیس یا زیتون کے درخت میں روغن زیتون۔ روح کا یہ جسم مرحلہ نمبر ۱ میں بھی موجود تھا جب "اکنٹ پر سیکٹھ" کا سوال جواب ہوا۔

غرض ہر ہر مرحلہ پر روح کا جسم اس کے ساتھ رہتا ہے۔ البتہ مرحلہ نمبر ۲ (دنیا) اور نمبر ۳ (قیامت کے بعد کی زندگی) میں اسے ایک اضافی جسم بھی ملتا ہے اور اسی اضافی جسم کی وجہ سے ان ہر دوادوار کو زندگی کے ادوار سے تعبیر کیا گیا ہے۔"

(روح، مذاہب قہر اور سماج موٹی، صفحہ ۹۲)

کہاں بیان کیے گئے ہیں، ذرا یہ علمائے اہلحدیث اس کی وضاحت تو فرمائیں!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ جس طرح میں بہک گیا ہوں اسی طرح مجھے بھی مہلت دی جائے کہ میں بھی اس انسان کو بہکا سکوں! اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لیے یہ مہلت دے دی، اور فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر حیرا بس نہ چل سکے گا۔ شیطان نے کہا کہ میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا، میرے حکم سے یہ جانوروں کے کان کاٹ ڈالیں گے اور ضرور اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں رد و بدل کریں گے..... تو جو اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں ان کے ایمان کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ محکم آیات ہی ہوا کرتی ہیں اور ان کے قیاس بھی اسی بنیاد پر ہوا کرتے ہیں نہ کہ شیطان کے بہکاوے پر!

جن ساتھیوں کے پاس ڈاکٹر عثمانیؒ کے سوال و جواب پر مشتمل کیٹیں ہیں ان سے درخواست ہے کہ انہیں تحریری شکل دے کر حبیب اللہ میں اشاعت کے لیے ارسال فرمائیں۔ شکریہ

منارة البيضاء سے عیسیٰ خان کے مزار تک

محمد منیر، فتح جنگ

چونکہ یہ آخری فیصلہ قرب قیامت میں ہونا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی مشیر سے ہونا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنگی خبر دے دی کہ:

وَلَمَّا لَعَلُّهُمْ لَيْسَ اَعْلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَوْسِيَةٌ اِلَّا هَٰذَا جِزْءًا مِّنْ شَيْءٍ

(الزمر: ۲۱)

”اور بے شک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہے اور تم اس بارے میں

ہرگز شک نہ کرو۔ تم میری بات مانو (کہ) میں سیدھی راہ ہے۔“

قارئین! قرب قیامت کے پُر فتن دور کے حوالے سے قرآن وحدیث کا یہی لب لباب ہے لیکن صدائوس کہ امت کے نام نہاد بھی خواہ بعض پیشہ ور علماء قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات سے لوگوں کو برگشتہ کرنے میں مصروف ہیں۔

اپنی تحریر و تقریر میں یہ لوگ برملا کہتے ہیں: ”عیسیٰ علیہ السلام کچھ ”دوہا پس نہیں آئیں گے“ ان کا انتظار چھوڑ دو، انتظار مسیح امت کے لیے زہر قاتل ہے، ہمیشہ قوموں نے کسی نجات دہندہ کے انتظار میں زندہ گئیں برباد کی ہیں“ وغیرہ۔

امت کے اندر ایک عرصہ سے ”وفات مسیح“ کی دعوت چل رہی ہے۔ اس دعوت اور تحریک سے امت کے اندر نہ تو کوئی انقلاب آیا اور نہ ہی دنیا میں اس کی قوت

کار میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس دعوت سے ”احمدیت“ کو خوب تقویت ملی، کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اسی مرحومہ ”وفات عیسیٰ“

کی بنیاد پر ہی اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور اس دعوت کی بنیاد پر مرزا کو تمام سابقہ جھوٹے مدعیان نبوت سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی۔ ”وفات ونزول

عیسیٰ“ کے موضوع پر ہمارے پیش نظر قادیانیوں اور منکرین حدیث کی کچھ کتب ہیں۔ ان کتب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے قرآن وحدیث کی تعلیمات سے موازنہ

کرنے پر انکی اصل حقیقت آپ کے سامنے آ جائے گی۔

مسلم ائمہ میں فتنوں کا آغاز خلیفہ سوم عثمان بن عفان علیہ السلام کی شہادت سے ہوا اور ان فتنوں کا خاتمہ دجال کی ہلاکت کے بعد ہی ہوگا۔ لیکن آج ہم چودہ

صدیوں پر محیط اس مدت دراز پر نگاہ کرتے ہیں اور ان فتنوں کا شمار کرتے ہیں، جو گاہے گاہے اٹھتے رہے ہیں اور ابھی تک ان کی ہلاکت خبریوں میں کوئی فرق

نہیں آیا تو ان میں انکا حدیث کا فتنہ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ امت کے اندر

محمد ﷺ کے آخری رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں آپ ﷺ کو خاتم النبیین کا خطاب دیا اور آپ ﷺ نے اپنے ارشاد

”لا یسئ بغدیی کے ذریعے اپنے بعد کسی نبی کی آمد کے امکان کو یکسر مسترد فرما دیا البتہ قیامت کے قریب کے زمانہ میں رونما ہونے والے بعض واقعات کی

مشیت کو فرمائی مثلاً فتنہ و جال کا رونما ہونا، عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور لشکر اسلام کی سعیت میں دجال کو قتل کرنا، یہود نصاریٰ کا قلع قمع ہونا، یا جوج ماجوج کا خروج کرنا اور دنیا میں تباہی پھیلانا اور پھر اللہ کے حکم سے ان کا ہلاک ہونا

وغیرہ وغیرہ۔

بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے جو بھی پیشگوئی فرمائی ہے، وہ اپنے وقت پر بالکل اسی ترتیب سے پوری ہوگی بطرح

آپ ﷺ نے بتایا ہے۔ جس طرح قیامت کا آنا اٹل ہے اسی طرح قیامت سے پہلے ان ساری نشانیوں کا ظاہر ہونا بھی اٹل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جو وعدہ استخلاف فرمایا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے جس کی پیشگوئی فرمائی ہے، وہ انشاء اللہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اب

اس کے پورا ہونے میں کتنی مدت آزمائش اور دوہرا تظاہر ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ ایک حقیقت جس کا ہر صاحب ایمان معترف ہے، وہ یہ ہے

کہ قیامت کے قریب مسیح دجال دنیا میں جو فتنہ برپا کرنے والا ہے اسے فرو کرنے کے لیے اور یہود نصاریٰ اور اہل ایمان میں جو آخری معرکہ ہونا ہے،

اسے سر کرنے کے لیے کسی ایسے مرد مومن اور ایسے سالار اعظم کی مدت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام و اکرام ہو۔ کتاب اللہ کے حوالے سے ایسی

شخصیت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اِنَّ هُوَ اَعْبَدُ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي اِسْرَآئِیْلَ“ (الزمر: ۱۵)

”وہ جو شخص ہمارا ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل

کے لیے ایک مثال بنایا۔“

آخری فیصلے کے لیے بطور حاکم عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب فرمایا گیا ہے اور

ہمیشہ سے منکرین حدیث کا گروہ بہت ہی متحرک رہا ہے۔ اگرچہ ”منکرین حدیث“ نام کی کوئی منظم جماعت تو آج تک معرض وجود میں نہیں آئی لیکن اس گروہ نے مختلف اودار میں مختلف فرقہ وارانہ ناموں سے اپنی شناخت ضرور کروائی ہے۔

سچلوار ضلع پٹنہ (صوبہ بہار، ہندوستان) کے ایک منکر حدیث اور نام نہاد محدث العصر علامہ تنہا عادی نے ”انتظار مہدی و مسیح“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ کتاب کا دیباچہ لکھنے والے صاحب کا کہنا ہے:

”علامہ عادی نے یہ مقالہ (انتظار مہدی و مسیح) علامہ ذاکر محمد اقبال کی فرمائش پر لکھا تھا جس وقت وہ (اقبال) فرقہ قادیانیت کی تحقیق میں مصروف تھے۔ گو یہ نظریہ (نزول عیسیٰ کا نظریہ) مسلمانوں کی غالب اکثریت میں عقیدہ کے طور پر مانا جاتا ہے، لیکن جملہ مسلمانوں کا اس پر اجماع نہیں۔ متعدد علمائے تحقیق نے اس پر جرحیں کی ہیں۔“

لیکن وائے حسرت کہ دیباچہ لکھنے والے صاحب کو ان ”متعدد علمائے تحقیق“ میں فقط ابن حزم، ابن تیمیہ، شیخ محمد مخلوط مصری، عبید اللہ سندھی اور ابوالکلام آزاد جیسے آزاد منش افراد کے نام ہی ملے ان چار پانچ شخصیات کے لیے ”متعدد“ کا بھاری بھر کم لفظ استعمال کرنے کے بعد علامہ اقبال کا یہ شعر نقل کر دیا:

سہ مینا دول پاپے خدا کا نزول دیکھ۔۔۔ اب انتظار مہدی دیکھیں بھی چھوڑ دے اس کتاب کے چند نہایت ہی دلخراش قسم کے اقتباسات بھی ملاحظہ فرمائیے:

کتاب کے صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں:

”مُثْلَهُ قَعْدَہ والی حدیث گھڑ کر دین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک تو صائب بالقرون (جو قرآن سے ثابت ہے) دوسرا صائب بالحدیث (جو حدیث سے ثابت ہے)۔ پھر ان دونوں کے استخراج سے دین کے دو بچے اور پیدا ہو گئے صائب بالقیاس اور صائب بالاجماع۔“

ہر صاحب ایمان بخوبی جانتا ہے کہ علامہ عادی کی اس ہرزہ سرائی میں رائی کے دانے جتنی بھی حقیقت نہیں کہ ”مُثْلَهُ مَعَهُ والی حدیث کے ذریعے دین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔“ اس میں انہوں نے صرف حدیث رسول ﷺ کے خلاف محض اپنے بحث باطن کا اظہار کیا ہے۔ ان کا یہ جملہ ”ان دونوں (یعنی قرآن و حدیث) کے استخراج سے دین کے دو بچے اور پیدا ہو گئے۔“ واقعی چونکا دینے والا ہے، اور بالیقین ہر پڑھنے والے کو ورطہ حیرت میں ڈالے گا کیونکہ اس میں علامہ عادی نے اپنے بحث باطن کے اظہار کے لیے نہایت ہی گھٹیا انداز اور ناشائستہ زبان استعمال کی ہے۔ ان کی کتاب کے کچھ اور اقتباسات ہم ذیل میں

پیش کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کو اندازہ ہو جائے کہ حادثہ کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کرنے والوں کے دل میں حدیث رسول ﷺ اور اس کے پھیلائے والوں کے لیے کس قدر دیکھ نہ بغض بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۵۲ پر لکھتے ہیں:

”حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد اس ناپاک سازش (بجوال سابق دعوت عباسیہ کی سازش) کی رفتار تیز کی گئی۔ اور دوسری طرف ابن شہاب زہری کے ذریعے جمع حدیث کا کام شروع کیا گیا۔ اور قال اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قال رسول اللہ ﷺ کی آواز ہر طرف بلند کی جانے لگی اور ان کے

دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی اس میدان میں گھوڑے ڈال دیے۔“

ملاحظہ فرمائیے حدیث رسول ﷺ سے اتنی شدید نفرت کہ ہر وقت اس کا اظہار غیر مہذب طریقے سے ہی ہو رہا ہے۔ جمع حدیث کے کام پر تنقید کر کے فی الحقیقت جمع حدیث کے مبارک کام کو ایک ناپاک سازش کا شاخسانہ قرار دے دیا اور حدیث رسول ﷺ کے لیے عمداً ”قال رسول“ کی طرز یہ اصطلاح استعمال کر کے حکم نکلا حدیث رسول ﷺ سے دشمنی کا ثبوت بھی فراہم کر دیا۔

حدیث رسول کی مخالفت میں علامہ عادی کے نظریات سے آگاہ ہونے کے بعد اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق خصوصاً ان صحابہ کرام کے متعلق جنہوں نے نبی ﷺ سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں حدیثیں روایت کی ہیں، علامہ صاحب کا توہین آمیز رویہ ملاحظہ فرمائیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صفحہ ۱۸۸ پر بہت ہی طرز یہ لکھتے ہیں:

”ابو ہریرہؓ غزوہ خیبر سے کچھ عرصہ پہلے ۶ھ میں شرف باسلام ہوئے تھے۔ اور صرف پانچ برس یا دو ایک ماہ رسول اللہ ﷺ کے فیض محبت سے مستفیض ہوئے۔ مگر جو لوگ تیس ۲۳ سال تک برابر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ان میں سب سے زیادہ حدیثیں انہی کو یاد تھیں۔“

اور اسی سلسلہ کلام میں صفحہ ۱۹۰ پر لکھتے ہیں:

”نزول مسیح کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی ایک حدیث ہے جو فقط صحیح مسلم میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح جابر بن عبداللہ سے ایک حدیث منسوب کی گئی ہے۔ وہ بھی صرف صحیح مسلم میں ہے۔ اور ابو سربہ حذیفہ بن اسیدؓ سے بھی بواسطہ ابوالطفیلؓ کچھ حدیثیں ہیں جن میں صرف ایک حدیث ایک توحیل کے ساتھ ابوراؤدؓ میں ہے اور باقی دو حدیثیں محمد توحیلات مسلم میں ہیں۔ اور لو اس بن سمانؓ سے بھی کچھ حدیثیں چند توحیلات طرق ہیں۔“

گویا علامہ عادی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں صرف پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیثیں بیان کی ہیں اور راویوں کی یہ تعداد

بہت کم ہے۔ نبی ﷺ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے، اس مضمون کی احادیث روایت کرتے تب ان کو صحیح کہا جاسکتا تھا! صفحہ ۱۹ پر ان کی یادہ گوئی ملاحظہ ہو:

”احادیث کے ذریعے میں نے درمیان کے بہت سے لطائف چھوڑ دیے خصوصاً ابوبکرؓ اور عبداللہ بن عمر بن العاصؓ کے حقائق۔“

صفحہ ۲۰ پر صحابہ کو خود ساختہ شخصیت بنا دیتے ہیں:

”مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں کچھ حدیثیں نو اس بن سمان نام کے ایک خود ساختہ صحابی کی طرف منسوب کر کے روایت کی گئی ہیں۔“

صفحہ ۲۱ پر حدیث کے مقالے میں تاریخ پرانے ایمان کی گروہ اس طرح کھلتی ہے: ”حدیثوں کے سوا تاریخ کے کسی واقعہ میں کہیں نو اس بن سمان۔ سمان بن خالد کا نام نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ واقعی کوئی شخص ہوتے تو تاریخ کے کسی واقعہ میں تو کوئی ان کا ذکر کرتا۔“

صفحہ ۲۲ پر مزید فرماتے ہیں:

”حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ تو مشہور صحابہ ہیں۔ اس لئے تاریخ اسلام سے باخبر حضرات کم از کم ان بزرگوں کے ناموں سے ضرور واقف ہیں۔ مگر ابوسریحہ خدیفؓ سے اسید اور نو اس بن سمان کے ناموں سے بہت سے علماء بھی جو صرف کتب حدیث کے اول و آخر استاد کے سامنے پڑھ کر سند حدیث لے لیا کرتے ہیں، گننا جانتے ہوں گے۔“

صفحہ ۲۹ پر تابعین کو بھی پیچھا سننے سے انکار کر دیا ہے:

”ابو اہل اور زر بن حبیش (عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد) بھی وضامین کوفہ کے سن گزرتے تا بھی ہیں۔“

تعداد دیکھا آپ نے! تاریخ پر علامہ علامہ کی کتنا غلط ایمان ہے۔ وہ اسے کتب ہادی کی طرح مکمل اور نقائص سے پاک تصور کرتے ہیں۔ تاریخ کے کسی واقعہ میں اگر ایک صحابی کا ذکر نہ ہو تو علامہ کے نزدیک وہ خود ساختہ! ۱۹۱ فیاد پر تا بھی بھی من گھڑت ہے۔ اسے کہتے ہیں لاریب ایمان! تاریخ کے متعلق علامہ علامہ کی کا یہ غیر حوزہ لایقین زمین میں رکھتے ہوئے کتاب خدا کے صفحہ ۱۶۵ کی یہ طوفانی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

”جس حضرات کے نزدیک کتب احادیث آسانی صحیفے و راویان حدیث صحابہ کی فرشتے اور چالیسین حدیث سہلہ کی مثل انبیاء و مرسلین تھے وہ بھاری حق سے کیا مطمئن ہو سکتے ہیں۔“

کھلی انہی بنو وضع بسا لہ: ”برتن سے وہی چھلتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔“ منکرین حدیث کی کتب اسی قسم کی مغالطات سے بھری پڑی ہیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ حدیث نبوی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، راویان احادیث کے لیے اس قسم کی زبان استعمال کرتے ہیں اور دوسری طرف قرآن کی آیات کی غلط تشریحات کر کے احادیث کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں۔ ”وفات مسیح“ کا یہ موضوع اس کثرت سے دہرایا جا رہا ہے کہ عام لوگ انگی گمراہ کن باتوں سے متاثر ہونے لگے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ قرآن و حدیث کے حوالے سے اس موضوع پر کچھ تفصیل پیش کی جائے تاکہ حق واضح ہو جائے۔

اسی سلسلے میں کچھ عرصہ قبل منکرین حدیث کے ایک گروہ نے ایک کتاب ”معتقدہ خاتم النبیین ﷺ“ کے نام سے شائع کی ہے۔ جس کے مصنف محمد ہادی ہیں۔ یہ اسی گروہ کے ایک فرد ہیں جو تقریباً ۷۰ سال قبل مومنوں کی جماعت سے احمد بن حنبل کے دفاع میں علیحدہ ہوا تھا۔ اگرچہ انکی علیحدگی کی وجہ طاغوت کا دفاع تھا لیکن اب انکار قرآن و انکار حدیث کا زہر رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ اور اب وہ بڑے گروہ ہائے طاغوت میں شامل ہو کر کمراسی کے مشن میں سرگرم ہو گئے ہیں۔ مالک کائنات کی بات لاریب ہے، اس نے جو کچھ اپنی کتاب مقدس میں بیان کیا ہے وہ حرف برف چاہے۔ فرمایا گیا:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَزْوَاجُ الطَّالُوتِ بُعِثُوا لَهَا قُرُونٌ الثَّوْرِيُّ إِلَى الطَّالُوتِ
أُولَئِكَ أَصْحَابُ الثَّوْرِ فَهُنَا مَعْلُومٌ (الفرقہ ۲۵)

”اور جنہوں نے کفر کیا، انکے دوست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر

تاریکیوں میں لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔“

آج یہ گروہ قرآن کی اس آیت کی ذمہ دہ تفسیر بن گیا ہے۔ قرآن کا انکار کرتے ہوئے طاغوت کے دفاع میں مومنوں کی جماعت کو چھوڑا، پھر جادو کی احادیث کا انکار کرنے کے لیے قرآن کی آیات کا انکار کیا، تو اب کیوں نہ نہیں طاغوت ان کے دوست، جو ان کو ایمان کی روشنی سے نکال کر جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں لے گئے ہیں! ان کی اس کتاب کے مندرجات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوگا کہ شیطان نے انکو کتنی پستی میں لا کر پھینک دیا ہے۔ گویا قُلُوْهُمُ مَّوَدِعٌ ﴿۱﴾ فَكَادَهُمُ اللَّهُ مَصْرَعا۟ ۝۲۱ ان کے دلوں میں مرض تھا تو اللہ نے اس مرض کو اور بڑھا دیا۔“

جتنی تیزی سے ان کا یہ مرض بڑھ رہا ہے اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جلد ہی یہ گروہ انکار حدیث کے ضمن میں نشت نے گوشے تلاش کر لیا اور ہو سکتا ہے کہ عذاب قبر کے بارے میں بیان کردہ احادیث کا بھی انکار کر دے۔ پھر یہی

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ پر قرآن کی صورت میں جو وحی نازل ہوئی، مرزا غلام احمد نے اس کا کیا منہ کیا؟ قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر کس طرح اپنے مطلب کے الفاظ ان میں داخل کر دیے؟

سب سے بڑا جھوٹ

جب کوئی شخص بے بنیاد بات سنتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ لیکن اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہوگا کہ ماں تو دونوں پہلے فلسطین کے علاقے میں فوت ہوئی اور ماں کی وفات کے دو ہزار سال بعد اس کے بیٹے نے ہندوستان میں جنم لیا! اللہ کے آخری رسول ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی، اس میں تو یہ اصول بیان ہوا ہے:

إِنْ أَهْمُّهُنَّ إِلَّا الْآيَاتُ وَلَكِنْ هُنَّ وَأَهْلُهُنَّ يَكْفُلُونَ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا (الصافات: ۲۰)

”ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جتا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ

نہایت ہی ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔“

یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ انسان کی حقیقی ماں وہی ہوتی ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوتا ہے۔ دودھ پلانے والی عورت رضاعی ماں ہوتی ہے اور حقیقی ماں ہی کی طرح محترم۔ نیز قرابت کے لحاظ سے خالہ کا درجہ بھی ماں کے برابر ہی ہے لیکن کنیت کے لیے جس طرح حقیقی باپ کی نسبت ضروری ہے اسی طرح حقیقی ماں کی نسبت بھی لازمی ہے۔ ہر آدمی اس اصول سے بخوبی واقف ہے اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ابن مریم دنیا میں صرف ایک ہی شخص ہوا ہے جو مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ قرآن وحدیث میں جہاں کہیں ابن مریم کے نام سے کسی شخصیت کا ذکر کیا گیا ہے تو اس سے مراد صرف عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ لہذا مرزا غلام احمد کا یہ دعویٰ کہ ”اب وہ ابن مریم ہے“ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

”حضرت مسیح علیہ السلام کا وصال“ کے احمدی مؤلف نے اس کتاب کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے:

”ابن مریم عیسیٰ علیہ السلام کا ایک لقب اور نام تھا اور وہی لقب اور نام استعارۃ حضرت مسیح موعود (مرزا) کو دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ آپ (مرزا) میں عیسیٰ علیہ السلام کی صفات پائی جاتی ہیں اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اولیٰ مناسبت کی بنا پر بعض کو بعض کا نام دے دیا جاتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ”کفار مکہ حضور کو موعود کجہ کہ ابن ابی کعبہ کا لقب دیتے تھے۔“

اس سلسلے میں جواباً عرض ہے کہ ”ابن مریم“ عیسیٰ علیہ السلام کی ذات و کنیت ہے نہ لقب، بلکہ یہ آپ کا اسم گرامی یا اس کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مرضی ان کو پر دینا، تمنا عبادی و پیکر الہی کا حقیقی وارث بنادینا۔ العباد باللہ! فی الوقت تو یہ بتا دینی گروہ سے بھی آگے جا رہے ہیں۔

احمدی قادیانوں نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں آنے والی حدیثوں سے اپنے مطلب کا ایک آدھ لفظ چن کر یا ایک آدھ فقرہ سیاق و سباق سے الگ کر کے اس سے مرزا غلام احمد کو ”ظلی نبی“ اور ”مسیح موعود“ ثابت کرنے کی مہموشی کی ہے جبکہ تمنا عبادی و پیکر الہی نے اس ضمن میں آنے والی تمام احادیث پر اپنے خاص انداز سے طبع آزمائی کر کے انہیں یکسر مسترد کر دیا بلکہ اپنے زعم باطل میں ایک جست اور لگا کر محض تاریخی حوالہ جات سے قیام جائعین حدیث کو وضاع اور دودھ کو کثارت کر دکھایا! منکر حدیث محمد ہادی نے قرآن مجید کی آیات کی سن مانی تحریحات کر کے قادیانیوں کے مشن کی خوب آبیاری کی۔ ان تمام کتب کا ایک ہی مضمون میں رد کرتا اور ایک ایک نکتے کا جواب لکھتا تو ممکن نہیں البتہ موضوع کی مناسبت سے آئندہ صفحات میں بعض اہم نکات کی وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔

قادیانی اور منکرین حدیث ”رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام“ کے مکمل انکاری ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کتاب اللہ کے دیے ہوئے عقیدے کے مقابلے میں ”مسیح موعود“ کا ایک نیا عقیدہ لکھ کر اور خود کو مسیح موعود قرار دے ڈالا۔ بہر حال وفات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر یہ دونوں گمراہ گروہ مکمل طور پر متفق ہیں۔ اصل موضوع کی طرف آنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی دعوت کی ایک جھلک قارئین کے سامنے آ جائے۔

مرزا کا خود ساختہ الہام

پہلا الہام: اللہ فرماتا ہے ”مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وَتَمَّانٌ وَغَدَالِيهِ مَفْعُولًا وَأَلَّتْ مَعْنَى وَأَلَّتْ عَلَى الْحَقِّ الْمَسِينِ ۝

(بحرہ زلال ج ۱ ص ۱۵۸/۱۵۹/۱۶۰/۱۶۱/۱۶۲/۱۶۳/۱۶۴/۱۶۵/۱۶۶/۱۶۷/۱۶۸/۱۶۹/۱۷۰/۱۷۱/۱۷۲/۱۷۳/۱۷۴/۱۷۵/۱۷۶/۱۷۷/۱۷۸/۱۷۹/۱۸۰/۱۸۱/۱۸۲/۱۸۳/۱۸۴/۱۸۵/۱۸۶/۱۸۷/۱۸۸/۱۸۹/۱۹۰/۱۹۱/۱۹۲/۱۹۳/۱۹۴/۱۹۵/۱۹۶/۱۹۷/۱۹۸/۱۹۹/۲۰۰/۲۰۱/۲۰۲/۲۰۳/۲۰۴/۲۰۵/۲۰۶/۲۰۷/۲۰۸/۲۰۹/۲۱۰/۲۱۱/۲۱۲/۲۱۳/۲۱۴/۲۱۵/۲۱۶/۲۱۷/۲۱۸/۲۱۹/۲۲۰/۲۲۱/۲۲۲/۲۲۳/۲۲۴/۲۲۵/۲۲۶/۲۲۷/۲۲۸/۲۲۹/۲۳۰/۲۳۱/۲۳۲/۲۳۳/۲۳۴/۲۳۵/۲۳۶/۲۳۷/۲۳۸/۲۳۹/۲۴۰/۲۴۱/۲۴۲/۲۴۳/۲۴۴/۲۴۵/۲۴۶/۲۴۷/۲۴۸/۲۴۹/۲۵۰/۲۵۱/۲۵۲/۲۵۳/۲۵۴/۲۵۵/۲۵۶/۲۵۷/۲۵۸/۲۵۹/۲۶۰/۲۶۱/۲۶۲/۲۶۳/۲۶۴/۲۶۵/۲۶۶/۲۶۷/۲۶۸/۲۶۹/۲۷۰/۲۷۱/۲۷۲/۲۷۳/۲۷۴/۲۷۵/۲۷۶/۲۷۷/۲۷۸/۲۷۹/۲۸۰/۲۸۱/۲۸۲/۲۸۳/۲۸۴/۲۸۵/۲۸۶/۲۸۷/۲۸۸/۲۸۹/۲۹۰/۲۹۱/۲۹۲/۲۹۳/۲۹۴/۲۹۵/۲۹۶/۲۹۷/۲۹۸/۲۹۹/۳۰۰/۳۰۱/۳۰۲/۳۰۳/۳۰۴/۳۰۵/۳۰۶/۳۰۷/۳۰۸/۳۰۹/۳۱۰/۳۱۱/۳۱۲/۳۱۳/۳۱۴/۳۱۵/۳۱۶/۳۱۷/۳۱۸/۳۱۹/۳۲۰/۳۲۱/۳۲۲/۳۲۳/۳۲۴/۳۲۵/۳۲۶/۳۲۷/۳۲۸/۳۲۹/۳۳۰/۳۳۱/۳۳۲/۳۳۳/۳۳۴/۳۳۵/۳۳۶/۳۳۷/۳۳۸/۳۳۹/۳۴۰/۳۴۱/۳۴۲/۳۴۳/۳۴۴/۳۴۵/۳۴۶/۳۴۷/۳۴۸/۳۴۹/۳۵۰/۳۵۱/۳۵۲/۳۵۳/۳۵۴/۳۵۵/۳۵۶/۳۵۷/۳۵۸/۳۵۹/۳۶۰/۳۶۱/۳۶۲/۳۶۳/۳۶۴/۳۶۵/۳۶۶/۳۶۷/۳۶۸/۳۶۹/۳۷۰/۳۷۱/۳۷۲/۳۷۳/۳۷۴/۳۷۵/۳۷۶/۳۷۷/۳۷۸/۳۷۹/۳۸۰/۳۸۱/۳۸۲/۳۸۳/۳۸۴/۳۸۵/۳۸۶/۳۸۷/۳۸۸/۳۸۹/۳۹۰/۳۹۱/۳۹۲/۳۹۳/۳۹۴/۳۹۵/۳۹۶/۳۹۷/۳۹۸/۳۹۹/۴۰۰/۴۰۱/۴۰۲/۴۰۳/۴۰۴/۴۰۵/۴۰۶/۴۰۷/۴۰۸/۴۰۹/۴۱۰/۴۱۱/۴۱۲/۴۱۳/۴۱۴/۴۱۵/۴۱۶/۴۱۷/۴۱۸/۴۱۹/۴۲۰/۴۲۱/۴۲۲/۴۲۳/۴۲۴/۴۲۵/۴۲۶/۴۲۷/۴۲۸/۴۲۹/۴۳۰/۴۳۱/۴۳۲/۴۳۳/۴۳۴/۴۳۵/۴۳۶/۴۳۷/۴۳۸/۴۳۹/۴۴۰/۴۴۱/۴۴۲/۴۴۳/۴۴۴/۴۴۵/۴۴۶/۴۴۷/۴۴۸/۴۴۹/۴۵۰/۴۵۱/۴۵۲/۴۵۳/۴۵۴/۴۵۵/۴۵۶/۴۵۷/۴۵۸/۴۵۹/۴۶۰/۴۶۱/۴۶۲/۴۶۳/۴۶۴/۴۶۵/۴۶۶/۴۶۷/۴۶۸/۴۶۹/۴۷۰/۴۷۱/۴۷۲/۴۷۳/۴۷۴/۴۷۵/۴۷۶/۴۷۷/۴۷۸/۴۷۹/۴۸۰/۴۸۱/۴۸۲/۴۸۳/۴۸۴/۴۸۵/۴۸۶/۴۸۷/۴۸۸/۴۸۹/۴۹۰/۴۹۱/۴۹۲/۴۹۳/۴۹۴/۴۹۵/۴۹۶/۴۹۷/۴۹۸/۴۹۹/۵۰۰/۵۰۱/۵۰۲/۵۰۳/۵۰۴/۵۰۵/۵۰۶/۵۰۷/۵۰۸/۵۰۹/۵۱۰/۵۱۱/۵۱۲/۵۱۳/۵۱۴/۵۱۵/۵۱۶/۵۱۷/۵۱۸/۵۱۹/۵۲۰/۵۲۱/۵۲۲/۵۲۳/۵۲۴/۵۲۵/۵۲۶/۵۲۷/۵۲۸/۵۲۹/۵۳۰/۵۳۱/۵۳۲/۵۳۳/۵۳۴/۵۳۵/۵۳۶/۵۳۷/۵۳۸/۵۳۹/۵۴۰/۵۴۱/۵۴۲/۵۴۳/۵۴۴/۵۴۵/۵۴۶/۵۴۷/۵۴۸/۵۴۹/۵۵۰/۵۵۱/۵۵۲/۵۵۳/۵۵۴/۵۵۵/۵۵۶/۵۵۷/۵۵۸/۵۵۹/۵۶۰/۵۶۱/۵۶۲/۵۶۳/۵۶۴/۵۶۵/۵۶۶/۵۶۷/۵۶۸/۵۶۹/۵۷۰/۵۷۱/۵۷۲/۵۷۳/۵۷۴/۵۷۵/۵۷۶/۵۷۷/۵۷۸/۵۷۹/۵۸۰/۵۸۱/۵۸۲/۵۸۳/۵۸۴/۵۸۵/۵۸۶/۵۸۷/۵۸۸/۵۸۹/۵۹۰/۵۹۱/۵۹۲/۵۹۳/۵۹۴/۵۹۵/۵۹۶/۵۹۷/۵۹۸/۵۹۹/۶۰۰/۶۰۱/۶۰۲/۶۰۳/۶۰۴/۶۰۵/۶۰۶/۶۰۷/۶۰۸/۶۰۹/۶۱۰/۶۱۱/۶۱۲/۶۱۳/۶۱۴/۶۱۵/۶۱۶/۶۱۷/۶۱۸/۶۱۹/۶۲۰/۶۲۱/۶۲۲/۶۲۳/۶۲۴/۶۲۵/۶۲۶/۶۲۷/۶۲۸/۶۲۹/۶۳۰/۶۳۱/۶۳۲/۶۳۳/۶۳۴/۶۳۵/۶۳۶/۶۳۷/۶۳۸/۶۳۹/۶۴۰/۶۴۱/۶۴۲/۶۴۳/۶۴۴/۶۴۵/۶۴۶/۶۴۷/۶۴۸/۶۴۹/۶۵۰/۶۵۱/۶۵۲/۶۵۳/۶۵۴/۶۵۵/۶۵۶/۶۵۷/۶۵۸/۶۵۹/۶۶۰/۶۶۱/۶۶۲/۶۶۳/۶۶۴/۶۶۵/۶۶۶/۶۶۷/۶۶۸/۶۶۹/۶۷۰/۶۷۱/۶۷۲/۶۷۳/۶۷۴/۶۷۵/۶۷۶/۶۷۷/۶۷۸/۶۷۹/۶۸۰/۶۸۱/۶۸۲/۶۸۳/۶۸۴/۶۸۵/۶۸۶/۶۸۷/۶۸۸/۶۸۹/۶۹۰/۶۹۱/۶۹۲/۶۹۳/۶۹۴/۶۹۵/۶۹۶/۶۹۷/۶۹۸/۶۹۹/۷۰۰/۷۰۱/۷۰۲/۷۰۳/۷۰۴/۷۰۵/۷۰۶/۷۰۷/۷۰۸/۷۰۹/۷۱۰/۷۱۱/۷۱۲/۷۱۳/۷۱۴/۷۱۵/۷۱۶/۷۱۷/۷۱۸/۷۱۹/۷۲۰/۷۲۱/۷۲۲/۷۲۳/۷۲۴/۷۲۵/۷۲۶/۷۲۷/۷۲۸/۷۲۹/۷۳۰/۷۳۱/۷۳۲/۷۳۳/۷۳۴/۷۳۵/۷۳۶/۷۳۷/۷۳۸/۷۳۹/۷۴۰/۷۴۱/۷۴۲/۷۴۳/۷۴۴/۷۴۵/۷۴۶/۷۴۷/۷۴۸/۷۴۹/۷۵۰/۷۵۱/۷۵۲/۷۵۳/۷۵۴/۷۵۵/۷۵۶/۷۵۷/۷۵۸/۷۵۹/۷۶۰/۷۶۱/۷۶۲/۷۶۳/۷۶۴/۷۶۵/۷۶۶/۷۶۷/۷۶۸/۷۶۹/۷۷۰/۷۷۱/۷۷۲/۷۷۳/۷۷۴/۷۷۵/۷۷۶/۷۷۷/۷۷۸/۷۷۹/۷۸۰/۷۸۱/۷۸۲/۷۸۳/۷۸۴/۷۸۵/۷۸۶/۷۸۷/۷۸۸/۷۸۹/۷۹۰/۷۹۱/۷۹۲/۷۹۳/۷۹۴/۷۹۵/۷۹۶/۷۹۷/۷۹۸/۷۹۹/۸۰۰/۸۰۱/۸۰۲/۸۰۳/۸۰۴/۸۰۵/۸۰۶/۸۰۷/۸۰۸/۸۰۹/۸۱۰/۸۱۱/۸۱۲/۸۱۳/۸۱۴/۸۱۵/۸۱۶/۸۱۷/۸۱۸/۸۱۹/۸۲۰/۸۲۱/۸۲۲/۸۲۳/۸۲۴/۸۲۵/۸۲۶/۸۲۷/۸۲۸/۸۲۹/۸۳۰/۸۳۱/۸۳۲/۸۳۳/۸۳۴/۸۳۵/۸۳۶/۸۳۷/۸۳۸/۸۳۹/۸۴۰/۸۴۱/۸۴۲/۸۴۳/۸۴۴/۸۴۵/۸۴۶/۸۴۷/۸۴۸/۸۴۹/۸۵۰/۸۵۱/۸۵۲/۸۵۳/۸۵۴/۸۵۵/۸۵۶/۸۵۷/۸۵۸/۸۵۹/۸۶۰/۸۶۱/۸۶۲/۸۶۳/۸۶۴/۸۶۵/۸۶۶/۸۶۷/۸۶۸/۸۶۹/۸۷۰/۸۷۱/۸۷۲/۸۷۳/۸۷۴/۸۷۵/۸۷۶/۸۷۷/۸۷۸/۸۷۹/۸۸۰/۸۸۱/۸۸۲/۸۸۳/۸۸۴/۸۸۵/۸۸۶/۸۸۷/۸۸۸/۸۸۹/۸۹۰/۸۹۱/۸۹۲/۸۹۳/۸۹۴/۸۹۵/۸۹۶/۸۹۷/۸۹۸/۸۹۹/۹۰۰/۹۰۱/۹۰۲/۹۰۳/۹۰۴/۹۰۵/۹۰۶/۹۰۷/۹۰۸/۹۰۹/۹۱۰/۹۱۱/۹۱۲/۹۱۳/۹۱۴/۹۱۵/۹۱۶/۹۱۷/۹۱۸/۹۱۹/۹۲۰/۹۲۱/۹۲۲/۹۲۳/۹۲۴/۹۲۵/۹۲۶/۹۲۷/۹۲۸/۹۲۹/۹۳۰/۹۳۱/۹۳۲/۹۳۳/۹۳۴/۹۳۵/۹۳۶/۹۳۷/۹۳۸/۹۳۹/۹۴۰/۹۴۱/۹۴۲/۹۴۳/۹۴۴/۹۴۵/۹۴۶/۹۴۷/۹۴۸/۹۴۹/۹۵۰/۹۵۱/۹۵۲/۹۵۳/۹۵۴/۹۵۵/۹۵۶/۹۵۷/۹۵۸/۹۵۹/۹۶۰/۹۶۱/۹۶۲/۹۶۳/۹۶۴/۹۶۵/۹۶۶/۹۶۷/۹۶۸/۹۶۹/۹۷۰/۹۷۱/۹۷۲/۹۷۳/۹۷۴/۹۷۵/۹۷۶/۹۷۷/۹۷۸/۹۷۹/۹۸۰/۹۸۱/۹۸۲/۹۸۳/۹۸۴/۹۸۵/۹۸۶/۹۸۷/۹۸۸/۹۸۹/۹۹۰/۹۹۱/۹۹۲/۹۹۳/۹۹۴/۹۹۵/۹۹۶/۹۹۷/۹۹۸/۹۹۹/۱۰۰۰/۱۰۰۱/۱۰۰۲/۱۰۰۳/۱۰۰۴/۱۰۰۵/۱۰۰۶/۱۰۰۷/۱۰۰۸/۱۰۰۹/۱۰۱۰/۱۰۱۱/۱۰۱۲/۱۰۱۳/۱۰۱۴/۱۰۱۵/۱۰۱۶/۱۰۱۷/۱۰۱۸/۱۰۱۹/۱۰۲۰/۱۰۲۱/۱۰۲۲/۱۰۲۳/۱۰۲۴/۱۰۲۵/۱۰۲۶/۱۰۲۷/۱۰۲۸/۱۰۲۹/۱۰۳۰/۱۰۳۱/۱۰۳۲/۱۰۳۳/۱۰۳۴/۱۰۳۵/۱۰۳۶/۱۰۳۷/۱۰۳۸/۱۰۳۹/۱۰۴۰/۱۰۴۱/۱۰۴۲/۱۰۴۳/۱۰۴۴/۱۰۴۵/۱۰۴۶/۱۰۴۷/۱۰۴۸/۱۰۴۹/۱۰۵۰/۱۰۵۱/۱۰۵۲/۱۰۵۳/۱۰۵۴/۱۰۵۵/۱۰۵۶/۱۰۵۷/۱۰۵۸/۱۰۵۹/۱۰۶۰/۱۰۶۱/۱۰۶۲/۱۰۶۳/۱۰۶۴/۱۰۶۵/۱۰۶۶/۱۰۶۷/۱۰۶۸/۱۰۶۹/۱۰۷۰/۱۰۷۱/۱۰۷۲/۱۰۷۳/۱۰۷۴/۱۰۷۵/۱۰۷۶/۱۰۷۷/۱۰۷۸/۱۰۷۹/۱۰۸۰/۱۰۸۱/۱۰۸۲/۱۰۸۳/۱۰۸۴/۱۰۸۵/۱۰۸۶/۱۰۸۷/۱۰۸۸/۱۰۸۹/۱۰۹۰/۱۰۹۱/۱۰۹۲/۱۰۹۳/۱۰۹۴/۱۰۹۵/۱۰۹۶/۱۰۹۷/۱۰۹۸/۱۰۹۹/۱۱۰۰/۱۱۰۱/۱۱۰۲/۱۱۰۳/۱۱۰۴/۱۱۰۵/۱۱۰۶/۱۱۰۷/۱۱۰۸/۱۱۰۹/۱۱۱۰/۱۱۱۱/۱۱۱۲/۱۱۱۳/۱۱۱۴/۱۱۱۵/۱۱۱۶/۱۱۱۷/۱۱۱۸/۱۱۱۹/۱۱۲۰/۱۱۲۱/۱۱۲۲/۱۱۲۳/۱۱۲۴/۱۱۲۵/۱۱۲۶/۱۱۲۷/۱۱۲۸/۱۱۲۹/۱۱۳۰/۱۱۳۱/۱۱۳۲/۱۱۳۳/۱۱۳۴/۱۱۳۵/۱۱۳۶/۱۱۳۷/۱۱۳۸/۱۱۳۹/۱۱۴۰/۱۱۴۱/۱۱۴۲/۱۱۴۳/۱۱۴۴/۱۱۴۵/۱۱۴۶/۱۱۴۷/۱۱۴۸/۱۱۴۹/۱۱۵۰/۱۱۵۱/۱۱۵۲/۱۱۵۳/۱۱۵۴/۱۱۵۵/۱۱۵۶/۱۱۵۷/۱۱۵۸/۱۱۵۹/۱۱۶۰/۱۱۶۱/۱۱۶۲/۱۱۶۳/۱۱۶۴/۱۱۶۵/۱۱۶۶/۱۱۶۷/۱۱۶۸/۱۱۶۹/۱۱۷۰/۱۱۷۱/۱۱۷۲/۱۱۷۳/۱۱۷۴/۱۱۷۵/۱۱۷۶/۱۱۷۷/۱۱۷۸/۱۱۷۹/۱۱۸۰/۱۱۸۱/۱۱۸۲/۱۱۸۳/۱۱۸۴/۱۱۸۵/۱۱۸۶/۱۱۸۷/۱۱۸۸/۱۱۸۹/۱۱۹۰/۱۱۹۱/۱۱۹۲/۱۱۹۳/۱۱۹۴/۱۱۹۵/۱۱۹۶/۱۱۹۷/۱۱۹۸/۱۱۹۹/۱۲۰۰/۱۲۰۱/۱۲۰۲/۱۲۰۳/۱۲۰۴/۱۲۰۵/۱۲۰۶/۱۲۰۷/۱۲۰۸/۱۲۰۹/۱۲۱۰/۱۲۱۱/۱۲۱۲/۱۲۱۳/۱۲۱۴/۱۲۱۵/۱۲۱۶/۱۲۱۷/۱۲۱۸/۱۲۱۹/۱۲۲۰/۱۲۲۱/۱۲۲۲/۱۲۲۳/۱۲۲۴/۱۲۲۵/۱۲۲۶/۱۲۲۷/۱۲۲۸/۱۲۲۹/۱۲۳۰/۱۲۳۱/۱۲۳۲/۱۲۳۳/۱۲۳۴/۱۲۳۵/۱۲۳۶/۱۲۳۷/۱۲۳۸/۱۲۳۹/۱۲۴۰/۱۲۴۱/۱۲۴۲/۱۲۴۳/۱۲۴۴/۱۲۴۵/۱۲۴۶/۱۲۴۷/۱۲۴۸/۱۲۴۹/۱۲۵۰/۱۲۵۱/۱۲۵۲/۱۲۵۳/۱۲۵۴/۱۲۵۵/۱۲۵۶/۱۲۵۷/۱۲۵۸/۱۲۵۹/۱۲۶۰/۱۲۶۱/۱۲۶۲/۱۲۶۳/۱۲۶۴/۱۲۶۵/۱۲۶۶/۱۲۶۷/۱۲۶۸/۱۲۶۹/۱۲۷۰/۱۲۷۱/۱۲۷۲/۱۲۷۳/۱۲۷۴/۱۲۷۵/۱۲۷۶/۱۲۷۷/۱۲۷۸/۱۲۷۹/۱۲۸۰/۱۲۸۱/۱۲۸۲/۱۲۸۳/۱۲۸۴/۱۲۸۵/۱۲۸۶/۱۲۸۷/۱۲۸۸/۱۲۸۹/۱۲۹۰/۱۲۹۱/۱۲۹۲/۱۲۹۳/۱۲۹۴/۱۲۹۵/۱۲۹۶/۱۲۹۷/۱۲۹۸/۱۲۹۹/۱۳۰۰/۱۳۰۱/۱۳۰۲/۱۳۰۳/۱۳۰۴/۱۳۰۵/۱۳۰۶/۱۳۰۷/۱۳۰۸/۱۳۰۹/۱۳۱۰/۱۳۱۱/۱۳۱۲/۱۳۱۳/۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷/۱۳۱۸/۱۳۱۹/۱۳۲۰/۱۳۲۱/۱۳۲۲/۱۳۲۳/۱۳۲۴/۱۳۲۵/۱۳۲۶/۱۳۲۷/۱۳۲۸/۱۳۲۹/۱۳۳۰/۱۳۳۱/۱۳۳۲/۱۳۳۳/۱۳۳۴/۱۳۳۵/۱۳۳۶/۱۳۳۷/۱۳۳۸/۱۳۳۹/۱۳۴۰/۱۳۴۱/۱۳۴۲/۱۳۴۳/۱۳۴۴/۱۳۴۵/۱۳۴۶/۱۳۴۷/۱۳۴۸/۱۳۴۹/۱۳۵۰/۱۳۵۱/۱۳۵۲/۱۳۵۳/۱۳۵۴/۱۳۵۵/۱۳۵۶/۱۳۵۷/۱۳۵۸/۱۳۵۹/۱۳۶۰/۱۳۶۱/۱۳۶۲/۱۳۶۳/۱۳۶۴/۱۳۶۵/۱۳۶۶/۱۳۶۷/۱۳۶۸/۱۳۶۹/۱۳۷۰/۱۳۷۱/۱۳۷۲/۱۳۷۳/۱۳۷۴/۱۳۷۵/۱۳۷۶/۱۳۷۷/۱۳۷۸/۱۳۷۹/۱۳۸۰/۱۳۸۱/۱۳۸۲/۱۳۸۳/۱۳۸۴/۱۳۸۵/۱۳۸۶/۱۳۸۷/۱۳۸۸/۱۳۸۹/۱۳۹۰/۱۳۹۱/۱۳۹۲/۱۳۹۳/۱۳۹۴/۱۳۹۵/۱۳۹۶/۱۳۹۷/۱۳۹۸/۱۳۹۹/۱۴۰۰/۱۴۰۱/۱۴۰۲/۱۴۰۳/۱۴۰۴/۱۴۰۵/۱۴۰۶/۱۴۰۷/۱۴۰۸/۱۴۰۹/۱۴۱۰/۱۴۱۱/۱۴۱۲/۱۴۱۳/۱۴۱۴/۱۴۱۵/۱۴۱۶/۱۴۱۷/۱۴۱۸/۱۴۱۹/۱۴۲۰/۱۴۲۱/۱۴۲۲/۱۴۲۳/۱۴۲۴/۱۴۲۵/۱۴۲۶/۱۴۲۷/۱۴۲۸/۱۴۲۹/۱۴۳۰/۱۴۳۱/۱۴۳۲/۱۴۳۳/۱۴۳۴/۱۴۳۵/۱۴۳۶/۱۴۳۷/۱۴۳۸/۱۴۳۹/۱۴۴۰/۱۴۴۱/۱۴۴۲/۱۴۴۳/۱۴۴۴/۱۴۴۵/۱۴۴۶/۱۴۴۷/۱۴۴۸/۱۴۴۹/۱۴۵۰/۱۴۵۱/۱۴۵۲/۱۴۵۳/۱۴۵۴/۱۴۵۵/۱۴۵۶/۱۴۵۷/۱۴۵۸/۱۴۵۹/۱۴۶۰/۱۴۶۱/۱۴۶۲/۱۴۶۳/۱۴۶۴/۱۴۶۵/۱۴۶۶/۱۴۶۷/۱۴۶۸/۱۴۶۹/۱۴۷۰/۱۴۷۱/۱۴۷۲/۱۴۷۳/۱۴۷۴/۱۴۷۵/۱۴۷۶/۱۴۷۷/۱۴۷۸/۱۴۷۹/۱۴۸۰/۱۴۸۱/۱۴۸۲/۱۴۸۳/۱۴۸۴/۱۴۸۵/۱۴۸۶/۱۴۸۷/۱۴۸۸/۱۴۸۹/۱۴۹۰/۱۴۹۱/۱۴۹۲/۱۴۹۳/۱۴۹۴/۱۴۹۵/۱۴۹۶/۱۴۹۷/۱۴۹۸/۱۴۹۹/۱۵۰۰/۱۵۰

لَا تَقَاتِلُوا النَّاسَ حَتَّى يَكُونَ الْإِسْلَامُ عَلَيْهِمْ وَنُفُذَ الْيَسْبِ عَلَيْهِمْ وَعَلَى النَّاسِ

مَرْيَمَةُ ابْنِ مَرْيَمَ ۝ ۳۵

”اور جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اے مریم اللہ تمہیں بتا رہا ہے کہ ایک کھڑکی اپنی طرف سے جس کا نام سج یعنی ابن مریم ہوگا۔“

جیسی عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ جن کے نزول کا مکمل بیان قرآن و حدیث میں ملتا ہے۔ نزول کی اکثر احادیث میں ”ابن مریم“ بیان کیا گیا ہے جسکی وجہ سے مرزا نے ایک ”نئے ابن مریم“ کا عقیدہ کشید کر لیا۔ حالانکہ وہ شخصیت جو نازل ہونے والی ہے اس کے لیے واضح طور پر ”عیسیٰ ابن مریم“ کا نام بھی استعمال کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَرَأَى طَائِفَةً مِنْ أُمَّتِي يَقَاتِلُونِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ

الْحِسَابَةِ، فَيَقَاتِلُونِي عَيْنِي ابْنُ مَرْيَمَ

(مسلم، کتاب الامان، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر مثال کرتا رہے گا اور وہ قیامت تک حق پر غالب رہیں گے۔ پھر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔“

واضح ہوا کہ ”ابن مریم“ سے مراد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہی ہیں، انکی جگہ کوئی نیا یا جعلی ابن مریم نہیں۔

یہ قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ مرزا میں عیسیٰ علیہ السلام کی صفات پائی جاتی ہیں اس وجہ سے مرزا کو استعاراً ابن مریم کہا گیا ہے۔ کوئی ان افترا پردازوں سے پوچھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی صفت مرزا میں پائی جاتی ہے؟ کیا وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا؟ کیا اس نے گوارے میں لوگوں سے باتیں کیں؟ کیا وہ کوڑھ کے مریضوں کو صحیح کر دیتا تھا؟..... عیسیٰ علیہ السلام کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہیں، کوئی ایک صفت تو بتا دو جو اس نبوت کے تھوٹنے والی میں ہو؟ ساری دنیا نے اب تک یقینی طور پر اس بات کا مشاہدہ کر لیا ہے کہ اصلی ابن مریم اور جعلی ابن مریم میں ادنیٰ سی مناسبت بھی نہیں۔

گفاد کہ نبی ﷺ کو اگر ”ابن ابی کبشہ“ کہتے تھے تو کسی صفت ”عربی قاعدہ کے لحاظ سے نہیں، بلکہ تعصب کی بنا پر کہتے تھے۔ اسی طرح ہر قتل کے دربار میں ابوسفیانؑ نے آپ ﷺ کو ”ابن ابی کبشہ“ کے لقب سے یاد کیا تو اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ اس وقت تک ابوسفیانؑ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ابوسفیانؑ نے کبھی بھی آپ ﷺ کو اس کنیت سے مخاطب نہیں کیا۔ لہذا مرزا غلام احمد کو ابن مریم کی کنیت سے مخاطب کرنا عین جہالت اور قریب کاری ہے۔

شیطانی وحی

احمدیوں کی کتابوں میں یہ افترا پردازی کی گئی ہے کہ مرزا غلام احمد کو یہ ساری باتیں (یعنی ابن مریم کا فوت ہونا اور ان کی جگہ مرزا صاحب کو ابن مریم کے سرے پر فائز کرنا) اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام وحی بتائی ہیں۔ جھوٹے الہامات کا یہ سلسلہ اسی وجہ سے شروع ہوا کہ ان کے پاس اس کی بابت قرآن و حدیث سے کوئی واضح دلیل تھی ہی نہیں۔ اور پھر یہ کہ ابن مہیاء، اسودہی و اور مسلمانہ کذاب سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک اور ان کے بعد ماضی قریب کے ایک مدعی نبوت یوسف کذاب تک تمام جھوٹے نبیوں نے یہی دعویٰ تو کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں وحی کے ذریعے منصب نبوت عطا کیا گیا ہے۔ اب اگر ہر منچلے اور سر پھرے کی دعوت پر یقین کر لیا جائے تو نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا سلسلہ تو کبھی ختم ہونے میں نہ آئے گا! اللہ کے آخری رسول ﷺ آچکے، آخری آسمانی کتاب نازل ہو چکی، دین مکمل ہو چکا۔ اس لیے سکر راجے وحی کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی مقصد۔ اس کے باوجود بھی مرزا صاحب نے دعویٰ کر ہی دیا ہے تو پھر کہنا پڑے گا کہ یہ رحمانی وحی ہرگز تمہیں، شیطانی وحی ہے۔ کیونکہ شیطان بھی اپنے دوستوں کو وحی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلَّ الشَّيْطَانِ يُوْحِي إِلَىٰ أَتْلَٰفِهِمْ (الانعام: ۱۱۱)

”اور بے شک شیطان اپنے ساتھیوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔“

رحمانی وحی

سورۃ الانعام کی درج بالا آیت سے ثابت ہوا کہ شیطانی وحی ہر وقت جاری و ساری ہے۔ اس کے برعکس رحمانی وحی موقوف ہو چکی ہے جس کی مندرجہ ذیل احادیث سے مکمل وضاحت ہو جاتی ہے:

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مُعَذِّفُونَ، فَإِنْ نَكَحَ فِيْ أُمَّتِيْ أَحَدًا فَإِنَّهُ عُصْرُ

(بخاری - فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطابؓ)

”تم سے پہلے انبیاء میں محدث ہوا کرتے تھے میری امت میں کوئی ایسا

ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔“ (محدث کی تخریج اگلی روایات میں آرہی ہے)

ابو ہریرہؓ سے مروی دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِيْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ رَجَالٌ يُكَلِّمُونَ

مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ ، فَإِنْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعَمْرُ
 (بخاری: فضائل الصحابة النسخة، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)
 ”تم سے پہلے بنی اسرائیل میں سے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان سے کلام کیا
 جاتا تھا حالانکہ وہ نبی نہ تھے۔ میری امت میں اس طرح کا کوئی آدمی ہوتا تو
 تو عمر ہوتا۔“

صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 قَدْ كَانَ يَكُونُ فِي الْأُمَمِ فَبَلَّغْتُمْ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي
 مِنْهُمْ أَحَدٌ ، فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مِنْهُمْ . قَالَ ابْنُ وَهْبٍ :
 تَفْسِيرُ مُحَدَّثُونَ فَبَلَّغْتُمْ (مسلم: کتاب الفضائل، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)
 ”تم سے پہلے امتوں میں بھرتے ہو گئے تھے میری امت میں اگر کوئی ایسا
 شخص ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتا۔ اس حدیث کے راوی ابن وہب نے
 حدیث میں مذکور لفظ محدثوں کی تفسیر میں کہا، مبلغون (یعنی بنو کلابم کہ جاتا تھا)
 مذکورہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکاف الفاظ میں یہ دیا کہ اگر میری
 امت میں کسی فرد کو یہ اعزاز حاصل ہوتا کہ فرشتے اس سے باتیں کرتے یا انہیں
 الہام ہوتا تو وہ صرف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔ گویا بقیہ ساری امت میں کسی
 دوسرے فرد کو یہ اعزاز حاصل نہ ہوگا۔

یہاں قارئین کے ذہن میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ پر وحی آتی
 تھی یا انہیں الہام ہوتا تھا؟ تو اس کے جواب میں بخاری کی روایت ملاحظہ فرمائیے:
 أَنَّ (عَنْدَ اللَّهِ بْنِ الْحُبَابِ) قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ يَقُولُ :
 إِنَّ أَنَسًا كَانَ يُخَذِّلُنِي بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَإِنَّ
 الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ ، وَأَنَا نَأْخُذُكُمْ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ
 أَحْمَالِكُمْ ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمْثَلًا وَقَرِينًا ، وَلَيْسَ الْبَيْنَا مِنْ
 سِرِّيرَتِهِ شَيْءٌ ، اللَّهُ يَخَاصِبُ فِي سِرِّيرَتِهِ ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سَوَاءً
 لَمْ نَأْمَنَهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ ، وَإِنْ قَالَ : إِنَّ سِرِّيرَتَهُ حَسَنَةٌ
 (بخاری: کتاب الشهادة، باب الشهادة العدول)
 ”عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی کی بنا پر بعض لوگوں کا
 مواخذہ ہو جاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے (کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
 وفات ہو چکی ہے)۔ اب ہم تم کو تمہارے ظاہری اعمال پر پکڑیں گے جو شخص
 ظاہر میں نیک کام کرے گا اسی پر ہم اعتماد کریں گے اور اسی کو دوست بنائیں
 گے اس کے باطن سے ہمیں کوئی سرکار نہیں۔ اور جو ظاہر میں برے کام
 کرے گا ہم نہ تو اس پر غور نہ کریں گے اور نہ اسے چا سمجھیں گے۔ اگرچہ وہ
 لاکھ دھوکے کرے کہ میرا باطن اچھا ہے۔“

اس روایت کے متن میں عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ مسئلہ زیر بحث میں فیصلہ کی
 حیثیت رکھتے ہیں: آپ نے فرمایا اِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ ”وحی کا سلسلہ منقطع
 ہو چکا ہے۔“ ثابت ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جملہ فضائل کے باوجود وحی یا الہام کی
 سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہاں ساری صفات النجیب کے الہام والا واقعہ جو
 ان سے منسوب ہے، واقعی اور جھوٹا ہے۔

یہاں دو حدیث بھی پیش نظر رہے جس کے مطابق ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما
 ایک دفعہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ملے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر وہ رونے لگیں
 اور اپنے رونے کا سبب یہ بتایا کہ اِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کی وفات کے بعد آسمان سے وحی کا آؤ بند ہو گیا۔) مسلم کتاب العدل، باب مناقب عمر بن الخطاب
 مذکورہ بالا احادیث کے الفاظ یککلموں اور محدثوں تقریباً ہم معنی ہی
 ہیں۔ قرآن سے بھی یہ ثابت ہے کہ مریم صدیقہ سے فرشتوں نے باتیں کیں۔
 قرآن میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ام موسیٰ کی جانب اللہ نے وحی بھیجی اور انہیں
 حکم دیا کہ اس بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو صندوق میں ڈال دیں، اسی طرح شہد کی
 مکھی کی طرف وحی کیے جانے کا بیان بھی قرآن میں موجود ہے۔ ایک الہام جو
 عام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ یہ ہے:

فَالْتَمِهْهُنَّ أَفْجُورَهُنَّ وَتَقُونَهُنَّ (النسہ)

”پھر الہام کر دی اس پر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری“

اس الہام کے علاوہ کبھی کبھار کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے
 انسان کے ذہن میں کوئی خیال ڈال دیا جاتا ہے۔ کبھی وہ خیال درست بھی ثابت
 ہو جاتا ہے لیکن اس خیال کو وحی جیسا نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ اس کے عملی نتیجہ ثابت
 ہونے سے پہلے اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شیطان
 بھی وحی کرتا ہے، اور یہ وحی انسان کے دل میں دوسوں کی صورت میں ہوتی ہے۔
 اب اگر کسی دل میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ من جانب
 اللہ ہے یا یہ شیطان کی طرف سے ہے؟

بڑے بڑے صوفیاء نے کشف الہام کے دعوے کیے ہیں، اسی کو بنیاد
 بناتے ہوئے مرزا غلام احمد نے اگر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان پر وحی آتی ہے یا الہام
 ہوتا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں، یہ ان صوفیاء کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ البتہ
 اس بحث سے یہ بات تو بہت انہی طرح آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ مرزا غلام
 احمد قادیانی کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی الہام انہیں یہ معلوم
 ہوا ہے کہ ”امین مریم (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) فوت ہو چکا ہے“ سراسر جھوٹ ہے۔
 احمد یوں اور منکرین حدیث نے وفات عیسیٰ علیہ السلام کے اثبات اور فح و

”اور تمہاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے
میں سے چار کی گواہی لاؤ اور اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھر میں قید رکھو
یہاں تک کہ موت ان کا معاملہ پورا کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی نیکل نکال
دے۔“

ثابت ہوا کہ ”موت“ اس کے اصطلاحی معنی ہیں نہ کہ حقیقی۔ اگر یہ فقہن کے
معنی صرف اور صرف ”موت“ ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ یہاں علیحدہ سے ”موت“
کا لفظ کبھی استعمال نہ فرماتا۔

سورۃ الزمر کی مذکورہ آیت میں یہ لفظ ”قبض روح برائے موت“ اور ”قبض
روح برائے نیند“ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اب یہ تیز کیسے کی جائے گی
کہ کس مقام پر قوفی کے معنی برائے موت ہیں اور کس مقام پر یہ نیند کے لیے
استعمال ہوا ہے؟ آپ قرآن کی آیات سے اسے سمجھیں۔

سورۃ زمر کی آیت میں قوفی کا ”فاعل“ اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی انسانوں
کی روح قبض کرتا ہے، لیکن موت اور نیند کے لیے قبض کی جانے والی روحوں میں
ایک واضح فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے ہم قرآن کی آیات کا مطالعہ کرتے
ہیں۔

قبض روح برائے موت

حَقَّقْ إِذَا جَاءَكَ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ أَفْئِدَةٌ مَّا كَانُوا
يَكْفُرُونَ (الحجرات: ۲۶)

”یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے
(فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر تم
پلمائے جاتے ہو اللہ کی طرف جو تمہارا حقیقی مالک ہے۔“

وَلَوْ تَرَىٰ إِلَىٰ الْفُلُكُنِ فِي عَمْرِاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بِالسُّبُطِ الْيَوْمِ
أَخْرَجُوا النَّفْسَ الْمُنكَرَةَ (الصافات: ۶۳)

”کاش تم نکالوں کو اس حالت میں دیکھ سکو جبکہ وہ سکرانے موت میں ہوتے
ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوتے ہیں لاؤ نکالو اپنی جانوں کو“
فَلْيَكْفُرُوا أَوْ يَكْفُرُوا بِاللَّهِ يَكْفُرُونَ لِقَوْمِهِمْ قُلْ هُمْ مِمَّنْ
يَكْفُرُونَ (الاحقاف: ۲۷)

”پھر کیا ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے ان کے منہ اور منہوں
پر مارتے ہوئے۔“
قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَتَذَكَّرُونَ مِنْهُ فَأَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ وَلَا يَكْفُرُونَ إِلَّا
الْغَافِلُونَ (الغافر: ۱۸)

”(ان سے) کہو جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آکر پہنچے گی، پھر تم اس

تذکرہ کی تردید کے شوق میں قرآن وحدیث کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس کے
محاسبہ کے لیے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کا مکمل موقف قارئین
کے سامنے لایا جائے۔

عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَاتُوفِي

قرآن سے توفی کے معنی

توفی، رفع اور نزول عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنے
سے قبل ضروری ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ لفظ ”توفی“ قرآن مجید میں کن کن
مقاموں میں استعمال ہوا ہے کیونکہ یہی وہ لفظ ہے جس سے قادیانوں اور منکرین
حدیث نے عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ کی موت کا باطل عقیدہ کشید کیا ہے۔

توفی کے لغوی معنی ”پورا پورا لینا“ ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران
میں فرمایا گیا:

وَأَنصَبُوا نُورًا لِّبُورِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (الحجرات: ۱۷)

”اور تم اپنے اجر قیامت کے دن پورے پورے پالو گے۔“

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ بِجُودِلٍ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ
أَلْفَظُونَ (الزلزال: ۱۸)

”جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے بھگڑنے کے لیے آئے گا اور ہر شخص کو
اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

اس لغوی معنی کے علاوہ کچھ ایسے لفظ قرآنی آیات میں دوسرے معنوں میں استعمال
ہوئے ہیں مثلاً:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاجِلِهَا (البقرہ: ۱۵۰)
”اللہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی
ان کی موت کے وقت۔“

اس آیت میں قوفی بمعنی ”قبض روح“ استعمال ہوا ہے۔ اصطلاحاً حایہ
لفظ موت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ نوح میں فرمایا گیا:

وَلَكِنْ أَعْيَبَ اللَّهُ الْإِنْسَانَ يَتَوَفَّى لَكَ (نوح: ۴۳)

”بلکہ میں تو اس رب کی بندگی کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے۔“

تو معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنی تو ”پورا پورا لینا“ ہیں، لیکن مجازاً یہ ”قبض روح“
اور اصطلاحاً ”موت“ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس کے حقیقی معنی
موت کے نہیں جیسا کہ قرآن کی آیت سے واضح ہے:

وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّكَ الْفِتْنَةُ فَلَئِنَّ بَعْضَهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَعْلَىٰ مِنْهُمُ الْغَايِبُونَ
يَعْلَمُونَ أَنَّهُمْ مُّؤْتَوُونَ فِي الْمَوْتِ حَقًّا يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَوْ يُعْجِلُ اللَّهُ لَهُمُ

کی طرف پلٹے جاؤ گے جو پوشیدہ و ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۲۱)

”اور ہم ہے ان (فرشتوں) کی جو ڈوب کر بچتے ہیں اور ان کی جو آسانی سے نکلتے ہیں۔“

قرآنی آیات سے واضح ہوا کہ تَوْفِیٰی کا لفظ جب اس موقع پر استعمال ہو کہ قبض روح فرشتوں کے ذریعے ہو رہی ہو تو اس کے معنی موت ہیں کیونکہ کتاب اللہ سے یہی ثابت ہے کہ جسم اور روح کے اتصال کا نام زندگی اور ان کی جدائی کا نام موت ہے۔ موت کے وقت فرشتے جسم میں ڈوب ڈوب کر روح نکال لیتے ہیں۔ مریض فرمایا گیا:

ثُمَّ دُفِنُوا فِي الْأَرْضِ مَوْلَاهُمْ يَوْمَئِذٍ (الانعام: ۶۱)

”پھر دفن کر دیا جائے گا وہ اللہ کی طرف جو تمہارا حقیقی مالک ہے۔“

روح کا پلٹانا

جب کوئی چیز اپنے مقام پر واپس جاتی ہے تو اسے ”پلٹنا“ کہتے ہیں۔ پیدا کرتے وقت جسم میں جو روح ڈالی جاتی ہے وہ اللہ کی طرف سے آتی ہے اور جب فرشتے اللہ کے حکم سے اس روح کو انسان کے جسم سے نکال کر واپس اسے اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں تو اسے ”روح کا پلٹنا“ کہتے ہیں۔

سورہ مومنون آیت نمبر ۹۹، ۱۰۰ میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے کہ ان کے درمیان ایک آڈ حائل کر دی گئی ہے اٹھائے جانے والے دن تک کے لیے۔ اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵، ۱۶ میں فرمایا کہ زندگی کے اس دور کے بعد تم کو موت آکر رہے گی اور پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

نیند کے لیے قبض روح

وَهُوَ الَّذِي يُوَفِّيكَ الْوَيْلَ وَيَعْلَمُ مَا جُرْحَتْكَ وَاللَّهُ الَّذِي يُعَذِّبُكَ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُ (الانعام: ۶۰)

”اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم

دن میں کرتے ہو، پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ طے شدہ وقت پورا ہو۔ آخر کار اسی کی طرف پلٹ کر تمہیں جانا ہے پھر وہ تم کو بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“

نیند کے لیے قبض روح کے معاملہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر ہے۔ قرآن وحدیث میں نہ کہیں اس قبض روح کے لیے کسی فرشتے کو بھیجے جانے

کا ذکر ملتا ہے اور نہ ہی جسم سے روح کے اخراج اور پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹائے جانے کا۔ گویا یہ قبض روح ”بالجسم“ ہے۔ انسان نیند کی کیفیت میں پورا پورا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہوتا ہے، اس کے کچھ حواس مکمل طور پر معطل اور کچھ نیم معطل کر دیے جاتے ہیں۔ شعور و ادراک کی کیفیت بہت کم ہو جاتی ہے لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ پر منحصر ہوتا ہے۔ کسی انسان کی آنکھ معمولی آہٹ پر مکمل جاتی ہے، یعنی اس کی روح چھوڑ دی جاتی ہے، اور کسی کے کان پر ہتھوڑے چلائے رہیں اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ اس قبض روح میں انسان کے ہاضمہ کا نظام بھی کام کر رہا ہوتا ہے، کسی کسی کا پیشاب بھی خطا ہو جاتا ہے، کوئی سوتے ہوئے چلنے لگتا ہے لیکن سو کر اٹھنے پر جب اسے بتایا جاتا ہے تو اس کا انکار کر دیتا ہے۔ گویا یہ انسان ہوتا تو زندہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے اس کے حواس سلب کر لیتا ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ اس قبض روح کے بعد اللہ تعالیٰ ان انسانوں کو اٹھا دیتا ہے تاکہ وہ زندگی کی مدت پوری کر لیں، یعنی جو وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یہ اٹھایا کہاں جاتا ہے؟ فرمایا: ثُمَّ يَبْعَثُكَ فِيْهِمْ (پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں)۔ یعنی اسی دنیا میں جہاں اس کا ”تَوْفِیٰی“ ہوا تھا۔

قرآن کے اس بیان سے واضح ہوا کہ موت اور نیند کے لیے روح قبض کیے جانے کے دو علیحدہ علیحدہ قوانین ہیں۔ ان دونوں قوانین میں کیا فرق ہے ایک بار پھر اس کا جائزہ لیتے ہیں:

قانون قبض روح برائے نیند قانون قبض روح برائے موت

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی قائل ہے، فرشتوں کا ذکر نہیں۔ فرشتے اللہ کے حکم سے روح قبض کرتے ہیں۔

۲۔ روح جسم سے نہیں نکالی جاتی فرشتے جسم سے روح نکال لیتے ہیں

یعنی مکمل طور پر روح قبض نہیں کی یعنی روح مکمل طور پر قبض کر لی جاتی ہے، اور جسم سے قیامت تک رہتا ہے۔

۳۔ کچھ حواس مکمل طور پر معطل اور کچھ نیم معطل کر دیے جاتے ہیں۔ تمام حواس قیامت تک کے لیے سلب کر لیے جاتے ہیں۔

۴۔ روح اللہ تعالیٰ کے پاس لے جائے جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ فرشتے روح اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں۔

۵۔ قبض روح ختم کر کے اللہ اسے اسی دنیا میں دوبارہ اٹھا دیتا ہے۔ تمام حواس قیامت تک کے لیے سلب کر لیے جاتے ہیں۔

اب اسے قیامت کے دن ہی اٹھایا جائے گا۔

یہ مردہ ہوتا ہے اور قیامت تک
مردہ ہی رہتا ہے۔

مذہب بالاقبال سے اس بات میں شک کی کوئی گنجائش باقی ہی نہیں رہی کہ لفظ
توفیقی جب کسی ایسی جگہ استعمال ہو جہاں روح قبض کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ
کا ذکر ہو تو وہ موت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

توفیقی و رفع عیسیٰ علیہ السلام

اب ہم آتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلے کی طرف کہ جب یہودیوں نے ان
کے قتل کے لیے خفیہ تدبیریں کیں:

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَكَرَّ اللَّهُ ذَرَارًا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَخَالُفُوا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَتَبَتْهُ رَبِّي مَتَّوِّفًا ۖ

وَرَأَوْهُ بِالْعِصَىٰ ۚ وَالْأَصْحَابُ لَهُمْ حُكْمٌ ۚ

”یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف (خلاف) خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی
تدبیر کی، اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جب اللہ نے
کہا: اے عیسیٰ میں تجھے اٹھا لوں گا اپنی طرف اور تجھے پورا پورا لے لوں گا۔
وَقَدْ لَعَنُوا لِقَاتْلَ الْمَسِيحِ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ سُبْحَانَ اللَّهِ ۖ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا
صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَمَنْ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَوْ لَقِيَ شَافِعُكَ مِنْهُ
مَا لَهَكَ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۚ اَلَّذِينَ ظَنُّوا قَتْلَهُ وَيَقْتُلُونَ قَاتِلَيْهِمْ ۚ رَفَعَهُ اللَّهُ
إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۚ وَانْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَكُنَّا مَعَكُمْ
يَوْمَ قُتِلَ يَسُوعُ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۚ

”اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا۔ (جگہ)
نہ تو انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ
بنادیا گیا اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے شک
میں ہیں۔ ان کے پاس اس کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی
بیرونی کرنے کے۔ اور یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی
طرف اٹھالیا، اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے
کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا۔ اور
قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں گے۔“

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی خفیہ
تدبیریں شروع کر دیں، مگر ان تدبیروں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر
کی، اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے انسانوں کی تدبیروں کی کیا حیثیت! وہ تو
ذوق الاسباب ہے، ایک سے بڑھ کر ایک تدبیر کرنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لے لوں گا (یعنی جسم
اور روح سمیت) اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ پھر سورۃ نساء کی آیات میں

مالک کائنات نے اس کی مزید وضاحت فرمائی کہ یہ یہود اس بات کا دعویٰ کر
رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ ان
کے اس دعویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے شدید انداز میں رد فرمایا: کہ نہ تو انہوں نے
اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے صلیب پر چڑھایا ہے بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ
بنادیا گیا۔ پھر فرمایا کہ اب جو ان کے درمیان اختلاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل
کر دیے گئے یا ان کو صلیب پر چڑھادیا گیا، تو یہ محض ظن دگمان کی باتیں ہیں۔
ستواریہ ایک یقینی بات ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ
نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ وہ زبردست
طاقت والا حکیم رب ہے۔ یہ اس کی عظیم قدرت و حکمت ہی کا کارنامہ ہے لہذا اتم
اس سوچ میں نہ پڑ جائے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک زندہ انسان جسے لوگ مارنے کی
کوشش کر رہے ہوں اسے بچا ہی نہ لیا جائے بلکہ اسے زندہ آسمان پر بھی اٹھالیا
جائے۔ اگلی آیت میں ساتھ ہی اس بات کی بھی تصدیق فرمادی کہ انہیں ابھی
موت نہیں آئی ہے بلکہ ان کی موت سے قبل ایک وقت وہ آئے گا کہ
جب ہر اہل کتاب ان پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام
ان کے ایمان لانے کی گواہی دیں گے۔ بعض اس مخالفے کا حکار ہو گئے ہیں کہ
فصل مروجہ میں ”ا“ کی تفسیر ”ہر اہل کتاب“ کی طرف ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ
بخاری کتاب التفسیر کی روایت میں نبی ﷺ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ قرب قیامت
عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام روز قیامت ان کے ایمان کی
گواہی دیں گے۔ (بخاری کتاب الانبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام) ۴۲

اب ہم توفیقی کے وہ معنی کرتے ہیں جس کا اصرار قادیانی اور منکرین
حدیث کرتے ہیں یعنی ”قبض روح“۔ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
يُعِصِي رَبِّي مَتَّوِّفًا ۖ ”اے عیسیٰ! میں تجہی روح قبض کر لوں گا“ وَكَوَفَعْنَا لَكَ ۖ
تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا۔“

ان معنی میں بھی موت کا کوئی ملبوم نہیں نکلا، کیونکہ یہاں فاعل خود اللہ تعالیٰ
ہی ہے، اور جیسا کہ مذکورہ سطور میں قرآنی آیات کی روشنی میں واضح کیا گیا کہ
جب اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہو تو وہ موت نہیں بلکہ زندگی کی ہی کیفیت ہے۔ چنانچہ یہ
بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اپنی طرف اٹھالیا۔
بہ فرشتے انسان کی روح قبض کر کے لے جاتے ہیں تو وہاں روح کا لفظ
استعمال کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ
علیہ السلام سے فرمایا کہ ”یہ عزاریہ میں“ میں یہاں آگیا گھبرا گیا ہے رنڈا اکڑ چکی“ کا موقف
بھی یہی تھا اور وہ قرآن وحدیث کے مطابق تفسیر غائب کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہی راجع سمجھتے تھے

التَّلَکِیَّة کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ اگر روح ان کے جسم سے نکال لی جاتی اور فرشتے اسے لے کر جاتے تو اسے روح کا چلنا تا کہا جاتا یعنی ان کو موت آگئی ہوتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَذَاقُوا عَذَابَ النَّارِ** "اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا"۔ سورہ نساء میں فرمایا: **وَمَا أَكْتَلُوهُ يُقِیْنًا ؕ إِنَّكَ رُفْعَةُ اللَّهِ إِلَیْهِ** "اور یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا"۔ ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا: بل۔ دفع۔ لا۔ اللہ۔ الیہ۔ بلکہ۔ اٹھا لیا۔ اسے۔ اللہ نے۔ اپنی طرف۔ یہاں قائل فرشتے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہے، مقبول "لا" ہے۔ رُفْعَةُ میں "لا" کی ضمیر غائب کس کی طرف راجع ہے؟ اسی کی طرف جس کی طرف **ذَاقُوا عَذَابَ النَّارِ** میں "ک" کی ضمیر مخاطب راجع ہے یعنی زندہ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کو۔

کتاب اللہ میں بیان کردہ قانون سے اس بات کی مکمل وضاحت ہوگئی کہ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کو موت نہیں آئی بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ (معروح و جسم) اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ یہ استدلال محض آیات قرآنی پر مبنی ہے جو شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے اس کے خلاف قیاس و گمان سراسر باطل ہے۔ اس مسئلے پر قرآن سے وضاحت کے بعد اب ہم آتے ہیں نزول عیسیٰ التَّلَکِیَّة کے مسئلے کی طرف۔

نزول عیسیٰ التَّلَکِیَّة

مندرجہ بالا سطور میں یہ بات کی گئی کہ وہ روح جو اللہ تعالیٰ بذات خود قبض کرتا ہے، وہ بارہ چھوڑ دی جاتی ہے۔ انسان دوبارہ اسی دنیا میں مکمل ہوش و حواس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تاکہ موت کا وہ وقت جو اس کے لیے متعین ہے وہ اسے پورا کر لے۔ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کا رفع ہوا ہے لیکن موت تو ہر انسان کے لیے ناگزیر ہے، آپ پر بھی اس قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۶۰

ثُمَّ يَرْجِعُهُمْ فِي قُبُورِهِمْ يُفْتَحُ لَهُمْ فِيهَا

"پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ تم شدد و وقت پورا ہو۔ آخر کار اسی کی طرف پلٹ کر نہیں جاتا ہے"

سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ صرف قیاس کی بات نہیں ہے بلکہ قرآن کی متعدد آیات کی روشنی میں ثابت شدہ ہے اور سورۃ نساء کی مذکورہ آیات تو بالکل صراحت سے اس کو واضح کرتی ہیں۔

غور فرمائیے ایک طرف تو ان کے قتل (موت) کے دعوے کو رد کیا، پھر ان کے رفع کا ذکر فرمایا اور پھر بتایا گیا کہ ہر اہل کتاب عیسیٰ التَّلَکِیَّة کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئے گا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ اہل کتاب ان کی موت سے پہلے

ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ بات کہی گئی ہوتی تو پھر ان گمراہ لوگوں کی بات میں کچھ وزن ہوتا۔ بلکہ فرمایا کہ "ایمان لے آئے گا"، یعنی یہ بات مستقبل کی ہے کہ مستقبل میں ایسا معاملہ ہوگا۔ سورۃ زخرف میں عیسیٰ التَّلَکِیَّة کے تذکرے کے تسلسل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ فَلَا تَكْفُرْ بَعْدَ مَا وَاعَىٰ وَعْدُكَ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۱۳

"اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی نشانی ہے اور تم اس بارے میں ہرگز شک نہ کرو۔ تم میری بات مانو (کہ) میں سیدھی راہ ہے۔"

قرآن نے بتا دیا کہ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کو پورے کا پورا یعنی جسم و جان کے ساتھ اٹھالیا گیا ہے، مستقبل میں ان کی موت واقع ہوگی اور پھر اشارہ بھی دے دیا کہ یہ قرب قیامت کی بات ہے۔

عیسیٰ التَّلَکِیَّة کا نہ صرف توفی بلکہ رفع بھی ہوا تھا۔ آپ کا توفی اسی دنیا میں ہوا تھا اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق اب آپ کی بشت بھی اسی دنیا میں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں گے جیسا کہ اوپر کہا گیا۔ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹

وَلَنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا يَكْفُرُونَ بِمَا وَعَدُوا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ

"اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا، اور قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں گے"

خود ان کے اس دنیا میں نزول کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اور بخاری کی درج ذیل روایت، جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، اس کی صریح تفسیر ہے:

"قسم اس (رب) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے

کہ ابن مریم تم لوگوں میں حاکم عادل ہو کر نازل ہوں گے۔ صلیب کو توڑ

والیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے، جڑیہ موقوف کر دیں گے۔ مالی کی (اتنی)

بہتات ہوگی کہ کوئی اسے نہ لے گا، یہاں تک کہ ایک جہدہ دنیا و دنیا و ما فیہ سے

ہجرت ہوگا۔ یہ حدیث جان کرنے کے بعد اب ہر مردہ اللہ کہتے ہیں: اگر تم چاہو تو

(اس کے ثبوت میں) یہ آیت پڑھ لو: **وَلَنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا يَكْفُرُونَ بِمَا وَعَدُوا**

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ "اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا۔" قیامت کے

دن وہ اس پر گواہ ہوں گے۔" (بخاری: کتاب الانبیاء، باب نزول عیسیٰ بن مریم)

یہ قطعاً خیر بہم اور صریح دلیل ہے۔ عیسیٰ التَّلَکِیَّة ان اہل کتاب کے ایمان لانے کی شہادت جب ہی دیں گے جب وہ ان کے سامنے ایمان لائیں گے۔ تو یہ اہل کتاب اسی زمین پر ایمان لائیں گے نہ کہ آسمانوں میں جا کر! یہی بات اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو وحی کے ذریعے بتائی، ملاحظہ فرمائیے:

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نبی ﷺ کے ارشادات:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ

(بخاری، کتاب المظالم، باب کسر الصليب)

”قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ تم میں ابن مریم نہ نازل ہو جائیں۔“

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، فَيَقُولُ أَمْيُزُهُمْ تَعَالَى صَلَّيْنَا قَبْلُ: لَا أَنْ يَفْضَحَكُمْ عَلَى بَعْضِ أَمْزَاءِ تَكْرِيمَةِ اللَّهِ هَذِهِ الْأُمَّةَ

(مسلم، کتاب الايمان، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر مثال کرتا رہے گا اور وہ قیامت تک حق پر غالب رہیں گے۔ پھر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ اس گروہ کا امیر ان سے درخواست کرے گا: اے میں صلوٰۃ میں ہماری امامت فرمائیں۔ وہ کہیں گے: نہیں تمہارے امیر تمہی میں سے ہوں گے۔ یہ وہ عزت ہے جو اللہ تعالیٰ اس امت کو دے گا۔“

أَتَاهَا نَقُومُ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلِهَا عَشْرَ آيَاتٍ: فَذَخِرَ الدُّخَانُ وَ الدَّجَالُ وَ الدَّابَّةُ وَ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَ نَزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ الْيَأْجُوجُ وَ الْيَأْجُوجُ وَ ثَلَاثَةٌ خُشُوفٍ: خُشْفٌ بِالشَّمْرِ وَ خُشْفٌ بِالمَغْرِبِ وَ خُشْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَ أَحَدُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمِينِ تَنْظُرُ ذِي النَّاسِ إِلَى مَخْشَرِهِمْ

(مسلم، کتاب الفتن و الشراط الساعية)

”قیامت ہرگز اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہیں دیکھ لو گے، پھر آپ نے ذکر کیا دُخان کا اور دجال کا اور دابۃ الارض کا (یعنی زمین سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا)، سورج مغرب سے طلوع ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، یاجوج ماجوج نکل پڑیں گے، تین جگہ خف ہوں گے (یعنی زمین جھٹ جائے گی): مشرق میں، مغرب میں، جزیرہ العرب میں، اور آخری نشانی یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو بائقی ہوئی مشرکی جانب لے جائے گی۔“

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُؤَيِّدَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ عَقْبًا عَذْلًا، فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَ يُقْتَلُ الْجَثْوِي، وَ يَضَعُ الْحِجْرَةَ وَ يَقْبِضُ الْمَالَ حَتَّى لَا يَبْقِيَ إِلَّا خَلْدٌ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ حَيْثُ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا ابُو هَرِيرَةَ: وَ أَقْرَبُ مَا لَنَا مِنْ ذَلِكَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا يُوْمِنُ بِهِ حَتَّى مَوْتِهِ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَى خَيْرِ مَا هِيَ

(بخاری، کتاب الاسماء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

”قسم اس (رب) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے کہ ابن مریم تم لوگوں میں حاکم عادل ہو کر نازل ہوں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے، جزیرہ موقوف کر دیں گے۔ مال کی (آنجی) بہتات ہوگی کہ کوئی اسے نہ لے گا، یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہ سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر تم چاہو تو (اس کے ثبوت میں) یہ آیت پڑھ لو: وَلَمَّا لَمْ يَكُنِ الْكِتَابُ إِلَّا الْيَوْمُ بِرَبِّهِ قَبْلُ مَوْتِهِ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَى خَيْرِ مَا هِيَ“ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا۔ اور قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں گے۔“

..... اذْ بَعَثَ اللَّهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيٍّ دَمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُ وَ ذَيْنَ وَ اصْغَا كَلْفِيهِ عَلَى أَنْجِيحَةِ مَلَكَيْنِ إِذَا ظَا ظَا رَأْسَهُ قَطَرَ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جَمَانٌ كَمَا لِلنَّوَى فَلَا يَحُلُّ لِكَاْفَرٍ يَجِدُ رِيحَ نَفْسِهِ إِلَّا مَاتَ وَ نَفْسُهُ يَنْتَهِي عَيْثُ يَنْتَهِي طَرَفُهُ فَيُطْلَبُهُ حَتَّى يُلْغِي فِيهَا بِأَبٍ لَوْ فَيُقْتَلُ اذْ بَعَثَ اللَّهُ رِيحًا حَبِيبَةً فَخَاخَذَ هُمْ تَحْتَ أَبْطَالِهِمْ فَتَقَبَّضَ رُوحُ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ كُلِّ مُسْلِمٍ وَ يَقْبِي سُورِ النَّاسِ يَنْفَازُ حَتَّى يَنْفَازَ الْحُمُرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ

(مسلم، کتاب الفتن و الشراط الساعية، باب ذكر الدجال)

”..... اسی وقت اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائے گا۔ وہ زور جوڑا اپنے فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے دمشق کے مشرق میں منارۃ البیضاء (یعنی سفید منار) کے قریب اتریں گے۔ جب وہ سر جھکانیں گے تو پیٹ نیچے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح بوندیں بہیں گی۔ جس کافر کے پاس عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اس کو ان کے دم کی بھاپ لگے گی اور وہ مر جائے گا۔ ان کے دم کا اثر وہاں تک پہنچے گا جہاں تک ان کی نگاہ جائے گی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام دجال کو ڈھونڈیں گے اور اسے پالیں گے اور جاب لد پر اسے قتل کر دیں گے۔..... اس وقت اللہ تعالیٰ ایک پاک ہوا بھیجے گا کہ ان کی نظموں کے نیچے لگے گی اور اثر کر جائے گی تو ہر مومن اور مسلم کی روح قبض کر لے گی اور صرف بدترین انسان ہی رہ جائیں گے، وہ انہیں میں گدھوں کی طرح لڑیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔“

قتلہ دجال

حدیث میں آتا ہے کہ اصفہان (ایران) کے ستر ہزار یہودی دجال کے

ساتھ ہوں گے:

اسی بن مالک رحمہ اللہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وَأَنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْنُوتٌ كَافِرٌ (بخاری: بیضا)

”اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر کھپا ہوگا“

دوسری روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ

الدُّجَالُ مَسْنُوعٌ الْغَيْنِ مَكْنُوتٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ لَّمْ يَدْخُلْهَا

ک۔ ف۔ ر۔ بَقْرَاءُ كُلِّ مُسْلِمٍ

(مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ذکر الدجال)

”دجال کی ایک آنکھ اندھی ہے، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر کھپا

ہے۔ پھر (آپ نے) اس کے پیچھے کیے: ک۔ ف۔ ر۔ (اور بتایا کہ) ہر

مسلم اسے پڑھ لے گا۔“

تیس جھوٹے دجال

نبی ﷺ نے اپنی امت میں تیس (۳۰) جھوٹے نبیوں کی پیشینگوئی فرمائی

اور انہیں بھی دجال قرار دیا جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دُجَالُونَ مَخْدَأُونَ قَرِيبًا مِّنَ ثَلَاثِينَ

كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ

(بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام)

”قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال پیدا ہوں

گے، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔“

لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اصلی دجال وہی ہے جس کی نبی ﷺ نے یہ نشانی

بتلائی کہ وہ کانا ہوگا۔ نیز ان تیس دجالوں میں سے قیامت سے پہلے کسی بھی وقت

اور دنیا کے کسی بھی علاقے میں یعنی پاکستان، ہندوستان اور ایران وغیرہ میں کوئی

ایک یا اس سے زیادہ بھی جنم لے سکتے ہیں۔ لیکن اصلی دجال عراق اور شام کے

درمیان ہی کسی علاقے سے ظاہر ہوگا۔

بشارت عظمیٰ

ناصح بن حنبلہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

تَغْزُونَ خَزَنَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللَّهُ ثُمَّ تَغْزُونَ خَزَنَةَ رُومَ فَيَفْتَحُهَا اللَّهُ ثُمَّ

تَغْزُونَ الرُّومَ فَيَفْتَحُهَا اللَّهُ ثُمَّ تَغْزُونَ الدُّجَالَ فَيَفْتَحُهَا اللَّهُ

(مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ما یكون من فحاحات المسلمين قبل الدجال)

”تم جزیرۃ العرب میں جہاد کرو گے پس اللہ اسے فتح کرا دے گا۔ پھر فارس

(یعنی موجودہ ایران) سے جہاد کرو گے اللہ اسے بھی فتح کرا دے گا۔ پھر حرم

تَبِيعَ الدُّجَالَ مَن يَهْزُو دُخَانَهُمَا مَبْعُوثُونَ الْفَأْ عَلَيْهِمُ الظُّلُمَةُ

(مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب فی بقیۃ احادیث الدجال)

”دجال کے ساتھ ہو گئے اسٹہان کے ستر ہزار یہودی اپنی سیاہ چادریں

اوڑھے ہوئے۔“

نوح علیہ السلام سے لے کر اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ تک ہر نبی نے اپنی

اپنی قوم کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے۔ دجال کا فتنہ انتہائی شدید ہے، اتنا

شدید کہ نبی ﷺ نے قبر کی آزمائش (عذاب قبر) کی مثال فتنہ دجال سے دی۔

نبی ﷺ صلوٰۃ میں اس سے پناہ مانگتے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

روایت ہے:

كَانَ يَسْتَعِينُنِي فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدُّجَالِ

(بخاری: کتاب الفتن، باب ذکر الدجال)

”آپ اپنی صلوٰۃ میں دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔“

حدیث میں آپ ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ ملتے ہیں

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ

الْمَسِيحِ الدُّجَالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَ فِتْنَةِ

الْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ

(بخاری: کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء قبل السلام)

”اے اللہ میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور اے اللہ میں مسیح

دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے اللہ میں پھینے اور مرنے

کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور اے اللہ میں الدارمی اور محتاجی کے

فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

دجال کی نشانی

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ لوگوں

کو خطبہ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے، پہلے تو اللہ کی حمد کی جیسی کرنی چاہیے، پھر

دجال کا ذکر کیا اور فرمایا:

إِنِّي لَا أَتَذَكَّرُكُمْ لَهُ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ، وَلَكِنِّي

مَسْأَلُوكُمْ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: إِنَّهُ أَعُوذُ، وَإِنَّ اللَّهَ

لَيْسَ بِأَعُوذٍ

(بخاری: کتاب الفتن، باب ذکر الدجال)

”میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے

لیکن میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں بتلائی کہ وہ کانا ہوگا۔

اور تمہارا رب کانا نہیں ہے۔“

روم پر حملہ کرے اللہ اسے بھی فتح کرا دے گا۔ پھر تم دجال سے لڑو گے اللہ اسے بھی فتح کرا دے گا۔“

کے ذریعے پھیلائی ہے۔ اس سلسلے میں قادیانیوں اور منکرین قرآن و حدیث کی شرانگیزیوں کا ملاحظہ فرمائیے:

کتاب اللہ کے انکار پر مبنی دلائل

قادیانیوں اور منکرین حدیث نے لفظ ”تولی“ کی بڑی بحثیں بیان کی ہیں اور اسی بات پر زور دیا ہے کہ یہاں تولی بمعنی ”موت“ ہے۔ اس سلسلے میں اگر یہاں ان کے حوالہ جات پیش کیے جائیں تو ایک انبار لگ جائے گا۔ لہذا ہم طوالت سے بچتے ہوئے ان سب سے صرف ایک ہی سوال کرتے ہیں کہ پورے قرآن میں کبھی بھی یہ قاتون دکھا دو کہ جب ”قبض روح“ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، وہاں ”موت“ کا کوئی تصور بھی ملتا ہو؟ منکر قرآن و حدیث محمد ہادی نے خود لکھا ہے:

”قرآن حکیم میں لفظ ”تولی“ موت کے معنی میں 24 بار اور غنیمہ کے معنوں میں 2 بار استعمال ہوا ہے۔ اور جہاں بھی غنیمہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے وہاں کوئی قرینہ ہوتا ہے۔“ (محبہ و عاقبت اللہ: سورہ و زمرہ ص ۱)

یہی بات ہم نے بھی گزشتہ سطور میں تفصیل بیان کی ہے کہ جب بھی غنیمہ کے لیے قبض روح کا بیان آیا ہے، وہاں خود اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، وہاں نہ روح جسم سے نکالنے کا کوئی عقیدہ ملتا ہے اور نہ ہی روح کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جانے کا، یعنی ”موت“ کا کوئی قرینہ وہاں نہیں ملتا۔ یہ قبض روح بالجسم ہے یعنی ”پورا پورا قبضے میں لے لیا جاتا ہے“۔ ہادی صاحب نے بھی یہی قرینہ بیان کیا ہے غنیمہ کے لیے روح قبض کرنے کا، پھر آگے لکھا ہے:

”یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آجائے (آیت ۶۱) یہاں دیکھئے موت کیا چیز ہے؟ مذکورہ بالا آیت ہی میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے ہمارے پیچھے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کی نہیں کرتے۔ تو بات واضح ہو گئی کہ موت میں پوری روح قبض کی جاتی ہے اور مادہ (وفی) عی سے اس کا تعلق برقرار رہا یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ عربی لغت کا قاعدہ ہے کہ شاذ معنی کو چھوڑ کر مشہور معروف معنی لیا جائے تو (اللفظ المستعمل) کا معروف اصطلاحی معنی (میں تجھے وفات دینے والا ہوں) بنتا ہے اب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قرآن کا حقیقی و اصطلاحی معنی چھوڑ کر (لانی المستعمل) میں تجھے وفات دینے والا ہوں، کو غیر قرآنی الفاظ (لانی المستعمل) میں تجھے پورا لینے والا ہوں، میں بدل دیا جائے بقول کے ”خود بدلے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔“ (ایضاً: صفحہ ۳۱)

نبی ﷺ کی اس حدیث میں جو بشارت عظمیٰ ہے، اس پر بھی ایمان ہونا چاہیے۔ یعنی یہ یقین کہ جس طرح بزیرة الحرب فتح ہوا، قارس اور روم مغلوب ہوئے اور قیصر و کسریٰ کا خاتمہ ہوا، اسی طرح قوم یہود کا آخری تاجدار کا نادر دجال بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ اور یوں دنیا فتنہ دجال اور یہود کے شر سے امان پائے گی، انشاء اللہ۔

شجر و حجر پکارا ٹھیں گے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ أَوْ الشَّجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوْ الشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا يَهُودِيٌّ عَلَيْهِ فَاقْتُلْهُ إِلَّا الْغَرَقَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ (مسلم کتاب الفتن و الشراط الساعۃ باب لا تقوم الساعة حتى یقتل المسلمون یهودا و ان یکتون مکان الموت من الداء)

”قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں گے اور انہیں قتل کریں گے: یہاں تک کہ یہودی کسی شجر یا درخت کی آڑ میں بچے گا تو وہ درخت یا شجر پکارا ٹھے گا: اے مسلم! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہے، ادھر آ سے قتل کر۔ مگر غرقہ کا درخت نہ بولے گا کیونکہ وہ یہود کا درخت ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا اشارہ قرآن مجید میں کیا تھا ان کی وضاحت نبی ﷺ پر وحی کے ذریعے فرمادی۔ قرآن میں بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں اور حدیث رسول ﷺ کے ذریعے بتا دیا گیا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ نازل ہو جائیں یا دوسری روایت کے مطابق یہ نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں اور ان میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ایک نشانی بتائی۔ قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی طرف اشارہ کیا گیا اور وحی کے ذریعے نبی ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ اس وقت ہوگا جب قرب قیامت ایک ہوا چلے گی اور تمام مومنین و مسلمین کو موت آجائے گی۔

تفصیل کے لیے لوگوں پر جنہوں نے قرآن و حدیث کے واضح بیان کو پس پشت ڈال کر خود بھی گمراہی اختیار کی اور نہ جانے کتنوں کو جہنم کا ایذا من بنایا! ہم نہیں قرآن و حدیث سے عیسیٰ علیہ السلام کا قبض روح، رفع و نزول قیامت کرنے کے بعد اس خباثت کا ذکر کرتے ہیں جو شیطان نے ان لوگوں

نہند کے لیے قبض کی جانے والی روح کے بارے میں موصوف نے کہا تھا کہ وہاں کوئی قرینہ ہوتا ہے، اب ان کا دوسرا بیان بھی آپ کے سامنے ہے کہ موت کے وقت روح فرشتے قبض کرتے ہیں۔ پھر اس کی وضاحت بھی ان الفاظ میں کر دی کہ ”توبات واضح ہو گئی کہ موت میں پوری روح قبض کی جاتی ہے۔“ گو یا اللہ کے مقرر کردہ قانون سے یہ جناب پوری طرح واقف ہیں؛ لیکن پھر بھی یہی فرماتے ہیں کہ ”(لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) کا معروف اصطلاحی معنی (میں تجھے وفات دینے والا ہوں) بنتا ہے۔“ علامہ صاحب! ذرا غور کرو کہ یہاں روح قبض کرنے والے فرشتوں کا تو کوئی ذکر ہی نہیں! خود قرآن کو بدل رہے ہو اور دوسروں کو الزام دیتے ہو کہ ”خود بدلے نہیں قرآن کو بدل دیجئے ہیں۔“ ایسے جہ بوالعجبی است؟

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن میں ان قادیانوں اور ان کے حواری منکرین حدیث نے آیات قرآنی کو من پسند معنی پہنا کر اپنے باطل عقائد کو ثابت کرنے کی سعی نامراد کی ہے۔

آیت قَدْ خَلَقْتَ سے عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو ثابت کرنا

قرآن کو بدلنے کی اپنی اسی مذموم کوشش میں اور آگے بڑھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”(۱) صحابہ کرام کا اجماع: جیسا کہ بخاری و مسلم سے ثابت ہے کہ وقفاۃ النبی ﷺ پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے تو قرآن کی آیت ”وَمَا تَخْشَوْنَ إِلَّا اللَّهَ تَسْئَلُونَ قَدْ خَلَقْتَ مِنْ قَبْلِهِ الْوُجُوْدَ“ میں آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات پر بھی اجماع ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۲۸)

صفحہ نمبر ۲۰ پر اسی سلسلے میں مزید دلائل دیئے:

”تفسیر المنار میں اسکی وضاحت یوں آئی ہے۔ و حاصل المعنی ان محمد لیس الا بشر..... علی اعقابکم، (ترجمہ) ”مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ تو ایک بشر ہیں رسول ہیں۔ آپ سے پہلے رسول گزر چکے ہیں یعنی وفات پا چکے ہیں اور بعض نبی جیسے ذکر یا دہجی علیہما السلام قتل کئے گئے ہیں۔ ان میں ہنگامی کسی کے لئے نہ تھی۔ پس آپ وفات پا جائیں جیسے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سرگئے ہیں یا قتل کئے جائیں جیسا کہ ذکر یا دہجی علیہما السلام قتل کئے گئے، کیا تم دین اسلام سے ایذیوں کے مل بھر جاؤ گے.....“ (تفسیر بیضاوی میں بھی آیا ہے فسخلو کما خلوا بالموت او

القتل (تفسیر بیضاوی ص ۹۶)

پس آپ ﷺ بھی دنیا سے ایسے گزریں گے جیسا کہ آپ سے پہلے

انبیاء علیہم السلام طبعی موت یا قتل کے ذریعے گزرے ہیں۔ دیکھئے انسانوں اور جنات کے لئے ”قَدْ خَلَقْتَ“ آیا ہے۔ یہاں دنیا سے ہو کر گزرنا موت کے معنی میں ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۲۸)

کیا یہ اچھا ہوتا کہ تفسیر بیضاوی کے ساتھ ساتھ موصوف قادیانوں کی ان کتابوں کا بھی حوالہ دے دیتے جہاں سے انہوں نے یہ عقیدہ چرا لیا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے کیونکہ اس طرح جناب کے چہرہ کاروں پر یہ حقیقت بالکل ہی آشکارا ہو جاتی کہ یہ سارے عقائد کہاں سے رہے ہیں اور ہمارا یہ رہبر ہمیں کس طرف لے جا رہا ہے؟ بہر حال قارئین! قادیانوں کی کتابیں اس طرز استدلال سے بھری پڑی ہیں۔ ہم ان تمام کتب کا حوالہ تو سر دست نہیں دے رہے تاہم علامہ موصوف کے ہم نواؤں کے سامنے ایک حوالہ ضرور پیش کر دیتے ہیں:

احمدی خلیفہ دوم سرزائیر ”دعوة الامیر“ میں لکھتا ہے:

”اس روایت سے تین امور ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ رسول کریم ﷺ کی وفات پر سب سے پہلے صحابہ کا اجماع است اس پر امر ہوا تھا کہ آپ سے پہلے سب انبیاء فوت ہو چکے ہیں، کیونکہ اگر صحابہ میں سے کسی کو بھی یہ شک ہوتا کہ بعض نبی فوت نہیں ہوئے تو کیا ان میں سے بعض اسی وقت کھڑے نہ ہو جاتے کہ آپ آیات سے جو استدلال کر رہے ہیں یہ درست نہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو چھ سو سال سے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ پس یہ جملہ ہے کہ نبی ﷺ سے پہلے سب نبی فوت ہو چکے ہیں اور جب کہ ان میں سے بعض زندہ ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ نہ رہیں۔ دوم یہ کہ..... پس صدیق اکبر کا آیت قَدْ خَلَقْتَ مِنْ قَبْلِهِ الْوُجُوْدَ سے بیخبر انبیاء سابقین کی وفات کا ثبوت نکالنا اور کل صحابہ کا نہ صرف اس پر خاموش رہنا بلکہ اس استدلال سے لذت اٹھانا اور دلیلیں اور ہواؤں میں اس کو پڑھتے پھرنے اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ سب اس استدلال سے متعلق تھے۔

تیسرا امر اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواہ کسی اور نبی کی وفات کا ان کو یقین تھا یا نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انہیں یقین کبھی کبھی نہ تھا، کیونکہ جیسا کہ تمام صحیح احادیث اور معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جوش کی حالت میں تھے اور باقی صحابہ سے کہہ رہے تھے کہ جو کہے گا کہ رسول کریم ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں اس کا سرازا دوں گا۔ اس وقت اپنے خیال کے ثبوت میں حضرت موسیٰ کے چالیس دن پہاڑ پر چلے جانے کا واقعہ تو وہ پیش کرتے تھے مگر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کا واقعہ انہوں نے ایک مرتبہ بھی پیش نہیں کیا..... ان کا حضرت موسیٰ کے واقعے سے

استدلال کرنا اور اس واقعہ سے استدلال نہ کرنا ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی ایسا واقعہ تھا ہی نہیں۔" (صفحہ ۲۱-۲۲)
اب بھیا آپ کے سامنے یہ بات آگئی ہوگی کہ موصوف کی "ہدایت" واضح کیا ہے۔ بہر حال ان کے بیانات سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ اس طرح ہے

☆ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام انبیاء کو موت آگئی۔

☆ اس آیت میں تمام انبیاء کی موت کی طرف اشارہ ہے، اور صرف یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ بھی اسی طرح گزر جائیں گے جس طرح پچھلے انبیاء علیہم السلام اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔

☆ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس قسم کا کوئی گمان ہی نہ تھا کہ وہ زندہ آسمانوں پر اٹھالیے گئے ہیں۔

آئیے ان نکات کا جواب قرآن و حدیث میں تلاش کریں:

وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالرَّسُولِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ يَكْفُرُونَ يَتَذَكَّرُونَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ قُلْ وَمَنْ يُنْقِلُ عَنْ عِقَابِيكَ وَلَنْ يَتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
الضُّكُورِينَ (العنكبوت: ۲۴)

"محمد (ﷺ) محض ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں، اگر یہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اگلے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اگلے پاؤں پھر گیا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو ضرور جزا دے گا۔"

یہ ہے وہ آیت جس کے متعلق ان لوگوں کا گمان ہے کہ یہ آیت پچھلے انبیاء علیہم السلام کی وفات کی دلیل ہے۔ اگرچہ اس آیت کا صریح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زندگی ہی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ بات کھول کر بتا دی تھی کہ محمد ﷺ کی حیثیت محض ایک نبی کی ہے جیسا کہ ان سے پہلے لاتعداد انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، تم نے جو اس دین کو قبول کیا ہے تو یہ اللہ کا ہے جو اس نبی کے ذریعے تم تک پہنچایا گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ ان کی وفات ہو جائے یا یہ شہید کر دیے جائیں تو تم یہ گمان کرنے لگو کہ اب تو یہ دین ختم ہو گیا لہذا اس دین ہی سے نکل جاؤ، سنو اگر تم میں سے کوئی اس گمان پر دین سے نکلا تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا یعنی خود ہی ذلیل و نامراد ہوگا اور جو اس دین سے وابستہ رہتے ہوئے شکر گزاری کا حق ادا کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کو بہترین جزا عطا فرمائے گا۔..... یہی وجہ تھی کہ جب ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تو فرمایا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَغْتَدُّ مَحْضًا بِمَا نَحْنُ فِيهِ "من لوتم میں جو کوئی محمد ﷺ کی بندگی کرتا تھا" فَإِنْ مَحْضًا قَدْ خَالَ "تو محمد ﷺ کی وفات ہوگئی،" وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَغْتَدُّ بِاللَّهِ "اور تم میں جو کوئی اللہ کی بندگی کرتا تھا"، فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ "تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی (یعنی زندہ جاوید) ہے جس کو کبھی موت نہیں آئی،" قَالَ اللَّهُ "وَمَا تَحْشَرُونَ إِلَّا رَسُولًا مِمَّنْ خَلَقْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ" الْبَشَرِ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: محمد (ﷺ) محض ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں، اگر یہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اگلے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اگلے پاؤں پھر گیا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو ضرور جزا دے گا۔" (المعارج: ۲۰-۲۱، باب عرض الہی عن نبیہ و رسلہ)

اس آیت کا مدعا یہی ہے کہ تم اللہ کی بندگی کرنے والے ہو، جو زندہ و جاوید ہے، وہ ہمیشہ رہے گا، اسی کی بندگی کرنی ہے، اسی کا یہ دین ہے: نبی ﷺ کو تو اسی رب نے بھیجا تھا، ہم نے ان کی بندگی نہیں کی ہے اور نہ ان کی وفات پر ہم کو یہ اندیشہ ہوگا کہ اب کس کی بندگی کریں گے۔

جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو وہاں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ نبی ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم رونے لگے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں:

"جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو اس آیت کی خبر ہی نہیں تھی پھر مجھے دیکھو یہی آیت پڑھ رہا تھا" (ذہری روایت کرتے ہیں سعید بن مسیب سے کہ) عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ جس دم میں نے ابو بکر کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا میں گھٹنوں کے بل گر پڑا، اور ایسا بے دم ہوا کہ میرے پاؤں مجھے سہارا نہ دے سکے، یہاں تک کہ میں زمین کی طرف جھک پڑا جس وقت مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اللہ کے نبی ﷺ وفات پا گئے۔" (ابن ماجہ)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل تو سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت کا مصداق ہے اور اس کی تصریح اوپر کر دی گئی ہے، لیکن ان لوگوں نے جو کچھ اس سے کشید کرنے کی سعی کی ہے وہ محض ان کا اپنا گمان ہے۔

هَذَا خَلَقْتُمْ كَالْعَوَىٰ "میں نے ان کو بنایا تھا" "گزر گئے" ہوتے ہیں اور محاورے میں یہ "وفات" کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں چنانچہ یہاں یہی معنی ہیں اور اس سے مراد سارے ہی انبیاء ہیں لیکن اس میں استثناء کی گنجائش تو یقیناً ہے۔ کلیات میں

کے مطابق عقیدہ نہ بنائیں، اس پر عمل نہ کریں کیا انہوں نے قرآن کی آیات نہیں پڑھ رکھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا ہے، ہر اہل کتاب انکی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا، وہ قیامت کی نشانی ہیں؟ کیا نزول عیسیٰ علیہ السلام کی روایات بیان کرنے والے ابو ہریرہ، حذیفہ بن اسید غفاری، نواس بن سمعان، عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم اس اجماع میں موجود نہ تھے؟ یہ اجماع تو خالصتاً وفات رسول ﷺ پر تھا۔ موصوف کا یہ گمان اور استدلال کہ قَدْ حَلَكْتَ سے مراد سارے انبیاء کی بلا استثنا موت ہے، ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور یہ محض اپنے خیالی نبی کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو قرآن وحدیث کے مطالب معانی کا علم وفہم رکھنے والے تھے۔ ان کے درمیان وقتی طور پر بھی جو مسئلہ اٹھا، وہ اسی بنیاد پر حل ہوا اور ان کا اجماع ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے درمیان اس طرح کا کوئی مسئلہ اٹھا ہی نہیں۔

قُلْنَا لَأُؤْتِيَنَّكَ اِيَّيْهَا والی آیت سے موت ثابت کرنا

ان دونوں گمراہ گروہوں نے سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۱ کو عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر دلیل بنایا ہے۔ آیہ یکہیں کہ یہاں انہوں نے کیا عمل کھلایا ہے:

قَالَ قَالَ لِلّٰهِ يُعِيسِيْ اَبْنُ مَرْيَمَ مَا كُنْتَ قَالَتْ لَكَ اِلٰسَ اِقْبِذْ ذُوْا اَنْفُجَا اِلٰهِيْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهَا حَقٌّ اِنْ كُنْتَ عَلٰمًا فَقَدْ عَلِمْتَ لَا تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ مَا قَالَتْ لَهٗ اَلَا مَا اَصْرَحْتَنِيْ بِهٖ اَنْ اَعْبُدَ وَاللّٰهُ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا كُنْتُ فِتْنَةً فَاَنْتَ الْكَافِيْتُ لَنِيْ لَنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المائدہ: ۱۱۱)

”اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی الہ بنا لو؟ (عیسیٰ علیہ السلام) جواب دیں گے: پاک ہے تو! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہ تھا۔ اگر میں نے ان سے یہ بات کہی ہوتی تو تیرے علم میں ضرور ہوتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے، تو تو عجیب ہوئی باتوں کا (بھی) ازبر دست جانتے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی بات کہی ہے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب

* گزشتہ صفحات میں بیان کردہ بحاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، تہذیب التہذیب سے متعلق روایات بیان کر کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بطور استدلال سورۃ النساء کی آیت پر حنا ثابت کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول عیسیٰ کا ہی عقیدہ رکھتے تھے جو انہیں نبی ﷺ نے دیا تھا۔

مجھی ہے اور تمہارا رب مجھی۔ اور میں اسوقت تک ان کا گمراہ رہا جب تک کہ ان کے درمیان رہا، جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر گمراہ تھا، اور تو تو ہر چیز پر گمراہ ہے۔“

اس آیت میں لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کے الفاظ کا ترجمہ ان دونوں گروہوں نے ”وفات“ ہی کیا ہے اور اس کی کچھ بحث پچھلے صفحات میں ہو چکی ہے۔ آیت کی تشریح میں بادی صاحب نے لکھا ہے:

”بات یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے۔ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ الہ بناؤ۔ یہ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عیسائیوں نے یہ شرک عقیدہ بنا لیا تھا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت محمد ﷺ سے پہلے تھی تو یہ عیسیٰ علیہ السلام سے انکی امت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اس بات کی نفی کریں گے کہ میں نے یہ شرکیہ بات نہیں کہی ہے۔ اب حقیقت کو ان کے سامنے لائیں گے۔ فرمائیں گے مَا قَالَتْ لَهٗ اَلَا مَا اَصْرَحْتَنِيْ بِهٖ میں نے ان کو نہیں کہی مگر وہ بات کہ جس کا آپ نے حکم دیا ہے۔ اب ذرا غور کریں عیسیٰ علیہ السلام اپنے دور رسالت کی بات کر رہے ہیں کیونکہ اللہ نے آپ کو نبی اسرائیل کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا اور ان کو دعوت دی۔“

(عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۳۲-۳۳)

پھر صفحہ ۳۲ پر لکھا:

”تو قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔ اس لئے قیامت کے دن اپنی امت کے حالات سے لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ اگر آپ نے دوبارہ آنا ہوتا تو قرآن کے ذریعے لوگوں کے حالات دیکھ کر آپ کو علم ہوتا کہ واقعی ان لوگوں نے مجھے الہ بنایا ہے۔ پھر آپ یوں جواب دیتے کہ جب میں آسمان پر زندہ تھا تو میں بے خبر تھا۔ جب آپ نے اتارا تو مجھے پتہ چلا کہ واقعی انہوں نے مجھے تیرا بیٹا بنایا تھا لیکن پھر دوبارہ نزول کے بعد کے لوگ مجھ پر ایمان لائے۔“

احمدی قلم کار اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

”اگر باقرض ماں لیا جائے کہ سب اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں قیامت سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے تو لامحالہ وہ سب عیسائیوں کا شرک اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اپنی امت کے بگاڑ سے پورے واقف ہو جائیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری امت مجھ کو خدا بتا رہی ہے۔ تو اس وقت میں وہ کس طرح اپنی تاواقیث کا اظہار کر سکتے

ہیں۔ یقیناً مسیح کی طرف سے نعوذ باللہ یہ ایک غلط بیانی ہوگی اگر وہ باوجود علم رکھنے کے پھر لامصلیٰ کا انہار کریں۔“ (حضرت مسیح مصلیٰ کا وصال، صفحہ ۱۰)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اگس انداز سے دونوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ان دونوں کا استاد ایک ہی ہے۔ وہی ان کے نفس میں وسوسہ ڈالتا ہے، اسی کی زبان یہ بولتے اور اسی کے قلم سے یہ لکھتے ہیں۔ دونوں نے قرآن کی آیت کا مفہوم ہی بدل ڈالا۔ ویسے لگتا ہے کہ مفہوم قادیانیوں نے ہی بدلا ہے علامہ ہادی صاحب تو صرف ان کی فحاشی فرما رہے ہیں۔ الغرض یہ وہ مفہوم بالکل نہیں ہے جو قرآن کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ہر نبی سے صرف اس کی اپنی امت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ سوال آپ کی ہی امت کے بارے میں کیا جائے گا۔ لیکن جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں وہ اس آیت کا مفہوم ہرگز نہیں، یہ تو ان کی مولویانہ چالائی ہے کہ اس کا مفہوم کیا سے کیا کر ڈالا! اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے گا کہ اے عیسیٰ! کیا انسانوں کو یہ عقیدہ تم نے دیا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ تم اور تمہاری والدہ بھی الہ ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے، مالک میں وہ بات کیسے کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا، اگر ایسی کوئی بات میں نے کہی ہوتی تو مالک تجھے ضرور معلوم ہوتا۔ مالک! کہنا تو دور کی بات اگر یہ بات میرے دل میں بھی ہوتی تو تجھے ضرور علم ہوتا کیونکہ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے لیکن میرے پاس ایسا کوئی علم نہیں کہ تیرے دل کی بات کو جانوں۔ میں نے تو صرف تیری بندگی کی دعوت دی تھی، ان کو بتایا تھا کہ وہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ میں جب تک ان کے درمیان تھا تو ان کی گھرائی کرتا رہا کہ ان میں کوئی غلط عقیدہ نہ آجائے اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو مالک تو ہی ان پر نگران تھا، تیری دیکھ رہا تھا کہ کیا کیا شرکیہ عقائد ان میں پیدا ہو رہے تھے؟ مالک تجھ سے تو کوئی بات چھپی رہ ہی نہیں سکتی۔ اللہ یہ نہیں پوچھ رہا کہ تمہارے علم میں ہے یا نہیں؟ اللہ تو صرف یہ پوچھ رہا ہے کہ کیا تم نے ان سے کہا تھا؟ لیکن کس طرح قرآن کی آیت کو اپنے مقصد کی بھیجٹ چڑھا یا گیا اور بڑے طنز یہ انداز میں لکھا:

”جب میں آسمان پر زندہ تھا تو میں بے خبر تھا۔ جب آپ نے اتارا تو مجھے پتہ چلا کہ واقعی انہوں نے مجھے تیرا بیٹا بنایا تھا“

اور جہاں سے ان علامہ موصوف نے اسے چرایا تھا انہوں نے لکھا:

”یقیناً مسیح کی طرف سے نعوذ باللہ یہ ایک غلط بیانی ہوگی اگر وہ باوجود علم رکھنے کے پھر لامصلیٰ کا انہار کریں۔“

کیا اسی کو قرآن پر ایمان کہتے ہیں!

عمر ہادی نے اسی ضمن میں سورہ یونس کی آیت کا حوالہ بھی دیا ہے:

وَيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ كُلِّ مَنكُمُ دُخَانًا فَتُكَلِّمُنَا أَعْيُنُكُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ لَسَانًا وَاحِدًا ۚ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٠١﴾

بِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٠١﴾ (یونس: ۱۰۱)

”اور قیامت کے دن ان سب کو ایک ساتھ جمع کریں گے، پھر ہم ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا تھا، کہیں گے تمہارا دُخاں تم اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی۔ پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔ پھر ان کے تمہارے ہوئے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے؟ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے کہ ہمیں تمہاری عبادت کا کوئی علم نہ تھا۔“

موصوف نے جو اپنی اس کتاب میں قادیانیوں کی وکالت کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اس قسم کی دلیلیں قادیانی تو ایک عرصہ سے دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

”لہذا اس آیت کی رو سے جہاں سب بزرگ جن کو خدائی کا درجہ دیا گیا وفات یافتہ ثابت ہوتے ہیں وہاں حضرت مسیحؑ پہلے نمبر پر وفات یافتہ ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ جتنی پوجا ان کی کی گئی کسی دوسرے انسان کی نہیں کی گئی لہذا اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَٰوةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَهُمْ مُّسْتَجِبُونَ“

(حضرت مسیح مصلیٰ کا وصال، صفحہ ۶)

یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر سورہ یونس کی درج بالا آیت میں کیا گیا ہے؟ وہی نام جن کے متعلق اللہ کی کتاب اَمَّا اَنْتَ عَلَیْہِمْ اَنْیَٓاۃٌ وَّ مَا یَشْعُرُوْنَ اَلَاۤ اِنَّآ اَنۡزَلْنٰہُ عَلَیۡکَ بِالۡغَآظِ اَسۡتَمٰلَ کَرۡتَیۡ ہِیَ۔ لیکن یہی کتاب ہُنَّ ذُخْرٌ لِّلۡلَاہِ لَیۡلَیۡہِ کہہ کر اَمَّا اَنْتَ عَلَیۡہِمْ اَنْیَٓاۃٌ سے عیسیٰ علیہ السلام کا استثناء بیان کرتا ہے۔ ان کا یہ استثناء بھی نزول کے بعد ان کی موت واقع ہو جانے پر ختم ہو جائے گا۔

سورہ یونس کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام انداز میں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب سب کو جمع کیا جائے گا تو وہ لوگ جن کی بندگی کی گئی تھی، یعنی جن کے نام کی نذر و نیاز کی گئی تھی، جن کی قبروں پر چاکر لوگوں نے دعا نہیں کی تھیں، جن کو عاتقانہ مدد کے لیے پکارا تھا، الغرض کہ جن جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا گیا تھا، ان لوگوں سے جنہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، کہیں گے یہ جو کچھ تم نے کیا ہے یہ ہماری عبادت نہیں تھی، اللہ گواہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ تم ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ لیکن یہ دلیل دینا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرز عام کے مطابق جواب دیں گے، قرآن وحدیث کے مطابق نہیں بلکہ اس میں اضافے کے مترادف ہے! عیسیٰ علیہ السلام کیا جواب دیں گے، یہ اللہ ہی جانتا

ہے۔ اس بارے میں جب کتاب اللہ میں کوئی بات بیان ہی نہیں کی گئی تو اپنی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی جواب گھر لینا، بڑی افتراء پر داری بلکہ کھلی شیعانیت ہے!

الْمُحْلَدُ والی آیت سے موت کا ثبوت دینا

وَمَا جَعَلْنَا الْإِنشِرَاقَ مِنْ قَبْلِكَ الْغُلَاظَ أَفَلَا يَنْفَكُ عَنْهُمُ الْغُلَاظُونَ

(الانبیاء: ۲۳)

”اے نبی! پہلے تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی، اگر تمہیں موت آگئی تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟“

قادیانیوں نے اس کا ترجمہ اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے اس طرح لیا ہے:

”اور ہم نے تم سے پہلے اے محمد کسی انسان کو مخلوق یعنی غیر مٹی کی نہیں دی

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ رہیں۔“

ترجمے کے بعد لکھا ہے:

”دیکھو اللہ تعالیٰ کس قدر غیرت سے فرماتا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ تو جو الخلق

لہذا اس نے دنیا سے رحلت کر جائے اور تم سے پہلے کا کوئی انسان زندہ ہو پس

جانت ہو حضرت مسیح تمام انسانوں کی طرح آنحضرتؐ سے پہلے گذرے

وفات پا گئے۔“ (حضرت مسیح مہدی کا وصال، صفحہ ۷)

اس عقیدے کو ہادی صاحب نے لے لیا اور لکھا:

”آپ سے پہلے ہم نے کسی بھی انسان کو مخلوق نہیں دی پس اگر آپ وفات

پا جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہیں گے۔ عَلَیْكَ نَفْسٍ ذَاتِ الْحَيَاةِ الْمَوْجِبَةِ ہر نفس کو موت کا

ذائقہ چکھنا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں مشرکین مکہ کا اعتراض کا جواب دیا جاتا

ہے کہ آپ کے مرنے پر یہ کیوں خوش ہوتے ہیں آپ سے پہلے جتنے بھی

انسان گزرے ہیں کیا ان میں سے کوئی ہمیشہ رہا ہے (یعنی موت سے نہیں

بچا)۔ پس اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ (یعنی یہ

موت سے بچیں گے؟) نہیں یہ بھی نہیں چاہ سکتے! کیونکہ ہر ایک کو موت کا مزہ

چکھنا ہے۔ مندرجہ بالا آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی

موت سے نہیں بچے۔“ (عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۴۲)

قادیانیوں نے آیت کے ترجمے اور تشریح میں ایک خاص مفہوم پیدا کرنے کے

لیے کیسی کھینچ تان اور چرب زبانی سے کام لیا۔ اس آیت میں مرکزی نکتہ الْمُحْلَدُ

ہے جس کے معنی ہیں ”بہشتی، دوام“، اور سارا زور اسی کی نفی پر ہے۔ آیت کا

میدان اسادھا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو بہشتی نہیں دی گئی۔ اس آیت سے

استدلال تو اس صورت میں روا تھا کہ جب کوئی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ”الْمُحْلَدُ“ کا موقف اپناتا۔ کتاب اللہ نے کہیں بھی ان کے لیے الْمُحْلَدُ نہیں کہا بلکہ یہی بتایا کہ انہیں بھی موت آئے گی۔ یہ لوگ جان بوجھ کر بے گنی بحث چھیڑتے ہیں تاکہ رفع و نزول کے معروف عقیدے کو مشکوک بنادیں اور عوام الناس میں ان کے اٹھائے ہوئے شوشوں کو کچھ پذیرائی مل جائے۔

يُعِيشِي رَأْفَ مُتَوَقِّفِكَ سے استدلال

إِنَّا قَالُ لِلَّهِ يُعِيشِي رَأْفَ مُتَوَقِّفِكَ وَكَأَفْعَلِكَ لَيْكُ (آل عمران: ۵۵)

قادیانی لوگ اپنے خصوصی عقیدے کے اظہار کے لیے اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

”اے عیسیٰ! میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف

اٹھاؤں گا اور تجھے پاک کروں گا ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اور تیرے

قبضین کو قیامت تک تیرے منکرین پر غالب رکھوں گا۔“

”اور ابن عباس نے کہا کہ مُتَوَقِّفِكَ کے معنی صبتک ہیں یعنی میں تجھے

وفات دوں گا۔“ (بخاری، کتاب التفسیر باب مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحْرِهِ)

(حضرت مسیح مہدی کا وصال، صفحہ ۷-۸)

نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

”تم نبی اسرائیل کی پیروی کرو گے بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ“

(بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و سنتیاب لنبین من کان قبلکم)

لہذا ہادی صاحب نے اس کا حق ادا کیا ہے۔ اس سے قبل بھی موصوف کے پیش

کردہ دلائل آپ کے سامنے آچکے ہیں کہ کس طرح قادیانیوں کی کتب سے نقل

کر کے انہیں اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔ ”بالشت بہ بالشت“ والا کردار تو

انہوں نے ادا کیا ہی تھا لیکن مُتَوَقِّفِكَ کی تشریح میں ”ہاتھ بہ ہاتھ“ کا حق بھی

ادا کر دیا۔ قادیانیوں نے مُتَوَقِّفِكَ کی تشریح میں بخاری کے باب کا معلق قول

دلیل بنایا تھا اب موصوف کیسے ان کی ”ہاتھ بہ ہاتھ“ پیروی نہ کرتے۔ چنانچہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معلق قول کو انہوں بھی دلیل بنایا۔ قادیانیوں نے

توصاف بتا دیا تھا کہ یہ ابن عباس کا قول ہے لیکن ان علامہ صاحب نے اپنے

قبضین کو پوری طرح دھوکہ دیا اور لکھا:

”مُتَوَقِّفِكَ بمعنی صبتک ہے جیسا کہ بخاری کی تفسیر سورۃ المائدہ میں ہے“

(عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۱)

یعنی یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا یہ کسی حدیث کا حصہ ہے! یہ دھوکہ دینا

موصوف کی مجبوری تھی ورنہ ان کے قبضین واضح طور پر پہچان لیتے کہ یہ تمام

تحریریں کسی قادیانی ایجنٹ کی ہیں۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ موصوف نے معلق قول کو دلیل بنالیا لیکن بخاری کتاب التفسیر میں سورہ نساء آیت ۱۵۹ کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند مرفوع روایت کو نظر انداز کر دیا۔ ان سے پہلے ان کے اکابرین نے بھی حدیثوں کو انکار حدیث کے مقصد ہی کے لیے استعمال کر کے اپنے اوپر سے منکر حدیث کا دلیل بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

منکرین رفع و نزول یعنی الطحاوی وغیرہ احمدی ہوں یا منکرین حدیث، سورہ آل عمران کی درج بالا آیت کو وفات یعنی الطحاوی کے ثبوت میں "برحان قاطع" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کی بیاض میں رفع و نزول کے انکار کے لیے سب سے بڑی دلیل یہی آیت ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے ترجمان نے اس کا ترجمہ "اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دوں گا" کیا ہے۔ یہ ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ کی آڑ میں جماعت احمدیہ کا مکمل عقیدہ اور مسلک بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ عقیدہ و مسلک کی بات تشریح میں ہونی چاہیے تھی۔ قرآن کے ترجمہ میں اس قسم کی آمیزش یقیناً ایک بڑا جرم ہے۔ چنانچہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے تمام مسلمہ اصولوں کو بالائے طاق دکھ دیا۔

آیت کی تشریح تو ہم اس سے قبل کر چکے ہیں لیکن اس قول کی بات ہو جائے جو ان دونوں نے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور کھلم کھلا احادیث کا مذاق اڑایا ہے۔ قادیانیوں نے حدیث کے الفاظ پکڑ کر اس کا مفہوم بدل ڈالا اور منکرین حدیث نے کتنی ہی احادیث صحیحہ کا کھلا انکار کر دیا۔ لیکن بخاری کے ایک باب میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول انہیں دکھائی دے گیا جس کو بخاری نے بغیر سند کے تھوڑا سا ترمیم کیا ہے۔ دیکھیں کہ بخاری نے جو مرفوع روایات سند کے ساتھ بیان کی ہیں، انہیں تو یہ جھٹلاتے ہیں اور جو معلق قول انہوں نے بغیر سند کے بیان کیا ہے، اس پر ان کا مکمل ایمان ہے! اسے ہی کہتے ہیں بیٹھا بیٹھا صاحب ہب کڑوا کڑوا تھوڑا تھوڑا! اس سے زیادہ خود فریبی اور کیا ہوگی!

یہ قادیانی اور ان کے حاشیہ نشیں منکرین حدیث، اس بات کا جواب ضرور دیں کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بے سند قول ہی ان کے ایمان کی بنیاد ہے، تو پھر ان کے اس قول پر بھی اپنا ایمان بنائیں جو بخاری نے سند کے ساتھ درج کیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الْبَاطِلَ إِلَّا فَتْنَةً لِّلنَّاسِ
قَالَ هِيَ رُؤْيَا غَيْبٍ أَرْنَاهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِي بِهِ

(بخاری: کتاب التفسیر، سورہ بنی اسرائیل باب (وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الْبَاطِلَ إِلَّا فَتْنَةً لِّلنَّاسِ)۔)

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت میں (جس کے معنی

یہ ہیں کہ ہم نے جو رؤیا آپ کو دکھایا وہ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہے) رؤیا سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہے، جو شب معراج آپ ﷺ کو دکھایا گیا۔ (یعنی حالت بیداری میں آپ ﷺ معراج پر گئے)۔"

دیکھیں! کیا فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ نبی ﷺ کی یہ معراج جسمانی تھی۔ یہ قادیانی لوگ قرآن مجید و احادیث نبوی ﷺ کو تو غلط معنی پہنا کر رد کرتے پہلے آئی رہے ہیں، لیکن خود اپنے ایمان کی بنیاد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو بھی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر بشر آسمان پر نہیں جاسکتا تو آنحضرتؐ معراج کی رات کس طرح آسمان پر پہنچ گئے تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرتؐ کا معراج جسم مضمری کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ وہ نہایت لطیف قسم کا کھٹک تھا جو نبیؐ کو دکھایا گیا آپؐ کا وہی جسم ہرگز آسمان پر نہیں لے جایا گیا۔" (سنت صحیحی کا وصال، صفحہ ۲۲)

مزاتوجہ تھا کہ یہاں بھی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول، جو کہ احادیث صحیحہ کے مطابق ہے، پیش نظر رکھتے اور نبی ﷺ کی جسمانی معراج کا انکار نہ کرتے لیکن چونکہ یہ ان کے مسلک کے خلاف جاتا ہے اس لیے اس سے آنکھیں بند کر لیں۔

محمد ہادی نے اسی انداز کو اپناتے ہوئے تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے ایک روایت بھی بیان کی ہے:

"لو كان موسى وعيسى حيين لما سمعهما الا ابتعاني اكر
باغرض موسى وموسى (میری دوران زندگی) زندہ ہوتے تو انہیں بھی جو میری
تاجدار کے چاروں ہوتے۔" (عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۲۷)

قارئین جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ ان لوگوں کی ہر ادرازی ہے، جہاں چاہتے ہیں بے سند روایات کو بنیاد بنا لیتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں صحیح ترین احادیث کو رد کر دیتے ہیں۔ اب تفسیر ابن کثیر کی اس روایت سے قرآن و احادیث صحیحہ کی بات کو اس طرح رو کیا جا رہا ہے گویا کہ یہی برحان قاطع ہے۔ حالانکہ اس کا تو مضمون ہی بتا رہا ہے کہ یہ ہے ہی سراسر خلاف قرآن اور پھر محمد ہادی تو اس روایت کی سند بھی تو بیان کریں تاکہ قارئین اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں۔ اپنے استادوں کی ہر بات بیان کرنا شاید ان کی بڑی مجبوری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ان کے استاد کا بیان:

"لو كان موسى وعيسى حيين لما سمعهما الا ابتعاني یعنی اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

(سنت صحیحی کا وصال، صفحہ ۱۵)

تو قرآن میں آپ کے سامنے آگیا کہ موصوف نے صرف اور صرف ”اطاعت اولی الامر“ میں اس خلاف قرآن روایت کو پیش کیا ہے ورنہ یہ تو احادیث صحیحہ ہی کے انکار ہی ہیں۔
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَفِيهَا كَنُوزٌ

اس آیت میں فرمایا کہ

”ای (زمین) میں تم کو دینا ہے اور اسی میں تم کو مرنا ہے اور اسی میں تم کو نکالا جائے گا۔“ (الاعراف: ۲۵)

قرآنی قلم کار نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱ پر یہ آیت اپنے دلائل میں پیش کی ہے۔ اور استدلال کیا ہے کہ انسانوں کے لیے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ زمین پر ہی زندگی گزاریں گے اور اس زندگی کے بعد جب ان کو موت آئے گی تو وہ بھی اس زمین پر آئے گی۔ اور اب جب یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جائیں گے تو کیا اللہ اپنا فیصلہ بھول گیا؟ البتہ اللہ

بے شک اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے اور ہر انسان پر نافذ العمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ یہی تو قرآن وحدیث کا بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اسی زمین پر انہیں موت آئے گی۔ جو بات یہ لوگ اپنے حق میں بیان کر رہے ہیں وہی ان کے عقیدے کو رد کر رہی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوگا اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ جس طرح ہر ایک کو اسی زمین پر موت آتی ہے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نزول کے بعد اسی زمین پر موت آئے گی۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ رِيقًا

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ رِيقًا لَكُمْ لَكُمْ تَكُونُونَ (المعارج: ۱۷-۱۸)

”کیا ہم نے زمین کو سیفے والا نہیں بنایا اور زمینوں کو اور مردوں کو؟“

ابوہریرہؓ کہہ دوسرۃ الاعراف کی آیت کی تشریح میں قادیانی فلکار نے مذکورہ کتاب میں اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے اس سے بھی استدلال کیا ہے:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ زمینوں اور مردوں کو اپنے ساتھ لگے رکھتی ہے اور انسانی جسم کو باہر نہیں جانے دیتی یہ آیت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کو حلاوت ثابت کر رہی ہے۔“ (صفحہ ۱۲)

درحقیقت یہ بات ان سب لوگوں کے علم میں ہے کہ توفی ودفن عیسیٰ علیہ السلام ایک معجزاتی معاملہ ہے۔ لیکن اس کا رد کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا دفن ثابت ہو گیا تو ان کے خیالی نبی کی خیالی نبوت باطل ٹھہرے گی۔ تمام انسانوں کے لیے وضع کردہ طریقہ کار کے برخلاف عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر پاپ کے پیدائش پر ان کی زبانیں ٹھک ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ

ہے کہ ”اے انسانو! ہم نے جنہیں ایک مرد اور ایک عورت سے تخلیق کیا“ (الحجرات: ۱۳) تو کیا اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر پاپ پیدا کرتے وقت (معاذ اللہ) اپنا قانون بھول گیا؟ اس کے علاوہ یہ لوگ یہ بات کیوں نہیں کہتے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ٹپکتا ہوا نہیں نکل سکتا، ان کا عصا سانپ نہیں بن سکتا!..... اس لیے کہ دنیا میں کسی اور فرد کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ انہیں یہ بھی کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرد سے براہ راست کلام نہیں فرماتا لہذا عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ اللہ نہیں کہا جاسکتا۔

..... معجزات قانون عام سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ آگ کا کام جلانا ہوتا ہے لیکن امیرالمؤمنین علیؓ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اللہ کے حکم سے وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اب تمام معجزات کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھایا گیا تو اس پر اس قدر دوا دیا کیوں؟ یہ کہنا کہ زمین انسانی جسم کو باہر نہیں جانے دیتی جہالت پر مبنی ہے۔ زمین زمینوں اور مردوں کو اس لیے سمیٹ کر رکھتی ہے کہ اللہ نے اس میں خاصیت پیدا کی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خاصیت نہیں رکھی کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم کو اٹھانا چاہے تو وہ دعویٰ باللہ، اللہ تعالیٰ کے اس کام میں مانع ہو اور اس جسم کو زمین سے باہر نہ جانے دے! یہ اندازہ فکر اسی کا ہو سکتا ہے جس کا دل اتنا اندھا ہو گیا ہو۔

”مجھے صلوة اور زکوٰۃ کا حکم ہے جب تک میں زندہ رہوں“

سورہ مريم کی ایک آیت محمد ہادی نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳ پر انہی دلائل کے سلسل میں پیش کی ہے:

وَلَوْ تَصَدَّقَ بِالْصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتَ حَيًّا (مريم: ۳۱)

”اور مجھے حکم ہے کہ میں صلوة قائم کروں اور زکوٰۃ دوں جب تک میں زندہ رہوں۔“

اسی آیت کی تشریح بھی ان کے روحانی استاد، جس کے یہ خوش چمن ہیں، اپنے مطلب کی فرما گئے ہیں:

”استدلال یہ آیت فیصلہ کرتی ہے کہ اپنی زندگی کے زمانے میں حضرت عیسیٰؑ نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ بھی دیا کرتے تھے اب چونکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اور دارالعمل میں نہیں رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ہیں۔ لہذا اب ان پر نہ نماز فرض ہے نہ زکوٰۃ، جیسا کہ ہر انسان پر شریعت کی تکلیف زندگی میں ہوتی ہے نہ کہ مرنے کے بعد۔

دوسرے اگر وہ آسمان پر زندہ فرض کئے جائیں اور ان احکام کی پابندی ان پر اب بھی ضروری تجویز کی جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ ان کے پاس آسمان پر روپیہ بھی ہو اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا ایک گروہ بھی موجود ہو

اور یہ باتیں بالہدایت محال ہیں۔ اسی طرح اگر حضرت عیسیٰؑ اب بھی آسمان پر نماز پڑھتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی نماز پڑھتے ہیں؟ اسلامی نماز یا اسرائیلی نماز۔ اگر کہا جائے اسرائیلی تو وہ قرآن کے بعد منسوخ ہو چکی اگر کہا جائے اسلامی نماز تو اس کی ان کو خبر کیسے ہوئی۔ بہر حال یہ آیت بھی حضرت عیسیٰؑ کی وفات مردالت کرتی ہے۔ (حضرت مسیح مہدیؑ کا وصال، صفحہ ۱۲-۱۵)

در اصل شیطان کا کام انسانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے، اور اس مشن کے لیے وہ شیاطین من الانس کو بھی استعمال کرتا ہے پھر وہ عقلی موشگافیوں کے ذریعے لوگوں کو دودھلائے لگتے ہیں اور مجرّدوں کو بھی نشانہ بناتے ہیں خدا تعالیٰ سورہ کہف میں فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كَفَرَ عَصَىٰ هَٰذَا الْفَرَسِ لَوْلَا نِسْرُ اللَّهِ لَكُنَّ أَكْثَرُ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ لَكَفُورًا ۚ
 جَعَلَهُ وَكَفَرَهُ الْإِنْسَانُ أَنْ يَكُونُوا لَوْ كُنَّا جَاهِلِينَ لَوْلَا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لَكُمْ لَآ كُنَّا تَائِبِينَ ۚ
 سُبْحَانَ الَّذِي أَرْسَلَهُ رَسُولًا مِنْكُمْ الْعِزَّاتُ قَبْلَهُ ۚ (الکہف ۵۴-۵۶)

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے۔ لوگوں کے پاس جب بھی ہدایت آئی تو اسے ماننے اور اپنے رب سے استغفار کرنے میں آخر کیا اثر رکھتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ اب اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو جیکبلی قوموں کے ساتھ ہوا ہے؟ یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عذاب ماننے سے تائب ہو جائیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کو مثالیں دے دے کر سمجھایا لیکن ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اسے نبی ﷺ تم ان کو نہیں سنا سکتے جو مانند مردود ہوں۔ (نمل ۸۰) دیکھیں قرآن سے مردود نے اس کے کس کس انداز میں اللہ کے بیان کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں! اللہ نے اسی قرآن میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان کر کے اس کیفیت کی وضاحت کر دی ہے۔ سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے ان چند جو جوانوں کا ذکر فرمایا جو اپنے ایمان کو بچانے کے لیے ایک غار میں چھپ گئے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اسے مالک ہم پر رحم فرمائے، لہذا نبی نے انہیں اسی غار میں سلا دیا۔ نہ جانے کتنے طویل عرصے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنُوحِي السَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُجُهُنَّ كَفُفَهُنَّ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبَهُنَّ ذَاتَ الْشِّمَالِ وَطَفَرْنَ فِي فَجْوَةٍ مِّنْ ذَٰلِكَ ۚ وَتِلْكَ أَمْثَلُ ۚ
 اللَّهُ يَفْعَلُ الْغَيْبَ ۚ قَالُوا رَبِّكُمْ كُنْ أَلَمْ يَكُنْ بِكُم مِّنْ قَبْلُ ۚ (الکہف ۹۱-۹۳)

”تم دیکھتے کہ سورج نکلتا ہے تو ان کے غار کو چھوڑ کر دائیں طرف چلا جاتا ہے، اور جب غروب ہوتا ہے تو انہیں چھوڑ کر بائیں جانب چلا جاتا ہے۔ اور

مالک کے اندر کھلی جگہ میں چڑے ہوئے تھے۔ یہ اللہ کی نشانیں میں سے ایک نشان ہے۔ اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پالنے والا ہے اور جسے اللہ ہٹکا دے اس کا تمہیں کوئی مددگار نہ ملے گا۔ انہیں دیکھ کر تم یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ ہم انہیں دائیں بائیں کروٹیں بدلواتے تھے اور ان کا کتا غار کے دہانے پر پاؤں بٹھلاتے بیٹھا تھا۔ اگر کہیں تم بھاگ کر دیکھ لیتے تو اسے پاؤں بھاگ جاتے اور تم پر ان کے ٹھکڑے سے دہشت چڑھ جاتی۔ اور اسی طرح ہم نے انہیں اتحاد دیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں کہ کتنا عرصہ رہے؟ کہنے لگے شاید ایک دن یا اس سے کم، پھر کہنے لگے تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنا وقت اس حالت میں گزرا ہے۔“

یہ منکرین حدیث اور قادیانی صاحبان بتائیں کہ کیا صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم صرف عیسیٰؑ کی حدیث کے لیے ہے اور کسی مومن کے لیے نہیں! یہ اصحاب کہف جو اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے اس غار میں آئے تھے، کیا اس حکم سے مبرا تھے؟ انہوں نے کس طرح صلوٰۃ قائم کی؟ کس طرح سے زکوٰۃ دی؟ وہ مالک جو اسی زمین پر ایک غیر معینہ مدت کے لیے انہیں سلا دے، انہیں کروٹیں بدلواتا رہے، سورج کی روشنی سے بھی ان کو بچا کر رکھے، اس کے لیے کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ عیسیٰؑ کو اس سے بہتر حالت میں رکھے؟ عیسیٰؑ زندہ ہیں، لیکن ہمیں ان کی اس زندگی کا کوئی شعور نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بیان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اس قسم کے دلائل محض جھٹکتے ہوئے ذہن کی عکاسی کرتے ہیں۔

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْنَا ۚ

سورہ نساء کی آیت

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ ۚ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَكُمْ

”اور نہ تو انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے شبہ بنا دیا گیا۔“

کی کیا تفسیر کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

”اور نہ انہوں نے اس (عیسیٰؑ) کو قتل کیا ہے اور نہ اسے صلیب پر چڑھایا ہے۔ بلکہ ان کے لئے معاملہ شبہ کر دیا گیا۔ درج بالا آیت میں اللہ نے اس بات کی نفی کر دی کہ یہود اپنے زعم میں یہ کہتے تھے کہ ہم نے عیسیٰؑ کو قتل کیا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بعد میں نصاریٰ میں ترک در آیا تو انہوں نے اپنے تمہین میں یہ بدعتیگی پھیلانی کہ عیسیٰؑ کو یہودوں نے صلیب (صولی) دی ہے۔ ان دونوں فرقوں کی تردید کر دی گئی۔ اب بعد والوں میں یہ لفظ باتیں کیوں مشہور ہو گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں شَہِیْدَةُ لِقَہُہٗ مُعَامِلَہٗ اِن کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ شَہِیْدَةُ ماضی مجہول ہے جس میں فاعل نامعلوم ہوتا ہے۔ اب اسرائیلی روایات کی روشنی میں ہمارے مفسرین نے یوں لکھا ہے کہ اللہ نے کسی دوسرے شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ روح اور جسم سمیت اٹھالیا اور اس ہم شکل کو لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی دی۔ تو لوگوں پر حقیقت حال مشتبہ ہو گئی۔ اللہ کے بند غور کرو اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے کہ وہ انسانوں کو شکوک و شبہات میں ڈال دیں۔ اللہ تو اپنے بندوں کو شکوک و شبہات سے نکالنے والا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ عوام کو شکوک و شبہات میں ڈالنے والے علماء سوء اور پیران ضلالت ہوتے ہیں تو اس دور کے بڑوں نے عوام کو دھوکہ میں مبتلا کیا۔

”اللہ تو اپنے بندوں کو شکوک و شبہات سے نکالنے والا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ عوام کو شکوک و شبہات میں ڈالنے والے علماء سوء اور پیران ضلالت ہوتے ہیں تو اس دور کے بڑوں نے عوام کو دھوکہ میں مبتلا کیا۔ عیسائی پادریوں نے عوام میں یہ غلط بات پھیلائی کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے مصلوب ہوئے۔ یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ جو ہمارے ہاتھوں قتل ہو جائے تو وہ لعتی ٹھہرتا ہے۔ تو عیسائیوں نے بعد میں یہ عقیدہ بنایا کہ وہ سولی چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ تو اللہ ان غلط باتوں کی تردید فرماتے ہیں اور ان (یہودیوں) نے نہ اسے قتل کیا اور نہ انہوں نے اسے صلیب چڑھایا (جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں) لیکن (حقیقت حال) ان (مقلدین) کے لیے مشتبہ کر دی گئی (بڑوں نے بعد میں آنے والوں کو شک میں ڈال دیا) جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں ہے، ”لم یقتل احد“ ولیکن ارجف یقتله فشاخ بین الناس انفسہم بیضاوی صفحہ ۱۱۳، ترجمہ: کوئی بھی قتل نہیں ہوا لیکن آپ کے قتل کا جھوٹا پروپیگنڈا کیا گیا اور وہ پروپیگنڈا لوگوں میں پھیل گیا تو بات ظاہر ہوئی کہ واقعہ قتل اور واقعہ صلیب کا قصہ ہی جھوٹ ہے۔ اور یہ جھوٹا قصہ عیسیٰ علیہ السلام کے کئی سال بعد پھیلا دیا گیا۔“ (مقیدہ قائم المین، صفحہ ۵۰-۹)

لاحظہ فرمایا موصوف نے تقبی لا جواب تشریح کی ہے، قرآن کے مدعا ہی کو بدل کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ یعنی ”اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا“ یعنی جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا تھا انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلَٰكِنْ شَہِیْدَةُ لِقَہُہٗ اور نہ تو انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا۔ اب بتائیے کہ کس کے لیے یہ معاملہ مشتبہ بنایا گیا: جنہوں نے قتل کا دعویٰ کیا، یا جن کے متعلق موصوف نے کہا ہے کہ بعد والوں کو ان کے علماء نے شک میں ڈال دیا! مع خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں مگر یہ قرآن کے اسی اہداز کو مان لیں جس اہداز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

تو پھر ان کا جھوٹا عقیدہ کیسے ثابت ہوگا؟ آگے لکھا ہے:

”شَہِیْدَةُ ماضی مجہول ہے جس میں فاعل نامعلوم ہوتا ہے“

یعنی یہ نہیں معلوم کے یہ کام کس نے کیا ہے۔ ایک طرف ان کا یہ بیان ہے اور دوسری طرف لکھتے ہیں:

”اللہ تو اپنے بندوں کو شکوک و شبہات سے نکالنے والا ہے۔ بات اصل میں

یہ ہے کہ عوام کو شکوک و شبہات میں ڈالنے والے علماء سوء اور پیران ضلالت

ہوتے ہیں تو اس دور کے بڑوں نے عوام کو دھوکہ میں مبتلا کیا۔“

یعنی یہاں موصوف نے اس بات کی وضاحت بھی کر دی کہ فاعل اللہ تعالیٰ نہیں ہے، فاعل بعد کے آنے والے علماء سوء ہیں۔ گویا ماضی مجہول کے اس صیغے کا فاعل بھی انہیں بذریعہ الہام پتہ چل گیا! اس کے بعد ”مشتبہ بنا دینا“ کی تشریح ”شکوک و شبہات“ کی گئی۔ ”مشتبہ بنا دینا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حقیقت ان پر واضح نہیں کی گئی۔ اور واضح کی بھی کیسے جاسکتی تھی یہ تو ایک حجرہ تھا کہ زندہ انسان آسمان پر اٹھالیا جائے۔ انسان کا ذہن تو نہایت ہی ناقص ہے، اس قسم کی باتیں کہاں قبول کر سکتا ہے۔ ہم کتاب اللہ کی بنیاد پر ان معجزات پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن جو انہیں اپنی ناقص عقل پر پرکھتے ہیں، وہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ ایک زندہ انسان کا آسمانوں پر جانا ممکن ہی نہیں۔ اب اگر موصوف اس بات کو مان لیں کہ یہ معاملہ انہی لوگوں کے لیے مشتبہ بنایا گیا تھا جو ان کے قتل کا دعویٰ کر رہے تھے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت کوئی ایسا معاملہ کیا تھا کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا۔ پھر موصوف نے یہ بھی لکھا:

”آپ کے قتل کا جھوٹا پروپیگنڈا کیا گیا اور پروپیگنڈا لوگوں میں پھیل گیا تو

بات ظاہر ہوئی کہ واقعہ قتل اور واقعہ صلیب کا قصہ ہی جھوٹ ہے۔ اور یہ جھوٹا

قصہ عیسیٰ علیہ السلام کے کئی سال بعد پھیلا دیا گیا۔“

پہلے قرآن کے بیان کردہ شَہِیْدَةُ لِقَہُہٗ کے معنی بدل کر شکوک و شبہات کیے پھر اسے جھوٹا پروپیگنڈا بنا ڈالا! پھر کہتے ہیں کہ یہ پروپیگنڈا ان کی وفات کے بعد پھیلا! نہ جانے یہ ساری کہانیاں انہوں نے کہاں پڑھی ہیں؟ کتاب اللہ تو اس قسم کے بیانات سے خالی ہے۔

قتل کا یہ جھوٹا پروپیگنڈا ان کے بقول عیسیٰ علیہ السلام کے کئی سال بعد پھیلا تو اس کی وجہ کیا تھی۔ اس کی دعویٰ وجوہات ہو سکتی ہیں کہ یا تو عیسیٰ علیہ السلام واقعی شہید کر دیے جاتے یا پھر وہاں حاضر نہیں ہوتے۔ ایک انسان وہاں حاضر ہو تو اس کے متعلق کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اب ان کی غیر

حاضری کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں ایک ان کی وفات یا دوسرا ان کا رفع۔ جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ "نہیں انہوں نے قتل نہیں کیا بلکہ میں نے اسے طبعی موت دی ہے"، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لَنْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ**۔ اب محمد ہادی صاحب یہ بتائیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا جھوٹا یہ وہ بیگناہ کیوں پھیلا تھا؟

یہ بات بھی ہمارے لیے باعث حیرت تھی کہ کتاب اللہ میں تو کہیں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو ہمارے ہاتھوں قتل ہو جائے وہ ایسا ہے اور ایسا ہے، موصوف نے کہاں سے اس قسم کی باتیں ڈھونڈ لیں؟ چنانچہ بڑی تحقیق کے بعد قادیانیوں ہی کی ایک کتاب سے اس قسم کی تشریحات ملیں، ملاحظہ فرمائیے:

"تفسیر آیت قرآنیہ وَمَا قَتَلْتُمُوهُ یَقِیْنًا لَنْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَیْهِ

"اصل بات تو یہ تھی کہ قرابت کی رو سے یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والا مقتول ہو جائے تو وہ منفری ہوتا ہے سچائی نہیں ہوتا اور اگر کوئی صلیب دیا جائے تو وہ لعنتی ہوتا ہے اور اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا اور یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ خیال تھا کہ، قتل بھی کئے گئے اور صلیب بھی دیئے گئے۔۔۔ یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع روحانی کے منکر تھے۔۔۔ ان کے دماغ میں حضرت عیسیٰ صلیب ہو کر لغو ذالک کا فرد یعنی ہو گئے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے نہیں گئے یہ امر تھا جس کا قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس خدا تعالیٰ نے ان آیات سے جواب دے کر ہو چکی ہیں فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ آیت وَمَا قَتَلْتُمُوهُ یَقِیْنًا

لَنْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَیْهِ اسی فیصلہ کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ دفع الی اللہ یہودیوں اور اسلام کے عقیدے کے موافق اس موت کو کہتے ہیں جو ایمان داری کی حالت میں ہو اور روح خدا تعالیٰ کی طرف جاوے اور قتل اور صلیب کے اعتقاد سے یہودیوں کا خفاء یہ تھا کہ مرنے کے وقت روح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں گئی۔۔۔ اور خدا تعالیٰ جواب میں کہتا ہے کہ بلکہ عیسیٰ کی روح کا خدا تعالیٰ کی طرف مرنے کے وقت رفع ہو گیا ہے۔۔۔ پس خلاصہ مذکور آیت کا یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے بلکہ طبعی موت کے بعد ان کا رفع الی اللہ ہوا جیسا کہ قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ "یُعَذِّبُنَا رَبُّنَا بِمَا كُفَرْنَا" اور "قَوْلُهُ طَبْعِي مَوْت دینے کو کہتے ہیں جیسا کہ صاحب کشاف نے اس آیت کی تفسیر **إِنِّي مُتَوَقِّئُكَ** میں لکھا ہے اسی ممتک حنفی انھک قرآن شریف کی یہ آیت یعنی

یَعِزُّنَا رَبُّنَا بِمَا كُفَرْنَا وَمَا قَتَلْتُمُوهُ یَقِیْنًا لَنْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَیْهِ کا فیصلہ کرتی ہے کیونکہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع زندگی کی حالت میں ہوا اور خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ موت کے بعد رفع ہوا۔

(ماہنامہ احمدیہ، رجمہ، مابقی خزائن جلد ۲۱، صفحہ ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵

ہے کہ اسلام میں اس قسم کا کوئی عقیدہ ہے۔ غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے والے یہ جوت کر کے دکھائیں کہ یہ عقیدہ قرآن و حدیث میں کہاں بیان کیا گیا ہے۔ دراصل موصوف نے یہ عقیدہ اس لیے گھڑا ہے کہ انہوں نے وطیع الی اللہ کی من مانی تشریح کرنا تھی اور اس نام نہاد تشریح کو اسلام کا عقیدہ قرار دے ڈالا۔

مگر قرآن و حدیث تمنا پھلوا رہی ہے اس کی کیا تشریح کی ہے، ملاحظہ فرمائیں: **رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَهِ:** موت کے معنوں میں ایسا مشہور معروف محاورہ ہے کہ ہر زبان میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں بھی بولتے ہیں کہ اللہ اس کو اٹھا لے گا۔ اللہ نے فلاں کو اٹھا لیا۔ (انتظار مہدی، ص ۲۳۸-۲۳۹)

مجھے علامہ غزالی نے کتنی ہوشیاری سے قرآن کے ایک خاص حکم کو عام محاورہ میں بدل ڈالا۔ لیکن موصوف نے یہ نہیں دیکھا کہ صرف **رَفَعَهُ اللَّهُ** نہیں بلکہ **رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَهِ** کہا گیا ہے۔ علامہ غزالی نے اسے محاورہ ثابت کرنے کے لیے **رَفَعَهُ اللَّهُ** کا ترجمہ اچھوڑ دیا کیونکہ اس کا ریگری کے بغیر وہ کسی طرح بھی اس قرآنی نص کو عام محاورہ نہیں کہہ سکتے تھے۔

یہ قادیانی "رفع" کے سلسلے میں ایک عقیدہ اور بھی بیان کرتے ہیں جسے مہلول محمد ہادی نے بھی اپنا یا اچھا بچہ لکھتے ہیں:

"اور انہوں نے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کو قہقہہ قتل نہیں کیا بلکہ اسے اللہ نے اپنے ہاں بلند کیا اور اللہ غالب اور محکم والا ہے۔ یہاں لوگ ترجمہ "اٹھائے" کا کرتے ہیں اور مطلب لیتے ہیں کہ اللہ نے اسے زندہ اٹھا لیا۔" حالانکہ بات یوں ہے کہ سورۃ آل عمران کی آیت ۵۵ میں آیا ہے **إِنَّا قَاتَلْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ابْنِ مَرْيَمَ وَنَافَعْنَا لِمَنْ** جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے وفات دے دے والا ہوں اور اپنے ہاں بلند کرنے والا ہوں۔ یہاں یہودیوں کے دو غلط دعووں کی تردید ہے۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں یہ اپنی بات میں جھوٹے ہیں۔ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا۔ یہودیوں کا دوسرا غلط دعویٰ یہ تھا کہ جو ہمارے ہاتھوں قتل ہو جائے وہ لعنتی اور ذلیل ہوتا ہے۔ تو یہاں ان کے دوسرے غلط دعوے کی تردید ہے کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) ذلیل و لعنتی نہیں بلکہ اللہ نے اسے بلند مقام عطا کیا ہے۔ جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ (علیہ السلام) کی والدہ (مریم صدیقہ علیہا السلام) کو بشارت دی تھی **وَيُؤْتِيكِ** **وَالْخَيْرَ وَهُوَ دُنْيَا** اور آخرت میں معزز ہوگا (آل عمران ۳۵) تو یہ بات ظاہر ہے کہ رفع سے مراد درجات عالیہ ہیں۔" (عقیدہ قائم الیقین، صفحہ ۸۷)

ان لوگوں نے رفع کو جھٹلانے کے لیے کتنی بیچ دار باتیں کی ہیں لیکن اس

بڑی طرح پھنس گئے ہیں کہ نہ اگلے چین ہے اور نہ نیگ چین۔ سعی بسیار کے باوجود یہ دونوں گمراہ گروہ اس لفظ کو ہضم نہ کر پائے۔ چنانچہ ہاضمے کی خرابی نے انہیں دھوکہ اور فریب دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ لیکن اب یہ جھوٹی تاویلوں اور بے مروت پادالیوں کے کتنے ہی انبار کیوں نہ جمع کر لیں، رفع تا قیامت انہیں ہضم نہ ہو پائے گا۔

اس موضوع پر قرآن و حدیث کے حوالے سے ان کے عقائد کا محاسبہ کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ قادیانیوں کے عقائد کا ایک خلاصہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ "مسیح ہندوستان" نامی کتاب میں غلام احمد قادیانی نے جو عقیدہ دیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے شک صلیب پر لوکائے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو صلیب سے زندہ بچا لیا۔ یہودی سمجھے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر گئے اور ان کی لاش شاگردوں کے حوالے کر دی گئی۔ اس وقت ان کی حالت مقتول اور مصلوب کے مشابہ ہو گئی تھی۔ شاگردان کو لے گئے اور ان کا علاج معالجہ کیا۔ اللہ نے ان کو شفا دی۔ اور پھر آپ ہجرت کر کے براست افغانستان کشمیر پہنچے۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں اپنی طبعی موت مرے۔ ان کی قبر کشمیر ہری نگر محلہ خانیاں میں موجود ہے۔

یہ بھی بڑی ہی عجیب بات ہے کہ یہودی سمجھے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور ان کی لاش شاگردوں کے حوالے کر دی! انسانی معاشرے میں آئے دن لوگ مرتے ہی رہتے ہیں۔ اس لیے ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ خواہ کوئی طبعی موت مرے یا کسی حادثہ کے نتیجے میں ہلاک ہو، جیسے ہی روح بدن سے جدا ہوتی ہے دیکھنے والے ایک دم سمجھ جاتے ہیں کہ موت واقع ہو چکی ہے۔ موت کی علامات بڑی واضح ہوتی ہیں۔ مرنے والے کی آنکھیں پتھر جاتی ہیں، نظام تنفس معطل ہو جاتا ہے، نبض رگ جاتی ہے، جسم بے حس ہو جاتا ہے اور کچھ دیر بعد خضہ ابو کر اکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سرسری نظر میں دیکھنے والا پہچان لیتا ہے کہ اس کے سامنے زندہ انسان نہیں بلکہ مردہ لاش ہے۔ مردے کی لاش کبھی بھی آنکھوں کو دھوکا نہیں دیتی۔ لیکن عجیب بات ہے کہ یہودی دھوکا کھا گئے! جو رات دن ان کی موت کے لیے چنناپ تھے، ایسے اندھے ہوئے کہ تصدیق ہی نہ کی کہ ہمارے اوپر فتوے لگانے والا زندہ ہے یا مردہ! بنی اسرائیل کی تو تاریخ ہی انبیاء علیہم السلام کے خون سے رنگی ہوئی ہے۔ کسی نبی کو قتل کرتے ہوئے ان کم بختوں کو یہ مغالطہ نہیں ہوا کہ مقتول مر چکا ہے یا نہیں۔ لیکن شاید واقعہ صلیب کے موقع پر یہ سارے ہی اندھے ہو گئے تھے! ایک زندہ انسان کو مردہ جان کر شاگردوں کے حوالہ کر دیا، ہے نا عجیب بات! اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ کہ مرزا جی

نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بروح القدس سے ساتھ لیا، عرب و غم عبور کرائے، ہزاروں میلوں کا سفر طے کرا کے سری نگر پہنچایا، لیکن ذرا آگے اپنے شیر قادیان لے جانا پسند نہ کیا۔ کیوں کہ ان کے پیش نظر سب سے بڑا مسئلہ قبر کا تھا! یعنی مرزا جی اگر قادیان میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی قبر بناتے تو مقامی لوگ پوچھتے کہ یہ کس کی جموٹی قبر بنارہے ہو؟ چنانچہ مجبوراً انہیں سری نگر کی کا انتخاب کرنا پڑا۔ اب نہ کوئی تحقیق کرنے جائے گا اور نہ ان کے مسموت کا بھانڈا پھولے گا۔ قرآن وحدیث اور مستند تاریخ کی روشنی میں ایسی کسی قبر کا کوئی وجود نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سری نگر کے محلہ خانیار میں کسی "عیسیٰ خان" کی قبر ہو جس کے ساتھ ہی ان کے بھائی "موسیٰ خان" کا مزار بھی ہو جسے مرزا قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کی قبر قرار دے دیا۔ جہاں تک عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا سوال ہے تو دمشق کا ہنسارۃ البیضا ان کا منظر ہے۔

قارئین عیسیٰ علیہ السلام کے توفیق اور رفع کے بارے میں قرآن کا موقف ہم تفصیلاً اوپر بیان کر چکے ہیں لیکن جو شکوک و شبہات ان لوگوں نے پھیلانے ہیں، اس کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ تھوڑی سی تفصیل دوبارہ بیان کی جائے تاکہ ان کی مغالطہ آرائیوں کا پول کھولا جائے۔

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تَكْفُرُوا﴾ "انہوں نے (یعنی یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیریں کیں۔" یہ خفیہ چالیں کس کام کے لیے تھیں: ﴿وَقَوْلُهُمْ قَاتِلُوا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ الَّذِي كُنْتُمْ مُوعَدُونَ﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو قتل کر دیا۔" گویا کہ یہودی اس بات کے خواہاں تھے کہ کسی طرح اس شخص کا کام تمام کر دیا جائے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت آجائے: ﴿وَمَكَرُوا آلِهَةً وَآلِهَتُهُمْ آلِهَاتُ الْكَافِرِينَ﴾ اور اللہ نے بھی تدبیر کی، اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ "یہودی ان کی موت کے لیے چالیں چل رہے تھے اور ان کی ان چالوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے "خفیہ تدبیر" کی! وہ خفیہ تدبیر کیا تھی: ﴿لَقَدْ عَلَّمْتُمُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ قُرْآنًا مِّنْ قَبْلِ هَٰذَا وَلَئِنْ نَسِيتُمْ لَبِثَتْ مَسِيطَ الْإِنسَانِ مِن قَبْلُ إِذْ وَضَعُوا الْقُرْآنَ يَافِعُونَ لَهُ﴾ "جب اللہ نے کہا: "اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لے لوں گا اور تجھے اٹھالوں گا اپنی طرف۔" معلوم ہوا کہ اللہ کی "خفیہ تدبیر" عیسیٰ علیہ السلام کا "رفع" تھا جیسا کہ سورہ مائدہ (آیت ۱۱۰) میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَفَضْنَاكَ رَبَّنَا رَبِّكَ نَجَّىٰكَ مِنَ الْمُنَافِقِينَ﴾ اور جب میں نے تمہیں بنی اسرائیل سے بچالیا تھا، یعنی اللہ نے بنی اسرائیل کی چالوں کو ناکام بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان سے بچالیا۔

آپ نے گزشتہ طور میں دیکھ لیا ہوگا کہ ان دونوں گمراہ گروہوں نے قرآنی آیت ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے، اگر

یہاں بنی اسرائیل کو بھلا دیا جائے تو پھر بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا خفیہ تدبیر کی؟ کیونکہ یہودی ان کی موت کے خواہاں تھے جس کے لیے وہ خفیہ چالیں چل رہے تھے: ان کی چالوں کے مقابلے میں اللہ نے بھی "عیسیٰ" "خفیہ تدبیر" کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو موت کا ہی پیغام سنا دیا! یعنی جو یہودی چاہتے تھے وہی بات اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی کہ اے عیسیٰ! یہ یہودی تمہاری موت چاہتے ہیں اور میں بھی تمہیں موت دے دوں گا! یہ کتاب اللہ ہے، اللہ کا کلام ہے اور یہ اس کے ساتھ مکمل رہے ہیں! حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے یہودیوں کی خواہشات کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو موت سے ہٹا کر انہیں فرمایا بلکہ فرمایا: ﴿وَمَا أَفْعَلْنَاكَ إِلَّا حَكِيمًا﴾ "وہ اللہ تعالیٰ نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔" یہ تھی وہ خفیہ تدبیر جو اس غالب اور حکمت والے رب نے کی۔ روح نہیں اٹھائی تھی بلکہ ان کا جسمانی رفع کیا گیا۔ اس سے قبل اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ موت کے وقت فرشتے روح لے کر جاتے ہیں، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع میں غافل خالص اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے، فرشتے نہیں۔

اب بات ہوتی ہے اس من گھڑت عقیدے کی جو منکر حدیث اور قادیانیوں کے درمیان مشترک ہے۔ قادیانیوں نے مسیحیوں کے بارے میں لعنتی اور زلیں ہونے کی ایک خود ساختہ تفسیر بیان کی اور محمد ہادی نے حسب سابق اس پر بھی ایمان لاتے ہوئے لکھا:

"وہ عیسیٰ (علیہ السلام) ذلیل و لعنتی نہیں بلکہ اللہ نے اسے بلند مقام عطا کیا ہے۔ جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ (علیہ السلام) کی والدہ (مریم صدیقہ علیہا السلام) کو پیش رفت دی تھی ﴿وَجِئْنَا بِكَ الْبُشْرَىٰ وَهُوَ دُنْيَا أَوْ آخِرَتِ﴾ میں معزز ہوگا۔" (عقیدہ و نام انہیں صفحہ ۸۶)

انہیں قرآن کے بیان کردہ "رفع" کا ہر حالت میں انکار کرنا مقصود تھا، لہذا اب کسی ایسی ہی تاویل کی ضرورت تھی۔ اسی لیے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے کہہ دیا جیسا کہ مریم صدیقہ کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا۔ مریم صدیقہ نہایت ہی غلت آزمائش میں مبتلا تھیں۔ اس پاک باذخاتون کو اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اے مریم! دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس عظیم مشن کے لیے منتخب کیا ہے، جو تمہارے وطن سے یہاں ہوگا وہ کن کن صفات کا حامل ہوگا: اللہ نے اسے اس دنیا میں بھی معزز بنایا ہے اور آخرت میں بھی۔ مریم صدیقہ کو صرف اسی شخص (عیسیٰ علیہ السلام) ہی کی بابت بتانا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بابت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ یہ دنیا میں بھی معزز ہوگا اور آخرت

وَالَّذِينَ لَا تَغْنَى الْاِكْبَالُ وَلَكِنْ تَغْنَى الْغُلُوبُ الْبَقِي فِي الضُّوَرِ

(الحج ۱۳۶)

”بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دلی جو سینہ میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔“

یہ پڑھ کر ہماری تسلی ہو گئی کہ اللہ کا شکر ہے موصوف کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں اور یہ کوہِ پین کسی اور ہی جگہ ہے!

اب سوال یہ ہے کہ بقول ان صاحبِ کتاب کے جوہنیؑ کا زعمہ آسمانوں پر نہیں اٹھائے گئے، تو پھر وہ گئے کہاں؟ موصوف کو معلوم تھا کہ یہ سوال ہو گا لہذا انہوں نے جواب کی ”مکمل“ تیاری کر رکھی تھی، ملاحظہ فرمائیے:

”ان سارے دلائل کے باوجود عیسائیوں کے باطل نظریات سے متاثر ہو کر نزولِ مسیحؑ کے قائلین پوچھتے ہیں کہ جب نسل ہوئے اور نہ سولی چڑھے اور نہ آسمانوں پر گئے، تو آخر جوہنیؑ کہاں گئے؟ معلوم ہونا چاہیے کہ سورۃ الصف کے آخر میں آیا ہے کہ جب عیسیٰؑ نے دعوت دی تو خواری ایمان لے آئے جوہنیؑ کے ساتھی بنے اور آخر کار وہ غالب آئے۔ عیسیٰؑ مغلوب نہ تھے جیسا کہ نادانوں نے عیسائیوں کی کتابوں سے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذَّبَ اللَّهُ تِلْكَ الْقُلُوبَ اَنَّا وَرَسُولُنا اِنَّا اَنَّهُ قَدْ عَلِمَ عَلَيْنَا (سورۃ معادہ آیت 2۶) ترجمہ۔ مقرر کیا ہے اللہ نے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ بیشک اللہ ضرور اور اور غالب ہے۔“ (مقبولہ خاتم الامین صفحہ ۷)

قارئین! ہم نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس جواب کی ”مکمل“ تیاری ہے۔ ظاہری بات ہے کہ ایک آدمی جب قرآن کی آیات سے جواب دے رہا ہے تو کون شک کرے گا۔ لیکن نہ جانے کیوں ہمیں شک ہونے لگا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ پوری کتاب میں انہوں نے قرآنی آیات کی تشریح چاہے شیطان کے الفاظ میں کی ہو، لیکن اپنے دلائل کے لیے قرآن کی آیات جمع تر جرجیش کی ہیں۔ لیکن یہاں انہوں نے صرف یہ کیوں لکھ دیا: ”معلوم ہونا چاہیے کہ سورۃ الصف کے آخر میں آیا ہے کہ۔۔۔۔۔“ اپنے اس شک کی وجہ سے ہم نے پوری سورۃ الصف پڑھ ڈالی، لیکن پتہ نہ چل سکا کہ عیسیٰؑ کہاں گئے۔ ہم نے سنا سنا شاید ہمیں دھوکہ ہو رہا ہے ہم سورۃ الممتحنہ یا سورۃ المومنین پڑھ گئے ہیں۔ دیکھ دیکھ کر سورۃ الصف پڑھی کہ عیسیٰؑ کہاں گئے لیکن ہم ڈھونڈتے ہی وہ گئے۔ پھر ہم نے ان علامہ کی تحریر کو غور سے پڑھا، لکھا تھا:

”کہ جب عیسیٰؑ نے دعوت دی تو خواری ایمان لے آئے جوہنیؑ کے ساتھی بنے اور آخر کار وہ غالب آئے۔“

ابا لب جوہنیؑ نہیں بلکہ جوان کے ”خواری“ تھے، وہ غالب آئے۔

تو انھوں نے اٹھا، اٹھا پڑا دھوکہ! ایک سطر میں لکھا ہے:

”تو آخر عیسیٰؑ کہاں گئے؟“

اور ایک سطر چھوڑ کر لکھا ہے:

”جوہنیؑ کے ساتھی بنے اور آخر کار وہ غالب آئے۔“

قارئین! آپ بھی سورۃ الصف کی یہ آیت بنورِ پڑھیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَصْـَٔدَ لِلَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَإِذَا دُفِنْتَ كَأَيْفَ تُحْيَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَكَفَرْتَ بآيَاتِنَا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَذُوبِهِمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ (الصف: ۱۳)

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ جس طرح مریم کے بیٹے عیسیٰ نے خواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ خواریوں نے کہا ہم مددگار ہیں۔ پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک نے کفر کیا۔ پس ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں سے مقابلے پر مدد کی تو وہ غالب آ گئے۔“

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو ان کی زندگی ہی میں یہ خوشخبری سنائی تھی:

فَإِذَا أَنشَأَ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْفِرْقَةَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ مَا كُنَّا بِاللَّهِ وَآيَاتِهِ إِلَّا كَافِرِينَ رَجَعْنَا إِلَى اللَّهِ خَائِرِ الْمَخْلُوقِينَ فَإِذَا قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ (آل عمران: ۵۵)

”عجیب عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے محمود کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں تو کہا: کون ہے اللہ کی راہ میں میرا مددگار؟ خواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کی راہ کے مددگار، ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ گواہ ہیں کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی پیروی کی، پس تو ہمارا نام شاہدوں میں لکھ لے۔ اور انہوں نے (یعنی یہودیوں نے عیسیٰ کے خلاف) خلیفہ تدبیریں کیں اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ میں (دنیا میں) تیری مدت پوری کر کے تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا اور ان کافروں سے تجھے پاک کر دوں گا، اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر عادی رکھوں گا جنہوں نے انکار کیا ہے۔“

قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر مسلمانوں کے ایک گروہ نے ایک گمراہی پر چڑھ کر یسوعیوں کی خفیہ تدبیروں کے مقابلے میں اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی طرف اٹھا کر ان کافروں سے پاک کروں گا، یعنی تمہیں ان کے درمیان نہیں چھوڑوں گا، اور جو تمہارے متبعین ہیں انہیں قیامت تک کے لیے ان کافروں پر غالب کروں گا۔ یہ ہے سورۃ الصف کا وہ بیان جس کو بنیاد بنا کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اب آیۃ سورۃ المجادلہ کی آیت کی طرف جو محمد ہادی نے اسی بات کی دلیل میں پیش کی ہے اور کہا ہے کہ

”عیسیٰ علیہ السلام مغلوب نہ تھے جیسا کہ تادانوں نے مسلمانوں کی کتابوں سے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَيْنَا أَنَّكَ وَرُسُلُكَ لِرَبِّكَ قَبِيحٌ قَبِيحٌ (سورۃ مجادلہ آیت 21) ترجمہ۔ مقرر کیا ہے اللہ نے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ بیشک اللہ زور آور اور غالب ہے۔“

اس آیت کو پیش کرنے کا ان کا مقصد یہی ہے کہ یہ اللہ کا فرمان ہے کہ میں اور میرے ہمارے رسول غالب رہیں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اٹھا لیا تو اس کا مطلب ہے کہ نعوذ باللہ وہ مغلوب ہو گئے اور ایسا کہنے والے کو یا اللہ کے فرمان کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہی انبیاء علیہم السلام شہید کر دیے گئے، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ اب اگر موصوف عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کو اپنی دانست میں مغلوب ہونا سمجھتے ہیں تو پھر ان انبیاء علیہم السلام کے حلق ان کا کیا خیال ہے آیا وہ غالب ہوئے یا مغلوب؟

در اصل موصوف کی گمراہی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو انسانوں کی لکھی ہوئی تفاسیر بالخصوص اپنے جیسے یعنی بیضاوی، قرطبی وغیرہ سے سمجھنے کی کوشش تو کی لیکن مفسر قرآن رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کو، جو مالک کا کات تے وحی کے ذریعے عطا فرمائی تھی، مشکوک قرار دے کر قرآن کی ہدایت سے خود کو محروم کر لیا۔ ایسے بد نصیب لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُوْنَ اَنْ يَكُنَّ اَكْفَارًا اِلَى السَّاعَةِ وَقَدْ اُوْمِرُوْا اَنْ يَكْفُرُوْا بِمَا وَرِثُوْا مِنَ الشَّيْطٰنِ اَنْ يُعْبِدُوْهُ صُلٰٓةً لَا يُغَيِّرُ (النساء: ۲۰)

”(اے نبی ﷺ)، کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ تو اس بات کا کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تم پر نازل ہوا ہے اور جو تم سے پہلے نازل ہوا ہے، مگر چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں۔ حالانکہ انہیں تو طاغوت کے کفر کرنے کا حکم

دیا گیا تھا۔ اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ کہ انہیں بھوکا کر گمراہی میں ڈال دے جائے۔“

ہادی ایڈ کمپنی بھی اپنا نام ”مسلمین“ رکھ کر اسی بات کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن انہیں قرآن سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کی تفسیر بالکل اچھی نہیں ملتی بلکہ ان کی من پسند تفاسیر تو تفسیر بیضاوی، تفسیر قرطبی وغیرہ ہی ہیں۔ اگر ان تفاسیر میں کوئی بات قرآن و حدیث کے مطابق بیان ہوئی اور یہ اسے ہی پیش کرتے تو خیر صحیح تھا، لیکن انہوں نے تو اپنا سارا دین ہی ان تفاسیر کی ربط و پائس اور قادیانی اور منکرین حدیث کی کتابوں سے سیکھا ہے اور انہی کے یہ حوالے بھی دیتے ہیں۔ اگر قرآن کی تفسیر نبی ﷺ کی احادیث کے مطابق کی جاتی تو پھر ان کا موجودہ دین ایک لمحہ بھی قائم نہ رہ سکتا تھا۔

سورۃ مجادلہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کسی ایک رسول کے نہیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے غلبے کا بیان فرمایا ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام جو شہید کر دیے گئے یا ہجرت پر مجبور کیے گئے یا عیسیٰ علیہ السلام، جن کا رفع ہوا، سب کے لیے اس میں غلبے کا لحاظ ہے۔ انسان کا ذہن تو نہایت ہی کمزور ہے، وہ اگر اپنے دماغ سے سوچے تو لا تعداد باتوں کا انکار کر دے جیسا کہ یہ منکر حدیث زہر بحث اللہ کے اس معجزہ رفع کا انکار کرتے ہیں، لیکن یہی باتیں اگر قرآن کی دیگر آیات اور اس تفسیر کی مدد سے سمجھی جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر وحی فرمائی ہیں، تو پھر کسی قسم کا کوئی شک نہیں رہتا۔ اب ہم اس مسئلہ کو احادیث سے سمجھتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ خَشِيَ تَعْبُدَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ - فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَا اُطْلُ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَكَ بِالْهُدٰى وَوَجَّهَ الْحَقِّ اِلٰى قَوْلِهِ وَلَوْ كُيُوْمُ الْمُشْرِكُوْنَ اَنْ ذٰلِكَ نَامٌ قَالَ اِنَّهُ سَبْخُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَتَوَفّٰى كُلُّ مَنْ فِىْ قَلْبِهِ مَغْطٰلٌ حَتّٰى مَنْ خَوَّلَ مِنْ اِيْمَانٍ لِّمَنْ فِىْ قَلْبِهِ مِنْ لَّغْوٍ فِىْهِ فَيُزْجَعُوْنَ اِلٰى دِيْنِ اٰمَانِهِمْ

”مسلم: کتاب الفتن والشرائط الساعة باب لا تقوم الساعة حتى تعبدوا من ذا الخلعة“
”عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے سنا نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے رات اور دن ششم نہ ہوں گے جب تک لائت اور عزی وہ بارو سے نہ پوچھے جائیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَكَ بِالْهُدٰى وَوَجَّهَ الْحَقِّ اِلٰى قَوْلِهِ وَلَوْ كُيُوْمُ الْمُشْرِكُوْنَ (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا

دین دے کر بھیجنا تاکہ اس کو غالب کر دے سب ادیان پر اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی برا لگے، یہ وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ایک یا کثیر ہوا جیسے گا جس کی وجہ سے ہر وہ مومن جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا مر جائے گا۔ پھر وہ لوگ رہیں گے جن میں بھلائی نہیں، پھر وہ باپ دادا کے دین پر لوٹ جائیں گے۔

مسلم کی دوسری روایت میں بیان کیا گیا کہ:

.....إِذْ نَعَثَ اللَّهُ رِفْحًا طَيِّبَةً فَنَأْخُذُ هُمْ تَحْتَ أَسْجَادِهِمْ
لَتَقْبِضَ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَتَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ
يَنْهَارُ بَحْرُونَ فِيهَا تَهْلُجُ الْحُشُرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ الشُّعَّةُ (ابن ماجہ)
”..... اسوقت اللہ تعالیٰ ایک پاک ہوا جیسے گا کہ ان کی بفلوں کے نیچے لگے گی اور اثر کر جائے گی تو ہر مومن اور مسلم کی روح قبض کر لے گی اور صرف بدترین انسان ہی رہ جائیں گے، وہ آپس میں گدھوں کی طرح لڑیں گے، ان پر قیامت قائم ہوگی۔“

واضح ہوا کہ دین کے غلبے کا وقت قرب قیامت ہے۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین بھی وہی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک دین کو غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ کسی کی قوم سے ایک فرد ایمان لایا اور کسی نبی کی ساڑھے تو سو سال کی تبلیغ کے بعد بھی اسے ہی افراد ایمان لائے کہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ لوط علیہ السلام کی قوم میں صرف ایک گھر ایمان والوں کا نکلا۔ کوئی نبی شہید کر دیا گیا، یا کسی کو اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔ کوئی جیل میں قید کیا گیا تو کوئی حاکم بنایا گیا۔ اس سب کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ اور اس کے تمام انبیاء علیہم السلام غالب ہو کر رہیں گے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی ایک دین کے غلبے کے لیے جدوجہد کی ہے، جو مرداری جس کو سونپی گئی، اس نے اسے پورا کیا ہے۔ قرب قیامت یہی دین غالب ہو جائے گا۔ دنیا میں کوئی اور دین باقی نہ بچے گا۔ یہی ہے اللہ کا فرمان کہ ”اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔“ (پاک اللہ زور آور اور غالب ہے۔“

تو موصوف نے اس آیت کو پیش کر کے دھوکہ دینے کی جو کوشش کی تھی کتاب اللہ نے اس کا بھی پردہ چاک کر دیا۔
یہاں قادیانیوں کی ایک اور مخالفہ آرائی کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔
بَلْ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرًا ۚ إِنَّكَ كَادِحٌ عَلَىٰ رَبِّكَ بِإِلَٰهِكَ الْكَافِرِ (سجۃ ۲۲)
”یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اب اگر خدا کی طرف اٹھائے

جائے۔ کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کئے جائیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ آسمان تک محدود ہے۔ کیا اسلامی تعلیم کی رو سے خدا ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں کیا وہ زمین پر موجود نہیں؟“
(حضرت سید محمد علی علیہ السلام کا وصال صفحہ ۲۳)

معمولی غور و فکر کرنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات عقل سلیم سے بہت کرادب و محاوروں کو پس پشت ڈال کر کہی گئی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے حوالے سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے لیکن اپنی ذات کے حوالے سے وہ مستوی عرش ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہے:

الَّذِينَ عَلَى الْعَرْشِ مُتَوَلِّوْنَ (طہ ۵)
”رحمن عرش پر مستوی ہے۔“

غایت ہوا کہ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرًا سے مراد صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر اٹھایا جانا ہے۔ اسی حوالے سے یہی مصنف صفحہ نمبر ۱۵-۱۶ پر یہ بھی لکھتا ہے کہ معراج کی رات نبی ﷺ نے صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھا۔ اور بھی اللہ تعالیٰ کو سب ہی وفات شدہ مانتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بھی موت کے بعد ان کے جسم کو چھوڑ گئی اور وہ روح فوت شدہ لوگوں کے ساتھ ہے۔ یہ بات بھی کور عقل ہی کہہ سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ معراج ایک معجزہ ہے۔ اور معجزہ کبھی بھی عام قوانین پر دلیل نہیں بنتا لہذا معجزے کو بطور دلیل استعمال کرنا محض جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔ نبی ﷺ کا ایک رات میں اپنے جسم کے ساتھ مسجد اقصیٰ جانا اور پھر تمام آسمانوں پر جانا، ایک عام طریقہ نہیں بلکہ معجزہ تھا۔ اگر کوئی کہے کہ صلوٰۃ بھی اسی رات فرض ہوئی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صلوٰۃ کی فرضیت اللہ تعالیٰ کا ایک حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا پابند نہیں کہ وہ کس صورت میں اپنے احکامات بیان کرے۔ اس پر بھی اگر یہ لوگ اسی حوالے سے یہ بات بیان کرتے ہیں تو اس بات کی وضاحت کریں کہ کیا یہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی زمین پر حاضر مانتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اسی رات مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی تھی جو اسی زمین پر واقع ہے۔ تو گویا نبی ﷺ بھی انہی وفات شدہ روحوں کے ساتھ تھے۔ پھر آسمانوں پر وفات شدہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نبی ﷺ کی ملاقات ہوئی، تو کیا مردہ اور زندہ کی ملاقات بھی ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو پھر وفات شدہ روحوں کے ساتھ رفع شدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں مل سکتے؟ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس دیکھا وہ طواف کر رہے تھے (مسلم: کتاب الایمان، باب الامراء)، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیا میں کعبہ کے پاس ہی کہیں ہیں؟

علاؤ اللہ فرمائیں کہ مرزا غلام احمد نے وَمُطَهِّرُ الْقُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا اور ان کافروں سے تجھے پاک کر دوں گا کی کیا تشریح کی ہے:

”وَمُطَهِّرُ الْقُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا جو وعدہ دفع کے بعد تھا آنحضرت ﷺ کے عبور سے پورا ہو گیا کیونکہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دامن کو اپنے چاکھٹوں سے پاک کیا جو یہود اور نصاریٰ نے ان پر لگا رکھی تھیں۔“

(مذاہب احمدیہ حصہ پنجم، رومانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۳۹)

دیکھا آپ نے مرزا نے کیا کارنامہ دکھایا ہے! قرآن کے اس بیان کو وعدہ مطہر تک کہہ کر اس کے مفہوم کو بدل ڈالا مالک فرماتا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے ان کافروں سے پاک کر دوں گا، یعنی تجھے ان کے درمیان نہ چھوڑوں گا بلکہ تجھے انھوں کا اور انہوں نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ تیرے اوپر لگی ہوئی جتنی کوہوں والوں کا!

صحت رسول کے محافظ!

قادیانیوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا رفع کسی حالت میں قبول نہیں۔ انہوں نے تو ہر حالت میں عیسیٰ علیہ السلام کو مارتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہیں تو پھر ان کا ”صبح“ اور ”عصر“ کا عقیدہ باطل ٹھہرتا ہے۔ لہذا اب دوسرے انداز میں اس رفع کو جھٹلانے کے لیے یہ لوگ درج ذیل آیت اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں:

وَيُؤَيِّنُ لَكُم بَيْتًا فِيهِ تَخْرُجُونَ أَوْ تُرَفَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرَفْعِهِ حَتَّىٰ تَأْتِيَكُمُ الْبُرُوقُ أَقْلُ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ (اسی سورہ بقرہ: ۹۳)

”(کہتے تھے ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ)۔۔۔ یا تیرے لیے سوتے کا ایک گھر بن جائے، یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تمہارے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تمہارے لیے ایسی کوئی تحریر نہ لے آئے جسے ہم پڑھیں۔ اے نبی! ان سے کہدو پاک ہے میرا رب، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے علاوہ بھی کچھ ہوں۔“

اس آیت کی تشریح میں احمدی قلم کار لکھتا ہے:

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا کہ ایک بشر کا وعدہ آسمان پر جانا خدا کی سنت اور وعدہ کے خلاف ہے اور خدا اس بات سے پاک ہے کہ خود اپنے فیصلوں کو توڑے۔ غور کا مقام ہے کہ کفار عرب نبی کریم ﷺ جیسے عظیم شخص انسان سے آسمان پر جانے کا بیخودہ طلب کرتے ہیں اور اس قسم کا مجروحہ

دیکھتے پر ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ صاف جواب دیتے ہیں کہ میں تو صرف ایک بشر ہوں اور کوئی بشر آسمان پر وعدہ نہیں جاسکتا۔“

پھر ایک شعر داغ جاتا ہے:

غیرت کی چائے بھلی زرخہ ہو آسمان پر..... مدقون ہوزمین میں شاہ جہاں ہمارا
(حضرت مسیح مہدی کا وصال ۱۳۳۰ھ)

ایک اور احمدی نے اس طرح خامہ فرسائی کی:

”کس طرح ممکن ہے کہ وہ جسے اللہ تعالیٰ نے ذرا سا خطرہ دیکھ کر آسمان پر اٹھایا، اوتی زرخہ کا ہو اور وہ جس کا دور دورہ دیکھ دشمنوں نے قاتل کیا مگر خدا تعالیٰ نے اسے ستاروں تک بھی نہ اٹھایا، اعلیٰ ہو۔ اگر فی الواقع کج اللہ تعالیٰ آسمان پر ہیں اور ہمارے سرور و آقا زمین میں مدقون ہیں تو ہمارے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی موت نہیں اور ہم سب کو مزہ بھی نہیں دکھا سکتے، مگر نہیں یہ بات نہیں، خدا تعالیٰ اپنے پاک رسول سے یہ سلوک نہیں کر سکتا۔“

(دعوت الامیر صفحہ ۱۵ امر ڈاکٹر الشیر الدین محمود احمد قادیانی)

”..... ان سے کہدے کہ میرا رب ہرگز وہی سے پاک ہے میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں لیکن حضرت مسیحؑ کو وہ آسمان پر اٹھا کر لے جائے جب محمد رسول اللہ ﷺ کا سوال آئے تو انسانیت کو آسمان پر چڑھنے کا مخالف بتایا جائے، لیکن جب مسیح کا سوال آئے تو بلا ضرورت ان کو آسمان پر لے جائے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ کج اللہ تعالیٰ آدمی نہیں تھے بلکہ خدا تھے۔ خود باللہ من ذالک۔ یا پھر یہ نتیجہ نکلے گا کہ آپ رسول کریم ﷺ سے افضل تھے اور اللہ کو زیادہ پیارے تھے مگر جب کہ یہ بات ائمہ من القمیس ہے کہ آنحضرت ﷺ سب رسولوں اور انبیاء سے افضل ہیں تو پھر کس طرح عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ تو آسمان پر نہ جائیں بلکہ اسی زمین پر فوت ہوں اور زمین کے نیچے دفن ہوں، لیکن کج اللہ تعالیٰ آسمان پر چلے جائیں اور ہزاروں سال تک وعدہ رہیں۔“ (ایضاً: صفحہ ۱۶)

سبحان اللہ! جس شخص نے ختم نبوت کے مرکزی عقیدے میں نقب لگائی، اس کے پیروکار اب عصمت رسول کے محافظ بن بیٹھے ہیں! چہ خوب..... اور چہ رسول کے تکلف میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ نبی ﷺ کو اپنی تحریروں میں کہیں آقا اور کہیں شاہ جہاں جیسے القابات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ہمسربانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ رع زبان بگڑی تھی خبر لیجئے وہی بھی بگڑا

شرک تو ان قادیانیوں کو مرزا صاحب سے ورثے میں ملا ہے۔ مرزا کی تصنیفات

یہ بات تو ہوتی اس ظلم عظیم کے حوالے سے جو اس شعر سے ہو رہا ہے۔
اب ذرا اس عذر ٹک کا جائزہ بھی لے لیجئے جو دفع عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے میں
مانع ہے۔ یعنی ہمارے نبی ﷺ آسمان پر نہیں جاسکتے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ عیسیٰ
علیہ السلام اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر جائیٹھے ہوں۔ کاش کہ جماعت
احمدیہ کے ترجمان اس جعلی محبت کا ذرا اور مظاہرہ کرتے اور اس طرح کے دو چار
اعتراضات مزید داغ دیتے مثلاً یہ بھی کہہ دیتے کہ ہمارے نبی ﷺ کے باپ
بھی تھے اور ماں بھی تھیں، اب کیسے ممکن ہے کہ آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے اور
عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہو گئے! ہمارے نبی ﷺ نے تو کوئی مردہ زندہ
نہیں کیا، یہ کیسے ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نطقِ باذنِ اللہ کی پکار سے مردوں کو
افشا کھڑا کرتے تھے! ہمارے نبی ﷺ کے ذریعے تو کوڑھ کا کوئی مریض صحت
یاب نہیں ہوا، کیسے ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کوڑھ کے مریضوں کو تندرست
کر دیتے ہوں! عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے کی شکل بناتے اور اس پر پھونکتے
تو اللہ کے علم سے وہ ایک زندہ پرندہ بن جاتا، لیکن نبی ﷺ کے ساتھ ایسا نہ ہوا
..... اب ہم کیا مت دکھائیں گے عیسائیوں کو! ہمیں موت کیوں نہ آگئی!.....
حقیقت کو بھٹانے کے لیے حماقت کا راستہ ہی اپنانا تھا تو وہ قدم اور آگے
چلے جاتے اور کہتے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بیان کیا ہے، کیا اللہ
تعالیٰ کو وہ نبی ﷺ سے زیادہ پیارے تھے؟ کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ
نے کلام فرمایا، کیا موسیٰ علیہ السلام اللہ کو نبی ﷺ سے زیادہ محبوب تھے؟ پھر کہتے کہ
موسیٰ علیہ السلام کا عصا تو سانپ بن جاتا تھا، اب ہم یہودیوں کو کیا مت دکھائیں
گے کہ ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ ایسا نہ ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو سلیمان
علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا، ہوا پر ان کو قدرت دے دی تھی، جانوروں کی بولیاں
انہیں سمجھا دی تھیں، اب ہمیں موت آجائے کہ ہمارے نبی ﷺ کو ایسی کوئی چیز نہ
ملطائی گئی..... کیا صرف عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے ہی غیور باللہ نبی ﷺ کی توبین
ہوگئی! آخر یہ سب کیوں لکھا جا رہا ہے؟ فقط اس لیے کہ رفع باطل ثابت ہو جائے،
عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت ہو جائے اور پھر مرزا قلعون کو نبی مان لیا جائے!
سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۵۳ میں اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لیے فرماتا ہے
کہ ”ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی“۔ کسی نبی کو کوئی معجزہ عطا فرمایا گیا کسی کو

قَالُوا يَنْبُؤُهُ فَذَّجَدْنَا لَهَا كَلِمَتَيْنِ لَنُحْدِلَهَا فِيهَا نَفْسًا فَاسْتَأْذَنَّا عَنْهَا لَنُغْلِبَنَّهَا فَنَادَتْ
مِنْ الظُّلُمِثِثِ (معد ۳۳، ۳۴)

”انہوں نے کہا اے نوح! تم نے ہم سے بہت جھگڑا کر لیا اب تو ہمیں وہ عذاب
لے آئے جس کی تو ہمیں وحشی دیتا ہے، اگر تو رچا ہے۔ (نوح علیہ السلام نے) کہا
وہ تو اللہ ہی لائے گا۔“

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَعْنُ الْاِكْبَرُ وَشِئْتُمْ لَكُمُ وَلَكِنْ لِّلّٰهِ يَمْعُنُ

عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُم بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ اللّٰهِ قَلْبُكَ فَتَوَكَّلْ اَلْمُؤْمِنُوْنَ (ابراہیم: ۱۱)

”مومن کے رسولوں نے ان سے کہا ہم کچھ نہیں ہیں مگر انسان تم ہی جیسے، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ کوئی نثانی تمہارے لیے آئیں مگر اللہ کے حکم سے، اور مومن تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاتِيَ بِآيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (الہود: ۷۸)
”اور کسی رسول میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ کوئی نثانی لے آتا مگر اللہ کے حکم سے۔“
وَيَعْلَمُوْنَ اَنْ لَّوْلاَ اَنْزِلَ عَلَيْنَا اَيَةُ مِنْ رَبِّنَا فَهَلْ اِنَّمَا التَّخَفُّؤُا بِمَا نَسْتَعِظُ مِنْهُ الْمُنْتَظِرِيْنَ (ہود: ۴۰)

”اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری اس (نبی) پر کوئی نثانی اس کے رب کی طرف سے؟ کہہ دیجیے ہوئی ساری باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، سو تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔“

وَقَالُوا لَوْلَا اَنْزِلَ عَلَيْنَا اَيَةُ مِنْ رَبِّنَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الذُّرِّ اِنْ يُّنَزِّلُ اَيَةً (ہود: ۳۷)

”کہتے ہیں اس (نبی) پر کوئی نثانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہیں ہوتی؟ کہو اللہ نثانی اتارنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

اِنَّ يَتُخَوَّفُ اَلْوَلَا اَنْزِلَ عَلَيْنَا مِثْلَ مَا تَتْلُوْنَ (الہود: ۲۱)
”اگر تم کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ (اللہ فرماتا ہے) تم تو محض خبردار کرتے ہو اور تمام چیزوں کا حوالہ دار اللہ ہے۔“

”وہ ہے تخریج اس بات کی کہ
”اے نبی ان سے کہہ دیا کہ ہے میرا رب، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے علاوہ بھی کچھ ہوں؟“

”کی نثاب کا لانا، مجھ سے دکھانا، کسی انسان کو زندہ آسمان پر لے جانا..... کسی انسان کے بس کی بات نہیں، لیکن اللہ کے لیے یہ سب کام بہت آسان ہیں۔
”کہہ آیت میں شہیدانِ دینی کے یہی معنی ہیں کہ ”وہ ہرگز دوری سے پاک ہے۔“

”کہتے ہیں: ”میں تو صرف ایک بشر ہوں اور کوئی بشر آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔“
”تو میں کہاں دکھا ہے اس آیت میں کہ ایک زندہ انسان آسمانوں پر نہیں جاسکتا؟“

”تو یہ بیان کی گئی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت نہیں بخشی کہ میں

اپنے تئیں آسمان پر چڑھ جاؤں۔ جس سورۃ کا یہ حوالہ دے رہے ہیں اس سورۃ کی تو ابتداء ہی اس اعلان سے ہوئی ہے کہ

”پاک ہے وہ، جو لے گیا اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک، جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائے۔“

دیکھیں کس انداز میں اُس آیت کی وضاحت ہو گئی۔ ”پاک ہے وہ“ کہہ کر بتا دیا کہ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ قرآن کے اس بیان کی مکمل تفصیل اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بیان فرمادی کہ کس طرح سواری پر سوار ہو کر، تمام آسمانوں پر گئے اور وہاں پنج وقتہ صلوٰۃ کا حکم ملا۔ یہ منکرینِ حدیث (درحقیقت منکرین قرآن) جسافی معراج کے انکاری ہیں، اس لیے یہ کہہ کر انہوں نے اپنے اس عقیدے کی ہی تائید کی ہے۔

جس آیت کا انہوں نے حوالہ دیا ہے اس آیت میں صرف آسمان تک جانے کا مطالبہ نہ تھا بلکہ زمین سے چشمہ جاری کر دینے کا مطالبہ تھا، کھجوروں اور انگوروں کے باغ اور اس میں بہتی نہروں کا بھی مطالبہ تھا، آسمان کے ٹکڑے کر دینے اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو بھی انکے سامنے لے آنے کا مطالبہ تھا۔ گویا ان کے استدلال کی زد سے اب نہ تو زمین سے چشمہ جاری ہو سکتا ہے، نہ کھجور اور انگور کے باغ آگ سکتے ہیں، نہ ہی نعوذ باللہ رب تعالیٰ اور فرشتے ان کے سامنے آسکتے ہیں! کافروں نے کہتے ہی انبیاء علیہم السلام سے عذاب لے آنے کا مطالبہ کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جواب دے دیا کہ یہ ہمارے بس میں نہیں، تو ان کے فلسفے کے مطابق اب اللہ کا عذاب بھی نہیں آسکتا!

وہ رب، مالک کائنات ہے، ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنے بندے محمد ﷺ کو زندہ آسمانوں میں لے گیا، اسی طرح اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھایا جبکہ انہوں نے یہ عقیدہ بیان کیا کہ وہ زندہ چڑھ گیا حالانکہ وہ خود نہیں چڑھ سکے بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا ہے۔ كَذَّبَهُ اللّٰهُ اَلَيْسَ

پھر کہتے ہیں کہ
”کیا اس سے یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ مسیح علیہ السلام آدمی نہیں تھے بلکہ خدا تھے۔“

نبی ﷺ معراج کے موقع پر آسمانوں پر گئے، فرشتے اللہ کے پاس چڑھ کر اوپر جاتے ہیں، جن بھی آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، یہ سب نعوذ باللہ، کیا اللہ بن گئے؟ ایک لفظ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خصوصی طور پر استعمال کرتے ہیں کہ ”زندہ بیٹھا“ ہے۔ کہاں لکھی ہے یہ بات قرآن و حدیث میں؟ یہ تو عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ”وہ چڑھ گیا اپنے باپ کے پاس اور اس کے ساتھ بیٹھا ہے۔“ ہمارا ایمان

تو صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا ہے: **وَقَعْنَا اللَّهُ لُحْيًا**

لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ

قارئین! اب ہم آتے ہیں اس گمراہی کی طرف جو مذکور مآمل قرآنی آیت

وَلَا يَمُنُّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَوِيذُ

الْقَيْمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ نَجْمًا

کے حوالے سے پھیلائی گئی ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ اب جو دفع ہی نہیں مانتے تو وہ نزول پر کیسے ایمان لاسکتے ہیں؟ چنانچہ محمد ہادی نے لکھا ہے:

”اور ہر اصل کتاب اپنی موت سے پہلے اس پر یقین کر لے گا اور روز قیامت

ان پر گواہ ہوں گے۔ اس آیت میں **قَبْلَ مَوْتِهِ** میں ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام

کو قرار دینا قرآن کی روشنی میں صحیح نہیں کیونکہ **وَيُؤْمَرُ الْقَيْمَةُ يَكُونُ عَلَيْهِمْ**

نَجْمًا کا اگر یہ معنی کیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان اصل کتاب پر گواہی دیں

گئے تو یہ غلط ہے۔ اب جبکہ عیسیٰ علیہ السلام پر نزول کے بعد لوگ ایمان آئیں پھر

قیامت عیسیٰ علیہ السلام کی ہوئی اور جب آپ ان لوگوں پر مصداق بھی ہوئے تو

”قائم الیمین“ آپ بھرے نہ کہ محمد علیہ السلام جو کہ قرآن کے خلاف سے ہیں

گو ایسی خبروں پر دی جاتی ہے نہ کہ ایمان والوں پر۔ تو بات واضح

ہے کہ آیت میں ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف۔

آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی کوئی بات ہی نہیں لیکن لوگ بغیر سوچے

کچھ اللہ پر حکم کرتے ہیں۔“ (مقیہ قائم الیمین ص ۱۱)

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آخری محاذ تک یہ گروہ قادیانیوں ہی کے لیے

نذر رہا ہے۔ جن باتوں میں قادیانیوں نے شک میں ڈالا ہوا ہے، موصوف ان

شکوک کو قرآن سے ثابت کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ”کھ“ کی یہ ضمیر عیسیٰ

علیہ السلام ہی کے لیے ہے۔ آپ دیکھیں قرآن کی آیات میں تسلسل سے انہی کے

ذکر ہو رہا ہے: **وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ وَكَلَّمُوا** اور یہ کہتے

ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا، **وَمَا قَتَلُوهُ** اور انہوں نے

اس کو قتل نہیں کیا، **وَمَا صَالِبُوهُ** اور نہ اسے صلیب پر چڑھایا، **وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا** اور

یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا، **بَلْ كَذَّبُوا اللَّهَ لَيَكُنَّ لَهُ الْآيَاتُ** اسے اپنی طرف اٹھا

لیا، **لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ** البتہ اس پر ایمان لے آئے گا، **قَبْلَ مَوْتِهِ** اس کی موت سے

پہلے، **وَيُؤْمَرُ الْقَيْمَةُ يَكُونُ عَلَيْهِمْ نَجْمًا** اور قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں

گئے۔

اس آیت میں پورے ربط اور تسلسل سے کس کا ذکر کیا جا رہا ہے؟

کس کے لیے دعویٰ کیا گیا تھا کہ اسے ہم نے قتل کر دیا؟ کس کے لیے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اسے صلیب پر چڑھایا ہے؟ پھر

شدید انداز میں ایک بار پھر کس کے قتل (موت) کی نفی کی گئی؟ کس کے لیے کہا

گیا کہ اللہ نے اسے اٹھایا ہے؟ کس کے لیے فرمایا گیا کہ ہر اصل کتاب اس پر

ایمان لے آئے گا؟ کون ان کے ایمان لانے کی گواہی قیامت کے دن دے گا؟

”کھ“ کی یہ ساری تفسیریں عیسیٰ علیہ السلام ہی کی طرف نسبت کرتی ہیں۔ واضح ہوا

کہ **قَبْلَ مَوْتِهِ** کے الفاظ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے لیے ہی ہیں اور نبی ﷺ نے

بھی یہی تفسیر بیان کی ہے جیسا کہ بخاری، کتاب التفسیر کے حوالے سے اوپر

ذکر کیا گیا ہے۔

اب اگر موصوف کا یہ عقیدہ ہے کہ ”کھ“ کی یہ ضمیر اصل کتاب کے لیے ہے

تو پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر اصل کتاب اپنی موت سے پہلے ان (عیسیٰ علیہ السلام)

پر ایمان لے آئے گا۔ گویا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک جتنے

بھی اصل کتاب مرے ہیں وہ سب ایمان دار تھے ان کوئی اصل کتاب کفر و شرک کی

حالت میں نہیں مرا۔ پھر تو یقیناً موصوف نے حال ہی میں وفات پانے والے

اب بیان پال کی حجاز جنازہ ضرور بارہا سنا ہے! کی ہوگی کہ ایک مومن کا

دوسرے مومن پر نفی ہوتا ہے!

نہرت ہے کہ اس بات کا نبی ﷺ کو بھی پتہ نہ تھا کہ ہر اصل کتاب اپنی موت

سے پہلے مومن بن جاتا ہے۔ وہ تو رحمۃ اللطیفین بنا کر بھیجے گئے تھے وہ کیوں سدا

کرتے ان مومنوں کی مغفرت کے لیے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ

مومن کے لیے مستوریح ”یا آرام پا گیا“ اور کفار کے لیے مستراح

”نہ زمین اس سے آرام پا گئی“ فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ تو یہود

نصارا اور لغت بھیج رہے ہیں اور موصوف ان کو مومن بنا رہے ہیں! گویا اس

بارے میں جو علم ان لوگوں کو ہے وہ نعوذ باللہ می ﷺ تک نہیں پہنچا تھا۔ نعوذ باللہ

مومنوں کو کافر ہی سمجھتے رہے تو کبھی ان کے جنازے پڑھے نہ نہ فتن میں شرکت کی!

ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ اگر یہی عقیدہ بنایا جائے کہ ہر اصل کتاب

اپنی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آتا ہے، تو قرآن کے اس بیان کو کہاں لے

جائیں گے کہ وہ قیامت کے دن ان کے اس ایمان کی گواہی دیں گے؟ بقول ان

کے نبی ﷺ: **تَوَفَاتُ يَابُكَّةَ**۔ وفات شدہ لوگوں کا اس دنیا سے کوئی تعلق

رہتا ہی نہیں۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو پتہ بھی نہیں ہوگا کہ کون کون (بقول ان کے)

نہ کی موت کے بعد مجھ پر ایمان لایا تھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو پتہ ہی نہیں تو وہ ان

سناوۃ البیضاء

ان کی عبرت کے لیے قرآن کی ایک آیت پیش کریں گے جس میں رسول اللہ ﷺ کی مومنوں پر گواہی کا ذکر کیا گیا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا وَمَا تَكُونُوا تُشْهِدُونَ عَلَى النَّفْسِ وَتَكُونُوا الشُّبُهَاتُ عَلَيْهِمْ كَذِبًا (البقرة: ۱۲۳)

”اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط (مختبرین امت) بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔“

کیا یہ علامہ صاحب مومنوں بشمول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجرم قرار دیں گے؟ سورہ آل عمران کی آیت ۵۳ جو اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے، اس بات کو مکمل طور پر واضح کرتی ہے:

”جب عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں تو کہا: کون ہے اللہ کی راہ میں شہید ہو گا؟ عوار یوں نے کہا ہم ہیں اللہ کی راہ کے مددگار ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ گواہ ہیں کہ ہم اللہ کے فرما پر دار ہیں۔“

یہاں بتایا گیا ہے کہ عوار یوں نے کہا کہ آپ ہمارے ایمان لانے پر اللہ کے ہاں گواہی دیجیے گا کہ ہم مسلم تھے۔ قرآن کے اس واضح بیان کے بعد کیا کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے جو موصوف بیان کر رہے ہیں؟

اسی آیت کے حوالے سے علامہ عبادی بھی کچھ کہتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

”اس کے بھی معنی ہیں کہ وہ واقعی اہل کتاب ہیں یعنی اپنی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی کتاب (انجیل) پر ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان ان کو مجبور کرے گا کہ وہ مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کے قتل و تعلیب کے عقیدے سے توبہ کر لیں اور ان کے قتل نہ کئے جانے اور موسیٰؑ دینے جانے پر ایمان لے آئیں اور اس پر ایمان رکھ لیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اگلے انبیاء علیہم السلام کو اپنی طرف اٹھایا۔ یعنی اللہ نے ان کو وفات دی اور انہوں نے وفات پائی۔“

یعنی، یعنی کی نگرانی لکھے ہوئے ذہن کی عکاسی کر رہی ہے اور یہ سب اس لیے ہے کہ باطل عقیدے کی تائید کے لیے قرآن کی من پسند تاویل کی جائے ورنہ کوئی صاف ذہن والا انسان اس آیت کا ایسا مطلب ہرگز اخذ نہیں کر سکتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ علامہ صاحب نے کوئی کتاب کی تلاوت کا کہا ہے۔ اگر اس کتاب سے ان کا مقصد وہ اصل انجیل ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تو آج کے دور میں نہ تو اصل انجیل ہے اور نہ ہی کوئی سچا اہل کتاب۔ اگر کسی سچے اہل کتاب کے پاس اصل انجیل کا نسخہ موجود بھی ہو تو چونکہ واقعہ تعلیب جیسا بھی ہے، بہر طور

کے ایمان کی گواہی کیسے دیں گے؟ کہاں لے کر جائیں گے یہ لوگ کتاب اللہ کی باتوں کو؟

اللہ کے فرمان کو ”باطل“ ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے تو وہ پھر نبی ﷺ کے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے امتی ہوئے اور خاتم النبیین محمد ﷺ نہیں عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ قادیانیوں اور منکرین حدیث سے یہ پوچھا جائے کہ اہل کتاب کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہیں تو غائبانہ اس کا کوئی علم ہی نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو حدیث رسول ﷺ کو رد کرنے کے لیے ہی قرآن کی آیات کی غلط تفسیر کرتے ہیں۔ آئیے اس بابت حدیث رسول کا مطالعہ کریں:

مَنْ قَالَ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَابْنُ امْرَأَةٍ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَزُفِّحَ عَنْهُ وَإِنَّ الْحَيَّةَ حَقٌّ وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ أَذْخَلَهُ اللَّهُ مِنَ ابْنِ الْبَابِ الْجَنَّةَ الثَّمَنِيَّةَ شَاءَ (مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان قطعہ)

”نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد اللہ کے بندے اور ان کے رسول ہیں اور عیسیٰ اس کے بندے اور اس کی باندی (مریم) کے بیٹے ہیں، اور پیدا ہوئے اس کلمے سے جو اللہ نے مریم کی طرف اللہ کیا، اور روح اللہ ہیں، اور (جس نے کہا کہ) بیشک جنت حق ہے اور جہنم حق ہے، تو اللہ اسے جنت کے آئندہ وارزوں میں سے جس سے چاہے گا داخل فرما دے گا۔“

اس بارے میں جو گمراہی ان لوگوں نے پھیلانے کی کوشش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کا جواب چودہ سو سال پہلے دے دیا تھا، لیکن جن کا دل ہی اندھا ہو چکا ہو وہ ہدایت کا راستہ کیسے پا سکتے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں ان سے پوچھا جائے کہ کون ہے خاتم النبیین، یہ کس کی امت ہوئی؟

پھر انہوں نے مزید جو لکھا ہے اسے پڑھ کر تو ہم لرز ہی گئے۔ لکھا ہے:

”نیز گواہی مجرموں پر دی جاتی ہے نہ کہ ایمان والوں پر۔“

استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ کیا حوصلہ ہے ان کا! خالق کائنات، رب العالمین، جنت و جہنم کا بنانے والا فرمائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب کے ایمان لانے کی گواہی دیں گے اور یہ اللہ کی بات جھوٹ ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ گواہی ایمان والوں پر نہیں مجرموں پر دی جاتی ہے! انہوں نے تو کفار کو کبھی بات دینی۔ ہم اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں کہ اس پر کوئی تبصرہ کریں۔ البتہ

تجارتی کرنا کون سا اسلام ہے۔ بقول کسے خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل

دیتے ہیں۔ (عقیدہ خاتم النبیین: صفحہ ۱۳)

مدرسہ صاحب کا نام تو ہادی یعنی ہدایت کرنے والا ہے، مگر کام وہ اس کے برعکس کرتے ہیں۔ گمراہ کرنے کی اپنی سابقہ روش انہوں نے یہاں بھی برقرار رکھی ہے۔ کتنی سادگی سے کہہ گئے کہ مشرکین مکہ قیامت کے انکار ہی تھے اور اہل کتاب کے جاننے کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے کیوں کہ وہ بغیر آپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اپنی اس عبارت میں دراصل انہوں نے یہ بتانا چاہا ہے کہ نصاریٰ کے کہنے پر مشرکین مکہ کا بھی وہی عقیدہ تھا جو عیسائیوں کا تھا۔ حقیقت ہے ان کے اس بیان پر نبی ﷺ جو ان ہی کی قوم کے تھے، جن کو وہ صادق اور امین کہتے تھے، ان کے کہے کو تو ان لوگوں نے رد کر دیا اور اہل کتاب نے صرف ایک بات آکر کہی اور سارے کے سارے اس پر ایمان لے آئے۔ نبی محمد آدمی اس جھوٹی کہانی پر کیسے یقین کرے گا؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ بالکل نہیں تھا بلکہ وہ تو اپنے خود ساختہ معبودوں کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کو کوئی حیثیت ہی نہ دیتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَمَا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْلُكَ مِنْهُ يَصُدُّونَ ۖ وَكَانُوا لِمِثْلِهِ خَافِرِينَ ۚ مَا ضَرَبُوا لَكَ الْأَجْدَالَ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۚ
إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ قَوْلُكَ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۚ
وَلَقَدْ لَعَلْنَاهُ لَشَاعَةً فَلَا تَحْذَرُنَّ إِنَّمَا أَتَيْنَاهُمْ هَٰذَا بِأَمْرٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ (الزحرف: ۵-۶)

مدرسہ ابن مریم کی مثال دی گئی تو تمہاری قوم کے لوگ جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے کیا ہمارے معبود بھتر ہیں یا یہ۔ اور یہ مثال انہوں نے اس لیے دی تھی کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور یہ ہیں ہی جھگڑا کرنے والے۔ ابن مریم محض ہمارا ایک بندہ تھا ہم نے اسے خوب نوازا تھا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے مثال بنا دیا تھا۔ ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین پر تمہارے جانشین بنیں۔ اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی نشانی ہے۔ اس ہادے میں ہرگز شک نہ کرو اور میری اتباع کرو، یہی سید ہمارا ست ہے۔
مدرسہ فرمایا کہ جب مشرکین مکہ کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا تو وہ جھگڑا کرنے لگے اور طرہ یہ کہنے لگے کہ ان سے اچھے تو ہمارے معبود ہیں۔ اب یہ علامہ صاحب بتائیں کہ مشرکین مکہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات کی کیا حیثیت تھی؟ کچھ میں نہیں آتا کہ یہ کہانیاں لوگوں کو کہاں سے مل جاتی ہیں!

پھر لکھا ہے کہ

”یعنی آپ کے ہاتھوں پر جو نشانیاں (یعنی معجزات) دیئے گئے“

دیکھا آپ نے! انہیں بھی معلوم ہے کہ یہاں ”دلیل“ نہیں ”نشانی“ کا ہی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کی بیان کردہ نشانی (یعنی الظہیر کی ذات) کے بجائے (ان کو عطا کردہ) معجزات کو نشانی قرار دے ڈالا، اور اس کے لیے الایات کا لفظ استعمال کیا!

ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ سورۃ زخرف (جس میں عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانی بتایا گیا ہے) کی سورہ ہے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر سورۃ آل عمران آیت ۳۹ اور سورۃ مائدہ آیت ۱۱۰ میں کیا گیا ہے جو کہ مدنی سورہ ہیں۔ یعنی جس بات کو موصوف دلیل بنا رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات قیامت کا علم ہیں، ان معجزات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ابھی تک کوئی آیت نازل ہی نہیں فرمائی تھی، یعنی مشرکین مکہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کن کن معجزات سے نوازا ہے لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ انہی معجزات کو قیامت کا علم بنا دیا گیا! اب آپ کو یقین آ گیا ہو گا کہ منکرین حدیث کے پاس جھوٹ اور غلط تاویلات کے علاوہ کچھ نہیں۔

پھر لکھا ہے

”جبکہ تم قیامت کا انکار کرتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ جب عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے۔“

عیسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا تھا، لیکن آدم علیہ السلام تو بغیر ماں باپ کے پیدا کیے گئے، کوئی دلیل زیادہ قوی ہے قیامت کے لیے! اپنی اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ بات کو ایک بار پھر رد کرنے کی جسارت کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی نہیں ہیں کیونکہ قیامت کی نشانیاں آنچکی ہیں فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَتْرَافَهُمْ فَالْأَنفُسُ لِلْهَمِّ إِنْ جَاءَهُمْ نَذْرٌ ۖ ذَكَرُوا فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۚ (محمد آیت ۱۸) اب تو یہ لوگ قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ ناگہاں ان پر واقع ہو، اس کی نشانیاں (وقع ہیں) آنچکی ہیں۔ پھر جب ان پر نازل ہوگی اس وقت انہیں سمجھتے کہاں فائدہ دے گی۔ قیامت کی نشانیاں آگئی ہیں اور وہ محمد ﷺ پر آن مجید اور حق القہر ہیں قیامت کا آنا چاہکے ہے تو قیامت کا نزدیک ہونا یا دور ہونا بھی اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں: فَالْإِن كَادِى لَأَكْفُرِيَنَّ مَا أُوْعَدُونَ لَأَكْفُرِيَنَّ لَكُمْ رِجْقِي أَكْمَدًا (جن: ۲۵) کہہ دیجئے کہ جس (دن) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ نزدیک ہے یا میرے رب نے اس کے لئے مدت دیا کر دی ہے“ دیکھئے

نبی ﷺ کو تو قیامت کی نزول کی یاد دہانی کا علم نہیں جبکہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کے قائلین کو علم ہے کہ جب تک صلی اللہ علیہ وسلم نہیں آئیں گے قیامت دور ہے۔ وہ آجائیں تو قیامت قریب ہو جائے گی۔ (ایضاً صفحہ ۱۳)

دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ قیامت کی نشانی ہیں اور اللہ کے فرمان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو تو رد کر دیا اور یہ عقیدہ دیا کہ نہیں وہ قیامت کی نشانی نہیں ہیں انہوں نے تو اپنے فیصلے میں حدیث میں بیان کردہ تمام احادیث کو نظر انداز کر دیا۔

قرآن میں نزول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ دیا گیا اور اس کی وضاحت احادیث صریحہ سے فرمادی گئی۔ لیکن ان منکرین حدیث کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی۔ انہوں نے تو فیصلہ کیا ہوا ہے کہ کسی بھی حالت میں نبی ﷺ کے ان فرامین کو نہ ثابت کیا جائے۔ سخت کوششوں کے بعد کچھ قرآنی آیات جمع کی گئیں تاکہ ان کی من مانی تاویل کے ذریعے ان احادیث کو غلط ثابت کیا جاسکے۔ اپنے نہیں پھوٹے نہ سارے ہوں گے کہ آخر کار ہم نے کامیابی حاصل کر لی۔ انہی احادیث کو غلط ثابت کرنے کے لیے یہ فرماتے ہیں۔

”صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کے قائلین کو علم ہے کہ جب تک صلی اللہ علیہ وسلم نہیں آئیں گے قیامت دور ہے۔ وہ آجائیں تو قیامت قریب ہو جائے گی۔“ بخاری میں بیان کردہ روایت میں نبی ﷺ کے یہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔

”قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ تم میں سے نبی ﷺ نہ آجائیں۔“ (بخاری: کتاب المظالم، باب کسر الصلب و لیل الخضر)

مسلم میں روایت آئی ہے کہ ”قیامت ہرگز اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دن نشانیوں نہیں دیکھ لو گے۔ پھر آپ نے ذکر کیا دھان کا نور جال کا نور وارتہ الارض کا (یعنی زمین سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا) سورج مغرب سے اُترے گا۔ صلی علیہ الصلوٰۃ والسلام منزل ہوں گے۔ یا جوج ماجوج نکل جائیں گے۔“ (مسلم: کتاب العن و اطوار الساعد)

موصوف سے سب سے پہلے یہ پوچھا جائے کہ کس نے کہا ہے کہ قیامت اچانک نہیں آئے گی؟ کس حدیث میں یہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں؟ اگر یہ لوگ نبی ﷺ کے فرمان مجھ سے اس بات پر رد کر رہے ہیں کہ حدیث نبوی میں قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن ہی قیامت کی نشانیاں بیان کرتا ہے۔ اگر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی نشانی ہیں تو یہ بات قرآن نے بھی بیان فرمائی ہے لیکن انہوں نے اس حدیث کا انکار کرنے کے لیے قرآن کا بھی انکار کر

۱۱۱۱ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کی نشانی میں یہ بھی ہے کہ زمین سے جانور نکلے گا تو یہ بات قرآن کی سورہ نمل آیت نمبر ۸۲ میں بھی بیان کی گئی ہے۔ حدیث بیان کرتی ہے کہ یا جوج ماجوج قریب قیامت نکلیں گے تو قرآن بھی سورہ کہف آیت نمبر ۹۸، سورہ انبیاء آیت نمبر ۹۶ میں اسی بات کو بیان کر رہا ہے۔ حدیث بتاتی ہے کہ قریب قیامت زمین میں گڑھے پڑ جائیں گے تو قرآن بھی ایسی بات بیان کرتا ہے کہ مسلسل زلزلے آئیں گے (سورۃ المزلزلہ: ۷-۸) ان لوگوں! اب صاف ظاہر ہے کہ ان احادیث کا انکار قرآن کی ان متعدد آیات کا انکار ہے۔

انہوں نے جو آیات پیش کی ہیں ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قیامت قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دو سو سال قبل فرمائے کہ قیامت کی نشانیاں آئیں گی تو اس کا مطلب ہے وہ بھی قیامت کی نشانیاں ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے بعد کوئی اور نشانی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ قمر میں فرمایا: قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند چھٹ گیا۔ اب کوئی نہ بھرا کہنے لگے کہ قیامت تو اس آیت کے نزول کے چند سو سال کے بعد بھی نہیں آئی۔ کیا مطلب ہے اس آیت کا؟ یہ قرآن کا اولیٰ انداز ہے کہ قیامت قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا وقت بتا دیا جیسا کہ موصوف نے اپنی تحریر میں لکھا ہے۔

قرآن وحدیث نے صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کی نشانی بتایا ہے تو اس کا سیدھا اور واضح مطلب یہ ہے کہ قریب قیامت ان کا نزول ہو گا۔ یہ نزول کب ہو گا اس کا کوئی وقت نہیں بتایا گیا۔ اس کا بھی کوئی علم نہیں کہ ان کے نزول و موت کے کتنے عرصہ کے بعد قیامت آئے گی۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے نشانہ کی بجھا دار ہے ورنہ کتاب اللہ کا بیان تو واضح ہے۔

احادیث میں یہ بھی بتایا گیا کہ جزیرۃ العرب میں جنگ ہوگی اور مسلمان فتح حاصل ہوگی، فارس اور روم میں جنگ ہوگی اور فتح مسلمان ہی کی ہوگی۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں یہودیوں سے لڑائی ہوگی اور شکست یہودیوں کا مقدمہ بنے گی۔ سچی و دو وقت ہے کہ جس کے لیے مالک کا کلمات نے فرمایا کہ

”اللہ نے لکھ دیا ہے کہ وہاں کے رسول ضرور غالب ہو کر آئے گے۔“ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نے اس بات کی مزید وضاحت فرمادی کہ یہ معاملہ قریب قیامت ہو گا۔ اسلام کے اس مکمل نیک کے بعد اللہ تعالیٰ تمام مومنین و مسلمان کو موت دے دے گا۔ اور پھر باقی بچ جانے والے اپنے اپنے دین پر واپس پھر جائیں گے واقعی پر قیامت کا مذاہب مسلط ہو گا۔ اب چند کچھ یہ سارے معاملات نزول صلی اللہ علیہ وسلم والی احادیث میں بیان کیے گئے ہیں تو اب ان

مکرمین حدیث نے اپنا حق سمجھا کہ وہ انہیں روک دیں۔ چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۷ پر سورۃ آل عمران آیت ۵۵ اور سورۃ بقرہ آیت ۶۳ پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کی رو سے قیامت کے دن تک یہودی، عیسائی اور مسلم سب رہیں گے۔ گویا مذکورہ حدیث قابلِ رد ہے!

احادیث سے یہ کیا پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے اس مکمل غلبے کے بعد تمام مسلمان کو موت آجائے گی۔ پھر جو باقی بچیں گے وہ اپنے دین پر واپس پھر جائیں گے۔ یہودی، یہودیت اختیار کر لیں گے اور بچے ہوئے عیسائی، دوبارہ نصرانی بن جائیں گے۔ اس حوالے سے قرآن اور احادیث میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن جو بات موصوف نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلم بھی قیامت کے دن تک موجود رہیں گے، یہ قرآن اور حدیث کے عقیدے کے مطابق نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر حاوی رکھوں گا جنہوں نے انکار کیا ہے۔" گویا مومن بھی قیامت کے دن تک رہیں گے! آیے اس بارے میں کتاب اللہ سے رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا آلَهُمْ مِنْ الْأَرْضِ ثُمَّ نَكُنْهُمْ أَنْ
النَّاسُ كَانُوا أُمَّةً وَاحِدَةً رَافِقِينَ ۚ (سورۃ ۱۸۰)

"اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت آن پر آچکے گا تو ہم زمین سے ایک جاتور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔"

یہ بات کرنے کی ذمہ داری وہ جانور اس لیے پوری کرے گا کہ کوئی مومن اس وقت زمین پر زندہ ہی نہیں بچے گا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں واضح کیا گیا۔ کیوں نہیں بچے گا؟ یہ بھی حدیث میں بتا دیا گیا کہ جو بچیں گے وہ سب سے برے لوگ ہوں گے اور وہی عذاب قیامت سے دوچار ہوں گے یعنی انہی پر قیامت قائم ہو گی۔ اللہ کا عذاب کن پر آتا ہے اس بارے میں اللہ کا قانون بھی سن لیں:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ
وَمَا يَتَّقُونَ (سورۃ ۲۴)

"اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہ تھا جبکہ (اے نبی ﷺ) آپ ان کے درمیان تھے اور نبی اللہ ان پر عذاب بھیجتا ہے جب کہ وہ اللہ سے استغفار کر رہے ہوں۔"

تو یہ ہے اللہ کا قانون کہ وہ اس جگہ عذاب نازل نہیں کرتا جہاں صحیح معنوں میں

لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہوں۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی قوموں پر عذاب بھیجنے کا ذکر ہے لیکن اس عذاب سے پہلے ہی انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو ان بستیوں سے نکال لیا گیا ہوتا تھا۔

اس بات کو بیان کرتے ہوئے کسی دلیل دینے کی ضرورت نہیں کہ قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدترین عذاب ہے۔ زمین کے ایک ایک چپے پر یہ عذاب نازل ہوگا۔ یہ عذاب صرف ان لوگوں پر نازل ہوگا جو اس کا کفر کرنے والے ہوں گے۔ لہذا اس عذاب کے آنے سے قبل ہی تمام مومنین و مسلمین کو موت دے دی جائے گی۔ اب جبکہ کوئی مومن باقی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ زمین سے ایک جاتور نکالے گا جو لوگوں کو یہ حق بات بتائے گا۔ جانور کا کلام کرنا اس بات کی ایک بڑی دلیل ہے کہ اس وقت کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جو لوگوں کو یہ بات بتائے۔

اب جو اللہ کا فرمان ہے کہ: "اے عیسیٰ علیہ السلام (تیرے مقبضین کو قیامت تک ان پر حاوی رکھوں گا)" تو اس کا یہ مطلب ہے کہ قرب قیامت ہی ایسا ہوگا کیونکہ جب اللہ کا دین غالب آجائے گا تو دنیا میں کوئی اور دین نہ رہے گا۔

موصوف نے اسی سلسلے میں سورۃ الانعام کی ایک آیت کی دلیل بھی دی ہے:

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ أُولَئِكَ لَا يَتَفَعَّلُونَ لَوْ أَنَّمَا أَكْثَرُ النَّاسِ
أَمْنًا مِنْ قَبْلِ أُولَئِكَ سَبَّحْتُمْ فِي أَيْمَانِهِمْ أَتُحَدِّثُونَ (سورۃ ۵۸)

"اس دن جب تمہارے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہ لایا ہوگا اس وقت اس کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا، یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی خیر نہ حاصل کیا ہو۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موصوف کا تجوٹ کس طرح انہی کے من سے نکلوا دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ:

"عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی نہیں ہیں کیونکہ قیامت کی نشانیاں آچکی ہیں" اب یہاں آیت قریش کی جارہی ہے کہ جب تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو دراصل اس جگہ انہوں نے یہ ثابت کرنا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی نہیں، تو وہاں موصوف نے لکھا کہ اب قیامت کی کوئی نشانی نہیں آنے والی! اور اس جگہ انہوں نے یہ ثابت کرنا ہے کہ حدیث جھوٹی ہے اور مسلم و مومن قیامت تک موجود ہوں گے، تو دلیل دے رہے کہ اللہ کی چند نشانیاں آجائیں گی! اچھا کہا ہے کسی نے کہ: رخِ دروغِ مورا حافظہ نداشت

جن کے دلوں پر اللہ کی مہر لگ جائے ان کا بھی حال ہوتا ہے۔ لیکن اس آیت کو پیش کرنے کے باوجود یہ اب بھی ناکام و نامرادی رہے۔ ان کی پیش کردہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ فر لوگ اللہ کی نازل کردہ ان نشانوں کو دیکھ کر ایمان لانا

چاہیں گے لیکن اب ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ ان کافروں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہوں گے جو دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہوں گے لیکن کوئی بھی نیکی ان کے اعمال نامہ میں نہیں ہوگی، تو ایسے لوگوں کو بھی اس دن کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ موصوف چونکہ قرآن بھی سے لابلہ ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب تو سمجھ نہ سکے مگر خوشی سے اچھل پڑے کہ یہاں ایمان والوں کا ذکر ہے لہذا برہم خویش حدیث کا رد ہو گیا! اچھ خوب۔

قرآن مجید میں دو ایسے گروہوں کا ذکر ملتا ہے جو دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ ان کے اعمال کا کوئی بدلہ ان کو نہیں ملے گا۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهْمًا ۖ قُلُوا إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِهِ الَّذِينَ هُمْ يُوقِنُونَ (یوسف: ۱۰۶)

”اور ان لوگوں کی اکثریت اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی مشرک ہے۔“

وَمِنَ الثَّالِثِينَ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (البقرة: ۸)

”اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہوتے۔“

یہ ہیں وہ لوگ کہ جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ایمان میں شرک و خفاق کی وجہ سے کوئی بھی نیکی حاصل نہیں کر پاتے۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کی خاص نشانیاں آچکیں گی اور یہ ایمان خالص کی طرف پلٹنا چاہیں گے تو وقت نکل چکا ہوگا۔ تو یہ ہیں وہ لوگ جنہیں موصوف ”مومن“ کہتے ہیں۔ ان کی تحریریں آپ کے سامنے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی ایسے ہی ”مومن“ ہیں۔

صفحہ نمبر ۵ پر لکھتے ہیں:

”قرآن مجید میں کہیں بھی صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر زندہ اٹھایا جانا اور پھر آپ

کا دوبارہ آنا ثابت نہیں بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح وفات ثابت ہے۔“

قارئین! ان کی اس یادہ گوئی پر ہمیں ایک لطیفہ یاد آیا جو ہم نے نہیں سنا تھا۔ ایک شخص نے کسی سے یہ شرط لگائی کہ اونٹ کی ذم نہیں ہوتی۔ اپنی بیوی سے اس نے اس کا ذکر کیا۔ بیوی کہنے لگی تم تو پہلے ہی نکلتے تھے اور شرط بھی لگائی تو ایسی جو یقیناً بار جاؤ گے، اس لیے کہ اونٹ کی تو ذم ہوتی ہے، اور وہ تمہارے ہاتھ میں اس کی ذم پکڑا کر اس کا ثبوت دے دیں گے۔ کہنے لگا، ہاں پکڑاؤں، لیکن میں ماتوں گا ہی نہیں بس یہی کہتا رہوں گا کہ یہ تو اونٹ ہے، یہ تو اونٹ ہے..... تو یہی حال موصوف کا ہے، آپ قرآن کی کتنی ہی آیات اور بھی پیش کر دیں، یہ

”موت“ کی رٹ ہی لگاتے رہیں گے!

ان روایات کو مزید رو کرنے کے لیے موصوف رقمطراز ہیں:

”اگر عیسیٰ کے نزول کی روایات نہ ہوتیں تو ہر کوئی سمجھتا کہ دیگر انبیاء علیہم

السلام کی طرح عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے ہیں۔“

ہر کوئی تو نہیں، البتہ جن کے دلوں پر موصوف کی طرح غلاف ہے، وہ بھی سمجھتے ہیں۔ ایمان والے ان کی طرح احادیث رو کرنے کے لیے قرآن کی آیات تلاش کر کے ان کی غلط تشریحات نہیں کرتے بلکہ ہدایت حاصل کرنے کے لیے اسے پڑھتے ہیں۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ موقوف کر دیں گے، لیکن

موصوف لکھتے ہیں:

”..... کیونکہ سورۃ توبہ میں آیا ہے کہ جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان

نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے حرام کی ہیں، اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو یہاں

تک کہ دلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں (آیت ۲۹) تو معظوم ہوا کہ صلی اللہ علیہ وسلم

جہاد و جزیہ کو ختم نہیں کرا سکتے۔ اس لیے یہ روایات غلاف قرآن

ہیں! (ایضاً: صفحہ ۱۵-۱۶)

اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ کون سے کام کا کیوں حکم دیتا ہے۔ نعوذ باللہ! وہ اس بات کا پابند نہیں کہ اپنے ایک ایک فیصلے کی وجہ انسانوں کے سامنے بیان کرے۔ نہ ہی انسانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ یہ پوچھتے رہیں کہ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے اور ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ ایمان تو اس پر لانا ہے جو بیان فرما دیا گیا۔ وہ تمام واقعات جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے حوالے سے ہمارے سامنے آئے ہیں، ان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ جہاد اور جزیہ کیوں موقوف کر دیا جائے گا۔ دیکھیں اللہ اور رسول غالب آجائیں گے، دنیا میں صرف مومن و مسلم ہوں گے تو جہاد کس سے کیا جائے گا اور جزیہ کس سے وصول کیا جائے گا؟ پھر جب اللہ تعالیٰ تمام مومنین و مسلمین کو موت دے دے گا تو اپنے دین پر پلچ جانے والے ان لوگوں سے اب جہاد کون کرے گا اور ان سے جزیہ وصول کرنے والا کون ہوگا؟ لہذا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے موقوف کر دیں گے۔ بات ہے دراصل کتاب اللہ میں تدبیر کی جس سے یہ اندھے مقلدین اور مفاد پرست عاری ہوتے ہیں۔

انہی احادیث میں ایک بات یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم جال کو قتل

کر دیں گے۔ محمد ہادی اور ان کے ہمنواؤں نے اس موضوع کو بڑی شد و مد کے

ساتھ اٹھایا ہے۔ ایک علیحدہ کتاب اس موضوع پر لکھ دی گئی ہے جس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ شماروں میں دیا جائے گا۔ فی الحال بات اسی زیر نظر کتاب کے حوالے سے ہے۔ انہوں نے قرآن کی آیات سے جو بات تفصیلاً بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پھر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۹ کے حوالے سے انہوں نے بیان کیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو خیر و اکرار کر دیا گیا تھا کہ نبی ﷺ کے بعد اب کسی اور بشر و نذیر کے منتظر نہ رہنا، پھر لکھتے ہیں:

”یونکہ یحییٰ علیہ السلام بھی بشر و نذیر ہیں تو روح بالا آیت کی رو سے ان کا آہ ممکن نہ رہا۔ اور دجال کے قتل کے لیے یحییٰ علیہ السلام کا آئنا سفید جھوٹ ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۱۵)

موصوف نے پوری بات نہیں لکھی۔ یہ بھی تو لکھ دیتے کہ یہ جھوٹ کس نے بولا ہے؟ یہ خبر انسانوں کو کون سے ”رسول“ نے دی ہے، ان کا نام بھی تو لکھ دیتے۔ استغفر اللہ! حدیث و قرآن کے انکاری نفس پرستی کا شکار ہو کر یوم حساب سے بالکل غی بے خوف ہو جاتے ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۴ پر لکھا ہے:

”ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بشر و نذیر بنا کر بھیجتے ہیں نہ کہ کسی مخصوص شخص یا دجال کو قتل کرنے کے لئے۔“

قارئین! کیا ان تحریروں سے خری جہالت کا اظہار نہیں ہوتا؟ انبیاء علیہم السلام بے شک بشر و نذیر ہی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے نکاح بھی کیے، معاش کے لیے محنت مزدوری بھی کی، بکریاں بھی پڑائیں، اللہ کی راہ میں جدوجہد کی، جہاد و قتال کیا۔..... معلوم ہوتا ہے عقل و فہم شاید انہیں چھو کر بھی نہیں گزرے۔ انبیاء علیہم السلام بے شک دنیا میں بشر و نذیر ہی بنا کر بھیجے گئے لیکن دنیا میں انہوں نے انسانوں ہی کی طرح زندگی گزار لی اور مختلف ذمہ داریاں بھی پوری کیں۔ اللہ کے باغیوں کو انہوں نے قتل بھی کیا اور خود بھی شہید ہوئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے کسی کو شہید کیا، یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا۔.....“

(مسند احمد ۱/۲۰۰، کتاب مسند عبد اللہ بن مسعود رحمہ اللہ، حدیث نمبر ۳۸۵۸)

اب موصوف ذرا غور کریں کہ اس شخص کو بدترین عذاب کیوں ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کیوں بیان فرمائی جبکہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کسی شخص کو قتل کرنے کے لیے نہیں بھیجتا؟ یہ بھی تو بتائیں کہ اس حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف دجال کو قتل کرنے کے لیے یحییٰ علیہ السلام کو بھیجے گا؟ موت کا وہ

عقلم جو ہر انسان کے لیے لازمی ہے، اسے پورا کرنے کے لیے انہیں بھیجا جائے گا۔ وہ اللہ کے دین کو قائم کریں گے، باغیوں کو قتل کریں گے اور اسکے ساتھ ساتھ جو کام اللہ تعالیٰ ان سے لینا چاہے گا لے لے گا۔ انہیں کس نے بہکا دیا ہے کہ وہ صرف دجال کے قتل کے لیے بھیجے جائیں گے؟ قَاتِلِ الدَّجَالَ!

حدیث میں آتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام عادل حاکم کی حیثیت سے آئیں گے، لیکن موصوف یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ اب نبی ﷺ آخری بشر و نذیر نہ رہے! یہ ساری کوشش تو احادیث کے انکار اور قرآن کی آیات کی غلط تشریحات کے ذریعے تھیں۔ اس کے بعد موصوف نے ایک اور تیر چلایا ہے۔ اور اپنے تئیں یہ گمان کیا ہوگا کہ یہ تیر آگ کا کام دے گا اور لوگ شاید اس کے بعد اب کسی حدیث کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کریں گے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں ان احادیث کی سند پر جرح کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ یہ احادیث کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نزول کی روایات متن کے لحاظ سے قرآن کے خلاف ہیں اب استاد پر کلام کرنے کی کوئی خاص حاجت تو نہیں کیونکہ اصول حدیث میں ہے کہ جس حدیث کا متن قرآن کے خلاف ہو اس کی سند اگر سورج کی طرح چمک رہی ہو تب بھی حدیث قابل روئے ہے (المنار الملیف لابن قیم) لیکن اگر دیکھا جائے تو راویوں پر بھی کلام ہے۔ پہلی روایت کی سند: ”ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے کہ مریم کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام تم لوگوں میں عادل حاکم ہو کر اتریں گے۔“

(۱) (الفتح) اب دیکھئے درج بالا سند میں اسحاق کا ذکر امام بخاری نے بغیر ولدیت کے کیا ہے امام بخاری کئی اسحاق سے روایت لیتے ہیں اور یعقوب سے کئی اسحاق روایت لیتے ہیں۔ اب جبکہ بعد کے لوگوں نے اسحاق بن راحویہ قرار دیا ہے جبکہ سند کی جہالت اپنی جگہ پر قرار ہے۔“

(عقیدہ خاتم النبیین: صفحہ ۱۸۰)

اپنے اس بیان کے بعد انہوں نے میزان الاعتدال کے حوالے سے اسحاق بن راحویہ پر جرح کر کے اس روایت کو مشتبہ قرار دے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بڑی علمی حیانت کی اور کتمان کرتے ہوئے اس ثقہ راوی کو زبردستی بھول قرار دے کر روایت مذکور کی تھمیل کی ہے ورنہ یہ وہی مشہور و معروف اسحاق بن راحویہ ہے جس کی محدثین نے توثیق و وثیت کی ہے۔ واضح رہے کہ یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف سے ایک ہی اسحاق روایت کرتا ہے اور وہ یہی اسحاق بن راحویہ ہے جو کہ بخاری کا راوی ہے۔ اس راوی کا پورا نام اُتقی بن ابراہیم بن محمد ہے، ابو یعقوب اس کی کنیت ہے۔ موصوف کے مددگار احمد بن حنبل نے اسے امام من النبیۃ المسلمین ”مسلمانوں کے اماموں

میں سے ایک امام" کہا ہے اور یہاں تک بتایا کہ عراق میں مجھے ان کے جیسا کوئی دوسرا نہیں ملا۔ سنا کی کہتے ہیں: احمد الانصاری یعنی "اماموں میں سے ایک ہے" اور ثقہ جامعون "ثقہ ہے محفوظ ہے"۔ ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ ابو زرعة رازی کہتے ہیں کہ اسحاق سے زیادہ محفوظ راوی لوگوں نے نہیں دیکھا۔ ابن خزيمة اسحاق کے لیے کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر وہ تابعین میں سے ہوتا تو وہ لوگ اس کے حفظ حدیث اور علم و ثقہ سے فیض یاب ہونے کے لیے اس کے پاس آکھتے ہو جاتے۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۱، صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷)

میزان الاعتدال، جس کی جرح مجہم کے حوالے سے موصوف نے اس پائے کے راوی کی روایت کو ناقابل قبول قرار دیا ہے، اس کے مرتب حافظ ذہبی نے اسے احمد الانصاری کے بڑے نامور اور نمایاں اماموں میں ایک قرار دیا ہے۔ اور جرح بھی صرف یہ ہے کہ ابو الحجاج کے بقول قبیل اسحاق اختلط فی آخر عمرہ۔ "یہ کہا جاتا ہے کہ آخری عمر میں اسحاق کے حافظے میں کچھ اختلاط واقع ہو گیا تھا"۔ اور ابو داؤد کے مطابق یہ تقریر بھی مرنے سے صرف پانچ مہینے پہلے پیدا ہوئی تھی۔ یعنی یہ غیر اہم ہے کہ کبیر سی میں ایسا ہو جانا کوئی عیب نہیں۔ مگر علامہ موصوف کی ہدایت دیکھیے کہ فقط قبیل کو سرے سے ہی اڑا دیا کیونکہ جانتے ہیں کہ اس کی موجودگی بیان کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہی راوی ہے جس کی روایات موصوف نے اپنی کتاب "اصلاح ایمان" کے صفحہ ۴۵ پر بیان کی ہیں۔ ذریعہ بحث روایت کے دوسرے راوی ابراہیم بن سعد پر اس اعتماد سے جرح کی ہے:

"عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے اپنے والد (احمد بن حنبل) سے سنا کہ یحییٰ بن سعید کے ہاں عقیل و ابراہیم کا ذکر کیا گیا تو گویا آپ دونوں کو ضعیف سمجھ کر ناگواری سے کہتے عقیل، ابراہیم۔ ابن عدی نے اس کے چند غرائب یعنی نادر روایات جو زہری سے لی ہیں، بیان کی ہیں کہ وہ استاد میں اول بدل کر کے ایک تابعی کی جگہ دوسرے کا نام لیتا تھا۔" (ایضاً: ۱۹)

نور فرمایا یہ! موصوف غلط کو صحیح ثابت کرنے کے لیے خیانتوں پر تیار نہیں کیے چلے جا رہے ہیں۔ فجعل کانه یضعفهما بقول عقیل و ابراہیم کا ترجمہ انہوں نے یہ کیا: "گو یا آپ دونوں کو ضعیف سمجھ کر ناگواری سے کہتے عقیل، ابراہیم" حالانکہ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں ناگواری کے ساتھ فیصلہ کر دینے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ انہوں نے ایسا ظاہر کیا کہ جیسے وہ ان کو ضعیف سمجھتے ہوں۔ اور اس کے بعد کے الفاظ تو انہوں نے سرے سے لکھے ہی نہیں کہ ہم فقال ایسی امیث منفع هذا هؤلاء ثقات لم یحضرهما ینخبر ہما یحییٰ" پھر میرے والد نے کہا کہ اس چیز سے کیا فائدہ ہوگا (یعنی کیا فرق پڑے گا)۔ یہ لوگ ثقہ تھے جن کی خبر یحییٰ کوٹ ہو سکتی۔" اور وہی بات ابن عدی کی تو اس روایت میں ابراہیم بن سعد براہ راست زہری سے روایت ہی نہیں کر رہا بلکہ صالح بن کیمان کی سند سے روایت کر رہا ہے۔ اور ابن عدی نے تو خود ابراہیم کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۱، صفحہ ۱۱) اس طرح ان کی یہ جرح بھی روایت کی سند کو غلط ثابت

نہیں کرتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابراہیم بن سعد کو احمد بن حنبل نے ثقہ احادیث سے مستقیمہ کہا ہے یعنی وہ ثقہ ہیں اور ان کی روایات مفید ہیں، جبکہ یحییٰ بن مجہم نے اسے ثقہ حجة کہا اور ابو حاتم نے اسے ثقہ کہا ہے۔ (ایضاً) اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں جہاں سے انہوں نے مذکورہ بالا جرح نقل کی ہے، وہاں انہیں ذہبی کے یہ الفاظ نظر نہیں آئے کہ احمد الاعلام الشقات: "نامور ثقہ راویوں میں سے ایک" اور یہ بھی کہ قلت ابراہیم بن سعد ثقہ بلا تینیا قدر وی عنہ شعبة مع تقدمه و جلالته: میں کہتا ہوں کہ ابراہیم بن سعد ثقہ تھے اور اس سلسلے میں دوسری کوئی رائے نہیں، ان سے شعبہ نے احادیث روایت کی ہیں ان کی فوقیت و جلالت کے ساتھ۔"

انہوں نے ابن شہاب الزہری پر بھی اسی روایت کے حوالے سے جرح بیان کی ہے۔ ان کی ہدایت دیکھیے کہ محدثین کے اقوال بیان کرتے ہوئے عبارت میں سے صرف اپنے مطلب کا ٹکڑا نقل کرتے ہیں اور آگے پیچھے کے تعدیلی کلمات کھا جاتے ہیں! صحیح کچھ تو ہے جس کی پرورداری ہے اصل بات یہ ہے کہ یہ ہماری جرح اسی مشن کے تحت ہے کہ نزول عینی علیہ السلام والی احادیث کو باطل ٹھہرایا جائے ورنہ ان راویوں پر ان کا مکمل اعتماد ہے جس کا ثبوت درکار ہو تو ان کی کتاب "اصلاح ایمان" صفحہ ۲۴ پر بخاری کتاب الدعوات کے حوالے سے بیان کردہ غیبی حدیث کی سند دیکھ لیں۔

حدثنا سعید بن عقیل قال: حدثنا المہدی قال: حدثنی

عقیل، عن ابن شہاب اخبرنی سعید بن المسیب۔

اپنی اس کتاب میں انہوں نے صفحہ نمبر ۹ پر مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ان اللہ یوفیہ انی دلیل کے طور پر پیش کیے ہیں اور اس کی سند بھی ملاحظہ فرمائیں:

حدثنی زہیر بن حرب حدثنا یعقوب بن ابراہیم

حدثنی ابی عن ابن شہاب عن۔

دیکھا آپ نے! رفع عینی علیہ السلام سے متعلق اپنی ذریعہ بحث کتاب میں موصوف نے اسحاق، ابراہیم بن سعد اور زہری پر جرح کی ہے جبکہ اپنی دیگر کتب میں انہی راویوں سے مروی روایات سے استدلال کیا ہے ایسے ہے ان کا علامہ انداز! لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم زہری سے روایت کرتا ہے تو استاد میں اول بدل کر دیتا ہے۔ (ذریعہ بحث روایت براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہے) لیکن یہ خود وہی روایت بیان کرتے ہیں جس میں یحییٰ راوی بالواسطہ براہ راست زہری سے روایت کرتا ہے! فاعضروا یا اولی الابصار

بخاری کی دوسری روایت میں انہوں نے میزان الاعتدال ہی کے حوالے سے حسب عادت اپنی پسند کے جملے لے کر یحییٰ بن عبد اللہ بن کثیر اور یونس بن یزید الاصبیٰ پر جرح کی ہے اور مؤلف کی تعدیل سے آنکھیں بند رکھیں انہی کے لیے ذہبی نے لکھا: ثقہ، صاحب حدیث و معرفة، یتصح بہ فی الصحیحین یعنی ثقہ ہے، علم حدیث و معرفت کا مالک ہے جس کو بخاری و مسلم نے حجت بنایا ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابو صالح سے کثرت سے حدیثیں

منارة البصائر

والی روایت کی سند میں بھی یہ راوی شامل ہے اور اس کتاب کے صفحہ ۲۸ پر عمر رضی اللہ عنہ کے رجوع کے بارے میں جو انہوں نے لکھا ہے تو وہ روایت بھی اسی راوی نے بیان کی ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ ایسے راویوں کی روایات کے ذریعے یہ لوگ "ناصحی" میں اصلاح ایمان کرتے رہے ہیں یا فساد ایمان؟ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کردہ روایات کے راوی ابن شہاب الزہری، ابراہیم بن سعد، لیث بن سعد اور اخطی بن راہویہ بروج ہیں تو پھر اپنے متعلق اعلان کریں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، آج تک انہوں نے جھوٹے راویوں کی سند سے روایتیں بیان کر کے محض لوگوں کے ایمان کو ہی بگاڑا ہے! جب ان کے مطلب کی بات ہو تو یہ راوی مانند فرشتہ ہے اور جب ان کے غلط عقیدے کے خلاف بیان کرے تو یہ عیب چھپانے والا دھوکہ باز بنادیا جاتا ہے۔ حیرت ہے ان کے ایمان کے منافی دورے انداز فکر پر! دراصل یہ ذوالوہجین ایک جگہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے جو دلیل پیش کرتے ہیں دوسری جگہ دوسری غلط بات کو ثابت کرنے کے لیے اسی کو رد کر دیتے ہیں۔

موصوف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وفات علیہ السلام پر اجماع ہے۔ اس کے بعد ایک بے بنیاد و بے سند قول سے امام مالک کے متعلق بھی لکھا ہے کہ وہ بھی وفات علیہ السلام کے قائل تھے۔ کیسی افتراء پر وازی کی ہے ان ظالموں نے! پھر چند افراد کے نام بھی انہوں نے لکھے ہیں کہ یہ بھی اس عقیدے کے حامل تھے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اس پندرہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہی چند لوگ انہیں اپنے ہم عقیدہ مل سکے ہیں اور کیا یہی لوگ دین میں حجت ہیں؟ پندرہ سو سال میں یہ چند افراد ہی دین کے سمجھنے والے تھے! دلیل ہی دینی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پیش کرتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے اقوال صحیح احادیث کے حوالے سے بیان کرتے۔ انہوں نے اپنے جیسے چند گمراہ پیش روؤں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے محض چند من گھڑت اور بے سند اقوال بیان کر کے گویا اپنا گوبر مراد پالیا! سند کے ساتھ بیان کی جاتی والی احادیث رسول پر ان اقوال کو فوقیت دی اور ان اقوال کی بنیاد پر قرآن کے بیان کردہ عقیدے اور موقف کو جھٹلانے کی کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں جو کوششیں یہود و نصاریٰ نے کی ہیں، انہوں نے تو ان کو بھی مات دیدی۔

مناسب ہے کہ آخر میں ہم موصوف کے ان سوالات کا بھی مختصر جواب دے دیں جو انہوں نے اپنی کتاب کے آخری صفحے پر لکھے ہیں۔ یہ وہی سوالات ہیں جو قادیانیوں کی اکثر کتب میں مختلف انداز میں کیے گئے ہیں۔ الحمد للہ اتمام سوالات کا مکمل جواب اس مضمون میں موجود ہے، لیکن چونکہ ایک خاص انداز میں یہ سوالات کیے گئے ہیں، اس لیے ہم مختصر ان کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال نمبر ۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول نبی و رسول کی حیثیت سے ہوگا یا اہلی کی حیثیت سے؟

سوال نمبر ۲۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام ایک اہلی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو کیا کسی اہلی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سارے اہل کتاب اور غیر مسلموں سے کہے کہ مجھ پر ایمان لاؤ؟

لکھی جاتی ہیں اور یحییٰ بن کبیر اس سے زیادہ محفوظ ہے۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ائمہ راویوں میں کیا ہے۔ الساجی نے اس کو صلوق یعنی بہت سچا کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ وہ روایت حدیث میں سب سے زیادہ ثابت ہے۔ اخطی اور ابن قانع نے بھی اسے ثقہ بتایا۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۷، صفحہ ۶۳، ۶۴)

اس روایت کے دوسرے راوی یونس بن یزید الاہلی پر بھی میزان الاعتدال ہی کے حوالے سے خوب جرح کی ہے جبکہ اسی مقام پر ذہبی نے انہیں ثقہ اور حجت قرار دیا ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ زہری سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثابت لوگ مالک، معمر، یونس، عقیل، شعیب اور ابن عدی ہیں۔ عبد الرزاق نے ابن مبارک کا قول نقل کیا کہ میں نے معمر سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا جو زہری سے روایت کرتا ہو مگر یونس کو جو اسناد کے بارے میں زیادہ محفوظ ہے۔ الدوری نے کہا کہ ابن معین زہری سے روایت کرنے میں یونس اور معمر کو صاحب علم بتاتے ہیں۔ اخطی اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ وہ روایت حدیث کی صلاحیت رکھتا ہے اور زہری سے مروی احادیث کا عالم بتایا۔ ابو زرہ الرازی نے کہا: لا باس بہ یعنی اس کی روایات لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن خراش نے اس کو سچا بتایا۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ائمہ راویوں میں کیا۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۷، صفحہ ۶۳، ۶۴)

بخاری کی تیسری روایت میں انہوں نے لیث بن سعد پر جرح کی ہے اور حسب روایت یہاں بھی ذہبی کی اس قدیل کو درخور اعتناء نہ سمجھا کہ: احمد الاعلام والائمة الاحیاء، ثقة حجة بالانواع یعنی نامور و مستند اماموں میں سے ایک ہے، بغیر کسی نزاع کے ثقہ ہے، قابل حجت ہے۔ مگر ان کا دور خاپن دیکھیے کہ جب خود روایت پیش کرتے پر آتے ہیں تو انہیں کوئی سقم نہیں دکھائی دیتا۔ "اصلاح ایمان" کے صفحہ نمبر ۲۳ پر جو روایت بیان کی گئی ہے اس کی سند میں یہی راوی شامل ہے۔

زہری پر تو یہ بہت ہی ناراض ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ ان کے تمام ہم مسلک منکرین نے ان کو نکالنا نہ پایا ہے، اور لگتا ہے کہ وہ تو ان کے نزدیک واجب القتل ہے کیونکہ ان تینوں روایات کی سند میں اس کا نام آتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"زہری: كان بدلس في النادر (میزان ج ۳ صفحہ ۳۰) بعض قات تملیس کرتا تھا۔ محدثین کہتے ہیں کہ (تملیس کسی راوی یا روایت میں عیب چھپانا) عیب چھپانا کیڑا بیچنے میں حرام ہے تو حدیث میں تملیس بدرجہا حرام ہے۔ یہ ہیں وہ خلاف قرآن روایات کی اسناد کا حال جس پر نا سمجھوں نے عقیدہ استوار کیا ہے۔" (ایضاً: ۲۰)

لیکن قارئین اسی راوی کی روایات "اصلاح ایمان" میں بلا جھجک پیش کی گئی ہیں۔ ہم نے اس سے قبل بھی اس راوی کی دور روایات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ "اصلاح ایمان" صفحہ ۳۶ پر موسیٰ علیہ السلام

سوال نمبر ۳۔ قرآن حکیم میں جہاں ساری انسانیت اور اہل کتاب کو دعوت اسلام دینی مئی ہے کیا وہاں یہ بات ان سے کہی گئی ہے کہ تم ایک امتی (مسیحی النبیؑ) پر بھی ایمان لانا؟

سوال نمبر ۴۔ کیا قرآن وحدیث میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مسیحی النبیؑ کا نزول بطور امتی ہوگا؟

سوال نمبر ۵۔ مسیحی النبیؑ کو وہ بارہ نزول کے وقت "نبی" کے بجائے "امتی" ماننے سے ان کی نبوت کا انکار لازم نہیں آئے گا؟ (کیونکہ بنہاں مسیحی النبیؑ قرآن حکیم میں سورہ مریم آیت ۳۰ میں ہے: **يُوحِیْهِمْ نَبِیًّا** "اور اس اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے")

سوال نمبر ۶۔ اگر مسیحی النبیؑ نبی اور رسول کی حیثیت سے آئیں گے تو اس وقت آخری نبی مسیحی النبیؑ ہوں گے یا محمد ﷺ؟ کیا محمد ﷺ کی بعثت کے بعد بھی کسی نبی یا رسول کی ضرورت ہے؟

سوال نمبر ۷۔ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں آنے والی امتی مسیحی النبیؑ کو مانا جائے تو محمد ﷺ کے اس فرمانِ عظامی اسرار الاستیاء لانی بعدی (میں تمام نبیوں کے آخر میں ہوں اور میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا) کا کیا معنی ومنہوم ہوگا؟

ان سوالات نما اعتراضات کا ازالہ

مسیحی النبیؑ کے لیے نبی و امتی کی جو یہ بحث چھیڑی گئی ہے، یہ محض قادیانیوں کا پھیلا یا ہوا ایک فتنہ ہے کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح (جو نازل ہوگا) وہ نبی ﷺ کا امتی ہوگا۔ چنانچہ محمد ہادی نے ان کے ایجنٹ کے طور پر یہ سوالات اپنی اس کتاب میں نمایاں طور پر شائع کر دیے تاکہ لوگ شکوک وشبہات کا فکار ہو کر نزول مسیحی النبیؑ کا انکار کر دیں اور قادیانیت کے لیے راہ کھل طور پر ہموار ہو جائے۔

مسیحی النبیؑ بنی اسرائیل میں بحیثیت ایک نبی و رسول مبعوث فرمائے گئے۔ ان کی نبوت و رسالت صرف اسی قوم کے لیے تھی جبکہ نبی ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔ اب یہ ساری امت، امت محمدیہ ﷺ ہے۔ مسیحی النبیؑ کا رفع ہوا ہے۔ انہیں اس دنیا میں واپس بھیجا جائے گا جہاں وہ اپنی زندگی کی باقی مدت پورا کریں گے۔ وہ نبی تھے، نزول کے بعد بھی نبی ہی ہوں گے۔ ایک دفعہ نبوت ملنے کے بعد کوئی بھی نبی اس منصب عالی سے معزول نہیں کیا گیا، لیکن چونکہ ان کی شریعت صرف بنی اسرائیل تک محدود تھی اس لیے اس امت میں وہ بحیثیت حاکم آئیں گے اور اسی کی شریعت کے پیروکار ہوں گے جس طرح ہارون علیہ السلام نبی تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے۔ یہ سارا معاملہ معجزاتی ہے اور انسان کی عقل و فہم سے باہر ہے۔ ہمیں جو کچھ قرآن وحدیث سے ملتا ہے اسی پر ایمان لانا ہے۔ ان پر ایمان لانے کا کیا تقاضا ہے، اس مضمون میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی مدد کے لیے ان کو بھیجا گیا ہے، محض شیطانی شوشہ ہے۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کیسے نبی ہوں گے کہ ان کی نبوت ہی نہیں چلے گی! کیا انہوں نے کبھی سوچا کہ ہارون علیہ السلام کی نبوت کیسے چلی تھی؟ یہ بھی محض ایک ہمارا کن شوشہ ہے۔ ہر نبی کا ایک منصب اور ذمہ داری ہوتی ہے جس کو پورا کر کے وہ اللہ کے یہاں ایک مقام پالیتا ہے۔ پچھلے انبیاء کی نبوت ان کی امتوں تک تھی اور نبی ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لیے نافذ العمل ہے۔ جس طرح پچھلے انبیاء کی نبوت

ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ نبی کہلاتے ہیں اسی طرح نبی ﷺ بھی قیامت کے دن اپنی نبوت ختم ہو جانے کے بعد بھی نبی ہی کہلائیں گے۔ لانیسی بعدی کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بعد اب کسی بھی شخص کو صاحب شریعت نبی بنا کر نہیں بھیجا جائے گا۔ مسیحی النبیؑ جن کا اللہ تعالیٰ نے رفع فرمایا ہے، ان کے نزول کے متعلق یہ کہنا کہ کوئی پہلے کا نبی بھی نہیں آ سکتا، محض شیطانی شوشہ ہے اور قرآن وحدیث کا انکار ہے کیونکہ حدیث بتاتی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث ہی بیان کرتی ہے کہ مسیحی النبیؑ کا نزول ہوگا۔

سوال نمبر ۸۔ مسیحی النبیؑ کا آسمانوں پر اٹھایا جانا اور وہاں صدیوں رہنا اور پھر زمین پر نزول فرمانا اللہ کی نعمتوں میں سے ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۹۔ اگر نعمتوں میں سے ہے تو قیامت کے دن مسیحی النبیؑ کو اپنی نعمتیں یاد کرائے گا: ان نعمتوں میں مسیحی النبیؑ کا آسمانوں پر اٹھایا جانا، پھر زمین پر نزول فرمانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

سوال نمبر ۱۰۔ کیا (نمودہ باللہ) اللہ تعالیٰ اتنی بڑی نعمت کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں یا آسمانوں پر اٹھایا جانے کا واقعہ حق رہنا نہیں ہوا ہے؟

وہم کا ازالہ

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے:

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُحْيِي ابْنَ مَرْيَمَ إِذْ نَزَّ بِرُوحِي عَلَى الْوَلَدِ وَقَالَ

وَلَا تَكْفُرْ بِنَبِيِّ إِذْ نَزَّلَ عَلَيْكَ لَوْ كُنْتُمْ مِنَ الْكَافِرِينَ

فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ مَرْيَمَ ابْنَتَ لَدَّ لَهَا مَعْزُومَةٌ

"جب اللہ فرمائے گا اے مسیحی ابن مریم یا ذکر میری نعمتوں کو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کی تھیں: جب میں نے روح پاک سے تمہاری مدد کی وہ تم گوارے میں لوگوں سے کلام کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی اور جب میں نے تمہیں کتاب وحکت، تورات اور انجیل کی تعلیم دی تم میرے حکم سے پرہیز کی شکل کا مٹی کا پتلا بناتے تھے اور اس پر بچھو لگتے تھے تو میرے حکم سے وہ ایک پتہ بن جاتا تھا: اور تم مادر زاد اندھے اور ریش کے مریدوں کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، اور جب تم مردوں کو میرے حکم سے اٹھا کھڑا کر دیتے تھے: پھر جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا: جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر پہنچتے جو ان میں منکر حق تھے انہوں نے ان نشانوں کو میری چادر قرار دیا تھا۔"

دیکھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان نعمتوں کا ذکر فرمائے گا جو اس نے مسیحی النبیؑ کو عطا فرمائی تھیں۔ یہ دراصل معجزات کی شکل میں ہیں اور رسالت کی ذمہ داریوں کو سرانجام دینے کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ انہی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ اس بات کا بھی ذکر فرمائے گا کہ جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا تھا۔ یہ اشارہ یہودیوں کی اسی سادش کی طرف ہے جو انہوں نے مسیحی النبیؑ کو قتل کرنے اور رسولی

(باقی صفحہ آخر پر)

قاتلہ ہے رواں دواں

سجاد حسین، سرگودھا

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

سال گزشتہ کا یہ تربیتی اجتماع ۱۲۰۱۱ء اپریل ۲۰۰۵ء مسجد توحید (بھٹ) خشت)، قادر پور راولاں، ضلع ملتان میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے تمام علاقوں سے ناظمین اور نائب ناظمین نے شرکت کی۔

۱۱ اپریل بروز پیر صلوٰۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبد العزیز صاحب نے سورۃ التحل کی آیت نمبر ۲۵ اذْخُلُوا إِلَى سَبِيلِ رَبِّكُم بِالْحِکْمَةِ وَالنُّعْوَظِکُمُ الْحَسَنَۃَ وَجَازِلُهُم بِالْإِحْسَنِ کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسانیت کا سلسلہ زمین پر جاری فرمایا تو ساتھ ہی ساتھ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ بھی شروع کیا تاکہ وہ انسانیت کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھائیں اور اس سلسلہ میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام اور ان کے ذریعے نسل انسانیت سے فرمایا گیا قُلْ اِنَّمَا یُؤْتِیْهِ حَیْثُ یَشَآءُ فَمَنْ تَبِعَ هَدَایَیْ فَلاَ کُفْرَ لَیْسَ عَلَیْکُمْ وِلاَکُمْ مَعْرُکُوْنَ (البقرہ: ۳۸) کہ تمہاری رہنمائی کرتا رہوں گا۔ میری طرف سے براہ تمہیں ہدایت و رہنمائی فراہم ہوتی رہے گی جس پر عمل پیرا ہو کر تم کامیابی سے ہمتا رہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو دنیا میں اکیلا، بے یار و مددگار نہیں چھوڑا بلکہ انکی رہنمائی کے لیے سب ضرورت شہر شہر، قریہ قریہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے اس پروگرام یا سلسلہ ہدایت کو شکر کرتے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں، حکمت و دانائی کیساتھ اپنی اپنی قوم کو اس پروگرام یعنی راہ ہدایت پر لانے کے لیے کوششیں کیں، یہاں تک کہ یہ سلسلہ رشد و ہدایت اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ پر آکر ختم ہو گیا۔ اس مرحلہ پر آکر فرمایا گیا اَللّٰهُمَّ اَکْمِلْ لَکَ ذِیْنِکَ وَ اَقْمِمْ عَلَیْکَ تَعْمِیْقُ وَ رَحْمَتُکَ (العائدہ: ۳) کہ اب قیامت تک کسی اور پروگرام اور منصوبے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس امت کو مزید کسی نبی کی ضرورت سے قاریغ

کر دیا۔ اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے ایسا عالمگیر اور جامع پروگرام اس امت کے لیے نازل فرمایا اور ایسی کتاب عطا فرمادی جس کا قانون ایسا اعلیٰ اور مکمل ہے کہ قیامت تک آنے والوں کے لیے یکساں طور پر مفید اور قابل عمل ہوگا۔ یہ کام صرف اللہ کی ہستی ہی کر سکتی ہے۔ دنیا والے، یہاں کے دانشور و مفکرین نہیں کر سکتے کہ ایسا قانون اور اصول وضع کر دیں جو خامیوں سے پاک اور سب کے لیے یکساں مفید ہو۔ دنیا میں تو یہ سلسلہ چلتا ہے ہر کہ آمد عمارت تو ساخت، جب کہ اللہ کا قانون ایسا ہے جس میں کوئی خامی نہیں اور نہ اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اس کا تو چیلنج ہے: فَالَّذِیْنَ یُسَوِّدُوْنَ وُجُوْہَہُمْ (البقرہ: ۲۳) کہ اس جیسی کوئی ایک ہی سورۃ بنالاء۔ مگر اس کو آج تک کوئی قبول نہ کر سکا اور نہ آئندہ قبول کر سکے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے ایسی الٹائی کتاب ہدایت نازل فرمائی ہے اور ایسا تفصیل مبعوث فرمایا کہ اب قیامت تک کسی اور رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کے بعد اب یہ کام، یعنی نسل انسانیت کو اللہ کے راستے پر لانا، اس آخری امت کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں فرمایا: کُنْتُمْ خَلِیْفَہُ فَاَتَوْا تُخْبِرُوْنَہُمْ بِالْمَقَالِیْنِ (ال عمران: ۱۱۰) یعنی تم امت کے بہترین لوگ ہو جنہیں لوگوں کی (ہدایت کی) خاطر نکالا گیا ہے۔ یہ فریضہ، یہ ذمہ داری اب تم نے ادا کرنی ہے۔ دنیا امن کا گہوارہ صرف اس صورت میں بن سکتی ہے کہ جب مالک کے پروگرام پر عمل کیا جائے۔ دنیا والوں کے قوانین اور ان کے بنائے ہوئے ضابطوں سے امن قائم نہیں ہو سکتا، بلکہ امن و سلامتی کے اس پیغام ربانی کو کما حقہ ان تک پہنچانا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اس کے ذریعے ہی ان کا خوف امن سے بدلے گا جیسا کہ سورہ نور کی آیت کے ذریعے وعدہ اختلاف میں بیان فرمایا گیا ہے۔ البتہ اس وعدے کے پورا ہونے کے لیے ایک شرط رکھی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ یُحِیْیْ وَ یُکْفِیْ لَآ یُفْیِرُ کُلُوْتِیْ شَیْئًا (النور: ۵۵)۔ ہندگی صرف اللہ ہی کی ہوگی اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء علیہم

السلام، ان کے مانتے والوں، اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں بیشمار دکھ اور پریشانیاں ملتی ہیں۔ لیکن یہ محض ظاہری اور خارجی طور پر ہے کہ دکھ اور پریشانی ہے، داخلی طور پر ان برگزیدہ شخصیات کو امن و سکون اور اطمینان قلب حاصل تھا۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہے اور پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ مثلاً، فرعون کے دربار میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا جادو و گدگدوں سے مقابلہ۔ یہ جادوگر اپنے شیطانی حربوں اور فرعون کی سرپرستی کے ساتھ دو آدمیوں کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں۔ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ یہ دو آدمی ان سب کے مقابلے میں کس طرح کامیاب ہوں گے؟ مگر اللہ کی تائید و نصرت غالب آتی تو ہاں دیگر بھی ایمان لے آئے اور پکار اٹھے اَمَّا يَوْمَ تَمُوتُ وَاَنْفُسُ يَخْرُجُ مِنْ صُفْحٍ مُّطَهَّرٍ (طہ: ۷۷) جو چند منٹ پہلے فرعون کے ہاں مقام بنانے کی فکر میں تھے، وہ اب ایمان لا کر آخرت کی سرخروئی کی فکر میں ہیں، جبکہ اپنا انجام بھی انہیں معلوم ہے۔ موت سامنے رخص کر رہی ہے۔ فرعون ہاتھ دیر کاٹ دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے، مگر یہ کہتے ہیں: ہمیں پتہ ہی آج چلا ہے کہ اصل اللہ اور مالک اللہ ہے۔ داخلی طور پر وہ مطمئن ہیں۔ فرعون کے غصے کی پروا نہیں، اپنے مالک سے ڈرتے ہیں۔ فرعون سے کہتے ہیں کہ جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں ان پر اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، اس کے مقابلے میں ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔ فَاَقْبَضَ مَالِكًا فَاصْبِرْ اِنَّمَا تُعْنِي هَذِهِ الْعِيَاةُ الدُّنْيَا (طہ: ۷۲، ۷۳) تو نے جو فیصلہ کرنا ہے، جو حکم دینا ہے دے دے، تیرا یہ حکم یا اختیار تو محض اس دنیا کی زندگی کی حد تک ہے۔ جبکہ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمادے بشمول اس جادو کے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا۔ اللہ کی معیت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ کتنی خوبصورت دعوت ہے اپنے مالک کی طرف! اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات ہیں جو داخلی اور قلبی طور پر مطمئن تھے اپنے مالک کی رضا پر۔ یہ اطمینان صرف خالص مومن کو نصیب ہوتا ہے، چاہے وہ خارجی طور پر جس قدر بھی حوادث کا شکار ہو۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَكَتَبْنَا لَهُمْ فِي الْكِتَابِ مِنْ اَمْرِ الْاٰمَنَاتِ وَالتَّوْبَةِ وَالْحَنُوفِ وَالتَّقْوَىٰ مِنَ الْاَمْنِ وَالْاَمْنِ وَالْاَمْنِ وَالْاَمْنِ وَالْاَمْنِ (البقرة: ۱۵۵)۔ ایمان والوں کے لیے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی آزمائشیں لازمی طور پر آتی ہیں لیکن بشارت صرف ان کے لیے ہے جو اللہ کی رضا پر راضی اور مطمئن رہ کر اس راہ میں صبر کرنے والے ہیں۔ اللہ کی طرف بلائے کی ذمہ داری کے حوالے سے فرمایا: وَهَمَّ اَخْسَنُ قَوْلًا مِّنْكُمْ دَعَا إِلَى الْاٰمَنَاتِ وَكَانَ رِجْزًا (حجۃ المجد: ۳۳) اور اس سے اچھی کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے اور اعمال

مسافر کرے اور عام مسلمان میں خود کو شمار کرے۔ یعنی جس بات کی دوسروں کو دعوت دی خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ سورہ یوسف میں فرمایا: قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي اَدْعُو إِلَى الْاٰمَنَاتِ۔ اللہ کے نبی ﷺ جس راستے اور طریقے پر گامزن ہیں، ان کے اسوہ حسنہ پر چلنے والوں کا راستہ بھی وہی ہے جو پورے شعور اور بصیرت کے ساتھ اللہ کی راہ پر قدم ڈالتے ہیں اور اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہیں۔ تلاوت کردہ آیت میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے: اَدْعُو إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالنُّعُوظِ الْحَسَنَةِ وَجَاوِزْ بِالْحَقِّ هِيَ الْاَمَنَاتُ اِنَّ رِبِّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَعْنٰ صُلٰحٍ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُفْتَدِيْنَ۔ اس میں دعوت و تبلیغ کے اصول بیان کر دیے کہ چند چیزیں ملحوظ خاطر ہیں۔ اللہ کی راہ میں، اس کی بندگی کی طرف دعوت دینا، یہ ایک ذمہ داری ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ مگر عملی کے ساتھ، حکمت و دانائی اور شیریں بیانی یعنی بیٹھے بول سے دعوت دینا، اس سلسلے میں بحث و مباحثہ احسن طریقہ سے کرنا۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی دعوت اگر محض لفظی دعوت ہے اور اس میں عمل کی تاثیر نہ ہو تو چاہے وہ کتنی ہی زرین ہو، دھوکے کے مرغولوں کی طرح فضا میں تحلیل ہو جائیگی۔ محض الفاظ سے کبھی بھی تاریخ پر اثر نہیں ڈالا جاسکتا۔ عمل سے خالی دعوت اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُولُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳)۔ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت سخت (قابل گرفت) ہے کہ تم وہ کہو جس پر تم خود عمل نہ کرتے ہو۔ جب تک دعوت پر خود عمل نہ ہو اس میں اخلاص نہیں پیدا ہوتا۔ اخلاص کی تو خاموشی میں بھی فصاحت و بلاغت ہے۔ عمل سے خالی دعویٰ نفاق پر مبنی ہوتا ہے۔ دعوت الی اللہ کا عملی نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غلوں کا پیکر تھے، جن کی ہر چیز خالص تھی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَوْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَعَدٍ (البقرة: ۷) جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح کرتے رہے، وہی لوگ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ اپنے اپنے دعوے کے مطابق تو پوری قوم عمل پیرا ہے، اس حوالے سے ہمارا کیا مقام ہے، اس کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بات پہلے ہاتھ لی جائے کہ ذہنی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے اس وقت تک انتظار کیا جائے کہ جب تک تیاری بھرپور اور مکمل نہ ہو جائے۔ تیاری کے لیے قرآن و سنت بنیاد ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح تیاری کی! پھر اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹانے لگے۔ بال بال تبدیل ہو گیا۔ قدوسی، رنگ و وہی، مگر سوچ، فکر، آرزوئیں اور امتلیں تبدیل ہو گئیں۔ مکمل نظریہ بن گئے۔ شادی، غمی اور معاملات سب کچھ نظریے کا ترجمان بن گیا۔ اسوہ حسنہ کو وہ عملی زندگی میں لے آئے۔ آج اگر ہم بھی اپنے کردار کو، عملی زندگی کو اسوہ حسنہ

کے مطابق وحال لیں تو مکمل نظریہ بن جائیں گے۔ پھر رنگ جہاں بدلے گا، انشاء اللہ۔ جنگ بدر میں اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے کا سارا اسلام میں میدان لے کر آگیا ہوں۔ یعنی اسلام کے سچے پیروکار جنہوں نے اپنے ایمان کے تقاضے کے طور پر مکمل اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لی ہے اور تیری راہ میں جان کی بازی لگانے کے لیے میدان میں اتر آئے ہیں، اب تو ہی ان کو اپنی نصرت و حفاظت سے نواز اور سرخ رو فرما، یہ ختم ہو گئے تو دنیا سے اسلام مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور اپنی نصرت و حفاظت سے نوازا۔ **لَقَدْ خَلَقْنَاكَ خَيْرَ الْخَلْقِ وَلَوْ فَتَحْنَا لَكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا وَمَا بِلَدِّكَ** ہم سے بھی خطاب ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالیں۔ گفتگو و کردار میں، معاملات میں، غرض ہر میدان میں اپنے آپ کو دعوت دیں، خود کو تیار کریں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل اپنائیں۔ وہ عاجزی و انکساری کا پیکر تھے، اللہ کے سامنے گڑگڑاتے تھے، وہ vips نہیں بنے۔ اللہ کی طرف بلانے والوں کی زندگیاں vips والی نہیں تھیں۔ اپنے دشمن شیطان سے ہوشیار رہیں۔ دعوت کے دوران، لوگوں سے گفتگو میں وہ نفس کے اندر اکساہٹ پیدا کرے تو اللہ کی پناہ اور اس کی حفاظت چاہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میدان میں توفیق احسن سے نوازے۔ آمین

اشراق و ناشتہ کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب کے افتتاحی کلمات سے اس دورہ تربیتی اجتماع کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ انہوں نے سورہ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۷، سورہ انفال کی آیات ۲ تا ۱۳ اور سورہ زمر کی آیات ۲۳، ۲۴ کے حوالے سے بیان کیا کہ اہل ایمان سے تاکید کی گئی کہ کبھی کبھار خطاب کیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرو، اس کی نافرمانی سے بچو جیسا کہ اس کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اسلام پر۔ گویا مرض کی نشاندہی سے قبل ہی اس کا علاج بتا دیا۔ جیسا کہ اہل کتاب کو کہا گیا: **أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ** (البقرہ: ۸۵)۔ دورنگی اختیار نہ کریں کہ کتاب کی بعض باتیں مانیں اور بعض نہ مانیں۔ اللہ کی کتاب میں حلال و حرام کی واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس لیے اختلاف، اقل سے بچنے اور کتاب اللہ سے تعلق جوڑنے کا واضح اور دو ٹوک حکم دیا گیا ہے۔ ایمان کے بعد سب سے بڑا تقاضا ایک متفق و متحد اجتماعیت کا قیام ہے، اہل ایمان کی شیرازہ بندی ہے۔ یہ دعوائے ایمان کی پہچان اور اسلام کی شان ہے۔ اللہ کے وقار کی جنگ کون لڑے گا؟ اسلامی اجتماعیت اور اس کے ساتھ وابستگی کے بغیر ایہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی توفیق بخشی اور اہل ایمان کے دلوں میں الفت ڈالی۔ پھر یہ کیسی ناسپاسی ہے کہ اس اجتماعیت کے تعلق سے بے

پرواہی برتی جائے! کیا یہ وہ ہر معیار نہیں؟ اسلام تو نام ہی اجتماعیت کا ہے، جو ذاتی اتنا سے دستبردار ہو کر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری سکھاتا ہے۔ ابتدائے ایمان لانے والے چند لوگ تھے۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ کس وجہ سے؟ وہ کس بنیاد پر قائم ہوئے؟ ان سے کہا گیا کہ **لَقَدْ خَلَقْنَاكَ خَيْرَ الْخَلْقِ** ”تم امت کے بہترین افراد ہو“ یعنی ان میں یہ تبدیلیاں اجتماعیت کے حوالے سے رونما ہوئیں۔ جب معاشرے میں، خاندان میں، ایک صاحب ایمان خود کو تنہا سمجھتا ہے تو پھر کون سا سہارا ہے جو اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے؟ یہی اجتماعیت اور تحریک۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا کہ جس نے جماعت سے بالشت بھر بھی ملحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں موت سے ہمکنار ہوا، تو وہ جہالت کی موت مرا! کچا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے، امیر کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کریں! کفر و شرک کے ماحول میں ایمان لانے والا اپنے ہم عقیدہ افراد ہی تلاش کرے گا۔ ایمان کے تقاضے جماعت کے ساتھ ہی صحیح معنی میں پورے کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن اسکے لیے افرادیت کو اجتماعیت میں ضم کرنا پڑتا ہے۔ محض ذاتیات اور باہم ضد و عناد کی بنیاد پر اختلاف کرنا و تفرقہ میں پڑنا، ایمان کے تقاضے کے منافی اور اللہ کی ناشکری ہے۔ قرآن میں اللہ کا واضح، دو ٹوک اور متعدد جگہ وارد ہونے والا حکم **وَلَا تَفْرُقُوا** یعنی تفریق نہ پیدا کرنے کا ہے۔ سورہ آل عمران کی جو آیت شروع میں تلاوت کی گئی، اس میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ اور مزید کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح دلائل و ہدایات آجائے کے بعد باہم اختلاف اور تفرقہ میں پڑے اور اس طرح بڑے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس لیے ایمان لانے کے بعد کفر اور پھر انجام کار اس عذاب سے بچنے کے لیے خیال کرنا ہوگا کہ یہ ایک نہایت سنجیدہ و گہرے معاملہ ہے۔ محض تسکین ذوق کی بات نہیں۔ اللہ کی نعمت کی قدر رانی کرنا ہوگی اور یہی اس کی شکرگزاری کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق بخشے۔ آمین

اس کے بعد راولپنڈی کے ظلیل الرحمن صاحب نے تجوید کے قواعد کے سلسلے میں نو (۹) حروف کے خارج کو تفصیل سے بیان کیا، ان کے تعلق سے ہونے والی غلطیوں کی نشاندہی کی اور ان قواعد کی روشنی میں قرأت القرآن کی مشق کرائی۔ تجوید کے پروگرام کے بعد فیصل آباد کے نوجوان ساتھی رفعت نواب نے سورہ زمر کی آیات ۱۷، ۱۸: **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتْلُوا الْقُرْآنَ** کی روشنی میں تقریر کی۔ انہوں نے ہجرت حبشہ کے قریب نازل ہونے والی اس سورہ کا مختصر پس منظر اور اس میں بیان ہونے والے مضامین کے حوالے سے بتایا کہ دین خالص یا اللہ کی خالص بندگی اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اس

سورہ کا مرکزی مضمون ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: **قُلْ رَافِعُ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ إِنَّ أَكْبَرُ دِينِكُمْ أَنَّ تَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ** (آیت ۱۲۱)۔ اسلام اطاعت و فرمانبرداری کا دین ہے۔ مع و طاعت (دین اسلام کا محور ہے۔ یہ نہ تو پھر بغاوت و سرکشی ہے۔ فرمایا: **قُلْ رَافِعُ أَعَاذَ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمِهِ** (آیت ۱۳)۔ اللہ کا رسول اپنے آپ کو پیش کرتا ہے کہ اگر میں اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کروں تو مجھے بھی بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ یہ ضابطہ ہے اسلام کا۔ پھر فرمایا: **قُلْ إِنَّ الْخَيْرَ مِنَ الدَّيْنِ حَيْرٌ وَأَنْتُمْ مَعَهُمْ وَأَنْتُمْ يُسْرًا** (آیت ۱۵) یہ معیار ہے اللہ کے دین کا جس کے مطابق ایمان والوں کی تربیت ہو رہی ہے۔ رفعت نواب نے تلاوت کردہ آیات اور قرآن و حدیث کے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں طاغوت کے مسئلے کی بھی وضاحت کی اور بتایا کہ یہ مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا محور ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جو دین حق پر عمل پیرا ہونے میں رکاوٹ ہے۔ طاغوت کا کفر اور اس سے برأت کیے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا: **فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَالُ لَهَا**۔ (البقرہ: ۲۵۶)۔ جس نے طاغوت کا کفر کیا، پھر ایمان لایا اس نے ایسے مضبوط حلقے کو تھاما جو ٹوٹنے والا نہیں۔ طاغوت کیا ہے؟ اللہ کی کتاب بیان کرتی ہے: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالطَّاغُوتِ يُضِلُّونَهُمْ مِنْ الثَّوَابِ إِلَىٰ السَّعِيرِ**۔ (البقرہ: ۲۵۷) دین کے راستے سے ہٹا کر گمراہی کی طرف لے جانے والے، جنہوں نے دین کے راستے میں روڑے اکائے۔ گویا دین کے راستے کی ہر رکاوٹ طاغوت ہے۔ کوئی بھی ہو، کسی بھی شکل میں ہو۔ شخصیات و نظریات ہوں یا تنظیمیں اور جماعتیں، آبا و اجداد ہوں یا پیر و مولوی۔ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری ہی اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ کی فرمانبرداری، اس کا حکم ماننا اس کی عبادت ہے۔ اس لیے فرمایا گیا: **لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنَّجْمِ وَالْكَوْكَبِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْأَشْيَاءِ الَّتِي يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ**۔ (البقرہ: ۲۲)۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں احبار و رہبان کو ترجیح دینا، ان کو رب بنانا ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَتَهْتَكُوا دِينَ اللَّهِ**۔ (البقرہ: ۱۶۵) جو معاملہ اللہ سے ہوتا چاہیے، جب مخلوق سے ہوگا تو یہ اس کی بندگی ہوگی۔ شیطان نے اللہ کے حکم سے سرکشی کی، تکبر کیا اور نتیجتاً ہمارا ہوا۔ یہ سرکش و باغی اور انسانیت کو گمراہ کرنے والا ہے۔ اس کے پیچھے انسانوں اور جنوں میں سے ہیں جو اس کے پیچھے

پیچھے چلتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **وَالَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ يَتَوَحَّشُونَ إِلَىٰ آيَاتِهِمْ لِجَعَلُوا لَوْ كَفَرُوا**۔ (النجم: ۱۲)۔ انہوں نے بخاری کے حوالے سے زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کا ذکر کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے گمراہ تھے۔ وہ دین ابراہیمی پر قائم اور اہل عرب کے شرک سے بیزار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انہیں قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ کسی سے ان کا دینی شجرہ نہیں مل رہا۔ یہ شجرے والے سب، حق اور حقیقت کو جانتے ہوئے انکار کرنے والے ہیں، جاننے کے باوجود انہوں نے آنکھیں بند رکھیں کہ بگڑی اور دنیا کے جھوٹے وقار کا معاملہ تھا۔ انہوں نے جان بوجھ کر یہ کام کیا۔ قدر مشترک یہ تھی نفس کی پیروی کی گئی۔ نفس کو الہ بنا دیا گیا۔ قرآن نے اس حقیقت کو بھی بیان کیا ہے: **فَأَنفَكْنَا مِنْهَا آلَ نَارِ الْهٰیْمَةِ الَّتِي كَانَتْ تُرَىٰ مِنْ عَادٍ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ الَّتِي نَقَحَ رَبُّهَا بَنُو إِسْرٰءِیْلَ وَكَانَتْ صِدْقًا**۔ (النجم: ۱۶)۔ انہیں دنیا کی محبت اور حوا، یعنی خواہش کی پیروی نے روکا۔ دامیان حق کے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ ان بڑے بڑے طاغوت کا کفر کرنا مشکل نہیں۔ لیکن جس چیز نے انہیں طاغوت بنایا یعنی خواہش نفس نے، کہیں ایسا نہ ہو کہ طاغوت کا شذوذ سے انکار کرنے والے نفس کے سامنے ڈھیر نظر آئیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ایمان والوں کے اندر ”وہن“ کی بیماری آئے گی جو سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ دنیا کی محبت اور موت سے ڈرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: **الدُّنْيَا سَبْجُنُ الْمُؤْمِنِ وَخُتْمُ الْكَافِرِ**۔ اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ کردار سازی پر زور دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح آخرت کی فکر اپنے اندر پیدا کریں کہ آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

مختصر و حقے کے بعد سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳ **لَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰی فَمَا يَنفَرُ عَنْهَا يَأْتِ الْفِتْنٰةَ وَتَكُونُ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ** کے عنوان پر فہم القرآن کا پروگرام جو اس میں ۲۰ منٹ (دو ریسے) کی پانچ تقاریر ہوئیں۔ اس پروگرام میں سرگودھا پنجاب سے عطا اللہ صاحب، کتھاڑی صوبہ سرحد سے زاہد خان صاحب، کراچی صوبہ سندھ سے مشتاق احمد صاحب، آزاد کشمیر سے محمد متیق صاحب اور بلوچستان سے عبدالکریم صاحب نے حصہ لیا اور مختصر سورہ توبہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے حوالوں کی روشنی میں احبار و رہبان کے کردار کو واضح کیا کہ کس طرح یہ گمراہ امتوں، بالخصوص بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب بنے۔ اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور آج اس آخری امت میں بھی شخص دنیاوی مقادات کے حصول کے لیے اپنا طاعونتی کردار ادا کر رہے ہیں۔ دین فروشی کے ذریعے ناجائز مالی منفعت کے حصول کے لیے کتاب اللہ کی تعلیمات میں معنوی تحریف کر کے گمراہ

کن عفتہ کن کی سرپرستی کرنا، لوگوں کو فرتوں اور مساکن میں تقسیم کرنا اور تھکی دے کر سلا دینا، ان کا معروف کر دیا ہے۔

صلوۃ الفجر کے وقفے کے بعد کراچی کے یعقوب علی نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۶۵ اَنۡمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّخۡذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِذَا لَحِقَ الْجُذُومَ تَخَوُّتُ اللّٰهَ كَمَا تَخۡوۡفُ اللّٰهَ تَعَالٰی سے تقریر کی اور مختلف حوالہ جات کے ذریعے مشرکانہ عقائد اور ان کی سرپرستی کرنے والوں کے بارے میں وضاحت کی۔

اس کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے عربی تعلیم کے پروگرام کے میں فعل ماضی کے بارے میں تفصیل سے درس دیا اور مثالوں کے ذریعے سمجھایا۔ فعل ماضی کے حوالے سے مختلف صیغوں کی گردان کرائی۔

عصر تا مغرب امیر تقی نے شرکاء اجتماع کے سوالوں کے جواب دیے۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد راولپنڈی کے محمد اعظم صاحب نے سورۃ قہان کی آیات ۱۹۱: یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَلُّوْا عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِٖ سَلَامًا

کے حوالے سے تقریر کی۔ انہوں نے سورہ لقمان کے مضامین اور اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لقمان حکیم کی وصیت کو تفصیل سے بیان کیا اور شرک، اس کی ہلاکت خیزی اور مشرکانہ عقائد کی وضاحت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی اہمیت اور اس حوالے سے اہل ایمان کی ذمہ داری کو قرآن و حدیث کے حوالوں کی روشنی میں وضاحت سے بیان کیا۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا غَيْرُ
رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَيَّ قَلْبُ بَشَرٍ كَمْ فِيهَا مَنْ لَمْ يَكُنْ
يَعْلَمُ مَا يَفْعَلُ وَلَا يَدْرِي مَا يَكُونُ لَهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيمٍ (الحججہ ۳۷) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان
نے ان کی خوبیوں کے بارے میں سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا تصور پایا جاتا
ہے۔ سورۃ الحج میں فرمایا: لَنْ يَسْأَلَكَ اللَّهُ لَهْوَكَ وَلَا ذِمَّتَكَ وَلَا لَكِنْ يَسْأَلُكَ التَّقْوَىٰ
وَيَذَرُكَ... (الحججہ ۳۷) کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تمہارے جانوروں کا گوشت پہنچتا
ہے نہ خون، بلکہ تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ یعنی تمہارا اخلاص اور نیت و
ارادہ ہے جس کی اللہ کے یہاں پذیرائی ہوتی ہے۔ انہوں نے قرآن وحدیث
کے متعدد حوالہ جات کے ذریعے ایمان خالص، اللہ کی راہ میں ایثار واستقامت
اور بالخصوص انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اللہ کے ہاں اس کی قدر و منزلت اور
اجر وثواب کو وضاحت سے بیان کیا۔

اشراق و ناسخ کے وقف کے بعد راولپنڈی کے ضعیف الرحمن صاحب نے تجویز کے بنیادی اصولوں کے حوالے سے مزید وضاحت کے ساتھ قرآن کی آخری سورتوں سے قرأت کی مشق کرائی۔

اس کے بعد مرکزی شورہ کی رکن اور کراچی کے ساتھی محمدی گل صاحب نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۹: **وَلَا يَحْزَنُوا عَلَى الْفِتْنَةِ الَّتِي كَانَتْ تُفْتِنُ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقْنُنَّ بِمَا يَكْفُرُونَ** پابیت اللہ تبارک و تعالیٰ کے حوالے سے تقریر کی اور سورہ آل عمران کے مضامین کا مختصر احاطہ کرتے ہوئے اس سورہ کے آخری رکوع کی آیات کی تشریح بیان کی۔ آپ نے بتایا کہ ایمان والے صحیح معنوں میں مطمئن اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھنے والے ہوتے ہیں جو آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کے درمیان پائی جانے والی آیات پر غور و فکر کر کے ان سے متاثر نہ ہوتے اور راہنمائی حاصل کرتے ہیں؛ وہ اپنے انجام کے بارے میں فکر مند اور اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہنے والے ہوتے ہیں؛ اپنے رب کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ اپنی بخشش کے لیے دعائیں کرنے والے، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُم مِّمَّنْ سَمِعَ** کہ وہ میرا رب جس کے ہاں سب کچھ ہے، وہ فرماتا ہے کہ ہم کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔ مرد ہو یا عورت، جنہوں نے بھی میرے لیے اپنے گھر یا رکھ چھوڑا اور میری راہ میں ستائے گئے، ان کے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور بہترین اجر و ثواب سے نوازے جائیں گے۔ اور اس ضمن میں یہ بات فرمائی گئی کہ اہل کتاب میں سے جو کوئی اللہ پر اور اس کی طرف سے اتاری گئی ہدایت

(چاہے گزشتہ کتب سے ہو یا اس کی آخری کتاب سے) پر ایمان لاتا ہے، اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی آیات کو دنیاوی مفاد کے غرض سے گریز کرنے والا ہے، جو ایسے لوگوں کو اللہ کے یہاں بھرپور اجر ملے گا۔

انہوں نے سورۃ المؤمنون کی آیت اَلْكَافِرُ بَيْنَهُمْ وَالْمُؤْمِنُ اَلَا يَخْلُقُكَ يَخْتِلُ کے بارے میں بیان کیا کہ سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں اس آیت کی وضاحت کی گئی ہے: یعنی آخرت کے حوالے سے احساس ذمہ داری پیدا کرنا کہ آخرت دنیا کی اس متاع قلیل کے مقابلے میں بہت بڑی دولت ہے، جس کے حصول کے لیے پوری فکر مندی ہونی چاہیے۔ دنیاوی مفادات کی آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں جیسا کہ سورۃ شوریٰ میں فرمایا گیا کہ مَن يَخْلُكْ يَوْمَ يُبْعَثُ حَرْثُ الْآخِرَةِ يَكُوْذُ لَدُنِّي حَرْثُهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْتِي حَرْثَ الدُّنْيَا فَلَا يَظُنُّهَا وَكَالَّذِي فِي الْآخِرَةِ مِنْ تَجْنِبٍ (جو آخرت کی کھیتی کا طالب ہو گا تو ہم اس کی کھیتی نہ جا [کر] دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے گا تو ہم اس میں سے اس کو [کچھ] نہ دیں گے مگر آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں اورایت میں آیا ہے کہ: اَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ الْاَوَّلٰتِ یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے جس نے خوب محنت کی، اچھی فصل کا شت کی، آخرت میں اس کا اچھا نتیجہ سامنے آئے گا۔

محمدی گل صاحب کی تقریر کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام روز بروز اس میں مدرس ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے فعل ماضی کے سبق کا اعادہ کراتے ہوئے فعل مضارع کے بارے میں بھی تعلیم دی اور اس سلسلے میں بنیادی باتوں کی وضاحت کی۔

مختصر وقفے کے بعد صوبہ جاتی رفتار کار کے جائزے کے سلسلے میں صوبائی امراء نے اپنے اپنے صوبوں میں دعوتی کام، مراکز کا قیام، مساجد کی تعمیر اور تعلیم و تربیت وغیرہ سے متعلق رفتار کار کا جائزہ پیش کیا۔ الحمد للہ، وسائل اور افراد کار کی قلت اور دوسری بہت سی مشکلات کے باوجود رفتار کار حوصلہ افزا ہے۔ تاہم ایسے حالات میں جبکہ برائی کی قوتیں پوری سرگرمی سے برسہا برسہا ہیں، ایمان کی ذمہ داریاں، ان کے ایمان کے تہمتے کے حوالے سے دوپہر ہو جاتی ہیں اس لیے ذمہ داران صوبہ جات و اضلاع کو بہتر منصوبہ بندی اور تعلیم و تربیت کے ذریعے افراد کار کی تیاری کے سلسلے میں زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے نتیجے میں دعوت و تبلیغ کا کام زیادہ موثر انداز میں آگے بڑھایا جاسکے۔ مالک بہت دقتیں سے نوازے آئیں۔

اس کے بعد امیر عظیم کے اختتامی کلمات پر یہ روزہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر عظیم نے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱ کو تلاوت فرمائی اَلَّذِيْنَ

اَلَّذِيْنَ يُؤْتِيْكَ مِنْ رِّزْقٍ لَّكَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِمَا تَخْتَارُ۔۔۔ کے حوالے سے خطاب کیا۔ انہوں نے آیات کی مختصر وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ دعوت ایمان قبول کرنے والوں کو خوب ستایا گیا۔ چنانچہ ان کی تکالیف کو دیکھتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ نے کچھ افراد کو حبش کی طرف ہجرت کی تلقین فرمائی۔ وہاں جانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا کی، ان کی مہمان نوازی ہوئی۔ پھر یوی ہجرت مدینہ کی طرف ہوئی جس کے لیے عام حکم ہوا۔ انصار نے مہاجرین کی بھرپور نصرت کی۔ اور جس طرح اہل مکہ، تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ان کے مابین ایمان پر مشتمل اسلامی معاشرہ تشکیل دیا گیا۔ لیکن مخالفین حق کو یہ کہہ گورا تھا کہ یہ لوگ ہمیں سے نہیں، انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ حق و باطل کے درمیان ہونے والے پہلے معرکے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح دی اور صف اول کے سرکارِ مادیے گئے۔ اس کے بعد غزوہ احد دوسرا اور غزوہ بدر تیسرا معرکہ ہوا جس کے بعد اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ نہیں بلکہ تم ان پر چڑھائی کرو گے۔ غزوہ احد کے موقع پر نبی ﷺ نے ایک یہاڑی درے پر بچاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دست متعین کیا تھا اس ہدایت کے ساتھ کہ تم نے کسی حالت میں بھی اس درے کو نہیں چھوڑنا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو دشمنی ہو رہی ہے اور وہ مال غنیمت جمع کر رہے ہیں تو ان کی اکثریت درے کو چھوڑ کر چلی گئی، حالانکہ عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بنو ان کے ساتھ رکھے۔ ان کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، وہیں سے حملہ کر دیا۔ اس غیر متوقع حملے نے نقشہ بدل دیا۔ مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہارنے لگے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے: اللہ کے نبی ﷺ بھی شدید زخمی ہوئے۔ بہر حال تاریخ کا یہ بھی ایک واقعہ تھا کہ مسلمانوں کی قلت و دوبارہ فتح میں بدل گئی اور کفار میدان چھوڑ کر پھاڑ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے موقع پر مسلمانوں کی کمزوری کے حوالے سے غزوہ احد پر تبصرہ فرمایا۔ غزوہ احد میں شہید ہونے والوں کی اکثریت انصار میں سے تھی۔ یہ اللہ کے بندے ہیں جن کی تعریف اللہ نے بیان کر دی، ان کے سرکردہ افراد نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ ہم آپ سے نبی اسرار کی طرح یہ نہیں سمجھیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور مخالفین حق سے قتال کریں، ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ ہم آپ کا ساتھ دینے کے معاملے پر پوری طرح قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے وفا شعاروں کی قربانی کی قدر دانی کی اور فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْواتًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُ اسی کی آخرت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے شہداء احد کو جنت میں سہراڑنے والے قالب عطا

فرمائے۔ اس طرح اہل ایمان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایمان لانے کے بعد تکلیف پہنچتی ہے، آزمائشیں آتی ہیں لیکن فرمایا: **الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ أَجْرٌ كَبِيرٌ**۔ جن لوگوں نے چوٹ کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہا اور منافقین حق کا تعاقب کیا اور اس طرح اپنے تقویٰ اور احسان کا مظاہرہ کیا، ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ **الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ امْكُشُوا أَعْيُنَكُمْ فَآمَنُوا**۔ وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف لوگ جمع ہو گئے ہیں، صورتحال کا لحاظ کر دو، تو اس سے خوف زدہ ہونے کے بجائے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور انہوں نے کہا کہ **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ** ہمارے لیے اللہ کافی ہے جو بہترین کارساز ہے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں آتا ہے، **ابراہیم الکَلْبِيُّ** نے اس وقت کہ جب انہیں آگ میں ڈالا جا رہا تھا یہی فرمایا تھا **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ**۔ ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے ہمکنار کیا اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور وہ باعرا دلوائے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے اطاعت رسول کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا۔ یہ ایمان کا معیار یا دولانے والی آیات ہیں۔ یہ اللہ کے وہ بندے ہیں جو سروری اور گرمی میں اللہ کی راہ میں نکلنے والے تھے۔ یہ اللہ کی تائید سے انتخاب لائے۔ اس حوالے سے امیر عظیم نے شرکاء اجتماع کو احساس دلایا کہ ان اجتماعات کا مقصد اسی شعور کو اجاگر کرنا ہے: نظریاتی جنگ میں بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں، علم سیکھیں، شیطان کے وسوسوں کو اثر انداز نہ ہونے دیں! اجتماعات میں اللہ کا خوب ذکر ہو، اللہ کے بندے اس کے احسانات کو یاد رکھیں! یہ وقت ضائع نہ کریں، مہلت سے پورا فائدہ اٹھائیں! اس راہ میں آزمائشیں آتی ہیں، ان کو انگیز کرنا سیکھیں! یہ تیاری داعی حق بنانے کے لیے ہے! تجوید، فہم القرآن اور عربی زبان کی تعلیم، یہ وہ موضوعات ہیں جن کی طرف پوری توجہ دی جائے، سیکھ کر معاملے کو آگے بڑھائیں اور اپنے اپنے مراکز میں اس کو جاری کریں! یہ ناظمین کا تربیتی اجتماع ہے، جن پر ذمہ داری ہے، پارامانت ہے! اس میں پوری طرح احساس ذمہ داری کا مظاہرہ ہونا چاہیے! سنجیدگی کے ساتھ آئیں اور اجتماعات سے پوری طرح استفادہ کریں، سیکھ کر جانیں اور پھر دوسروں کو سکھائیں، اس معاملے میں سہل انگاری نہ ہو، یہاں پر سچ و طاعت اور نظم و ضبط کا مظاہرہ ہونا چاہیے، مشقت برداشت کرنے کا جذبہ ہو! یہاں ان اجتماعات میں اگر احساس ذمہ داری، سنجیدگی، نظم و ضبط اور سچ و طاعت کا مظاہرہ نہ ہوگا، کوئی تربیت حاصل نہیں کریں

گے تو بڑے اور جان گسل مراحل پر کس طرح صبر و استقامت کے ساتھ کوئی جاندہ کردار ادا کرنا ممکن ہوگا؟ اس اجتماعیت کے ساتھ، اللہ کے دین کے ساتھ مخلصانہ وابستگی لازمی شرط ہے۔ ناظمین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پوری ذمہ داری سے تربیت کے مراحل سے اپنے آپ کو گزاریں۔ آئندہ ان اجتماعات کو اور زیادہ موثر بنانے کی کوشش ہوگی، تعلیمی اور تدریسی پروگراموں کے ذریعے۔ عمر ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے احساس پیدا ہونا چاہیے۔ سنا و سنانا لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور توفیق احسن سے نوازے۔ آمین

کل پاکستان تربیتی پروگرام برائے ناظمین طلباء و نوجوانان

طلباء و نوجوانوں کا یہ تربیتی پروگرام قادر پور راواں ہی کی مسجد میں ۱۰ اپریل کو منعقد ہوا۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد آزاد کشمیر کے ساتھی الطاف حسین نے سورۃ توبہ کی آیت **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُعْتَكَفُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ** کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا، محدود اختیارات دیے اور اس بات کی کھلی وضاحت فرمادی کہ اس پوری کائنات کا مالک اکیلا وہی ہے، الوہیت صرف اسی کو سزاوار ہے۔ یہ دنیا انسان کی امتحان گاہ ہے۔ اگر یہاں یہ کامیاب رہا تو پھر اسے اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا، اور اگر یہ راہ راست سے ہٹک گیا تو قیامت کے دن اس کے لیے رسوائی اور جہنم کا عذاب ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس امتحان گاہ میں شیطان، جو کہ انسانیت کا دشمن ہے، کے شر سے بچنا ہے۔ اس کا تو مشن ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو گمراہ کر کے اللہ کے یہاں ذلیل و رسوا کرادے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے ان بہکاووں سے بچانے کے لیے کتابیں نازل فرمائیں اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اسی سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا جنہوں نے اپنی قوم کے سامنے اس دعوت حق کو اٹھایا۔

حکومت کردہ آیات کے حوالے سے انہوں نے وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کس طرح کا سودا کیا ہے؟ غزوہ تبوک کے موقع پر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس وقت مومنین کا کیا کردار تھا؟ کس طرح انہوں نے سخت گرمی کے موسم اور دوسری آزمائشوں کے باوجود اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کو لگایا؟ غزوہ تبوک کے بارے میں انہوں نے کافی تفصیل سے بتایا کہ کس قدر پریشانیات تھیں، سواریاں میسر نہ تھیں اور مومنین کس طرح اس غزوہ میں حصہ

لینے کے لیے بے چین تھے؟ یہ سب مسلمانوں کی آزمائش تھی ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار فرمایا۔

اشراق و ناشتے کے وقفے کے بعد طلباء ناظمین کے اس تربیتی پروگرام کا باقاعدہ آغاز لاہور کے طلباء ناظم جناب وسیم اکرم صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیت **كُنْتُمْ خَلِيفَةُ نُوحٍ وَآدَمَ وَآلِ عِمْرَانَ** کے حوالے سے خطاب کیا اور قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں کی روشنی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی اہمیت اور اللہ کے نزدیک اس کے اجر و ثواب کو واضح کیا۔ بالخصوص سورۃ العصر کی روشنی میں جس میں انسان کی نجات کے لیے لازمی شرائط کو بیان کیا گیا ہے یعنی شرک سے پاک ایمان، عمل صالح، حق کی تبلیغ اور آزمائشوں پر صبر کی تلقین۔ اس طرح انہوں نے سامعین کو اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی کہ کل قیامت کے روز اللہ کے عذاب اور ابدی خسارے سے بچنے کے لیے، جبکہ انسان دنیا کی ساری دولت بھی فدیے میں دینے کے لیے تیار ہوگا، آج اس بات کی ضرورت ہے کہ پوری فکر مندی سے اس کا انتظام کر لیا جائے اور اپنی عاقبت کو خیر سے ہمکنار کرنے کے لیے کوشش کی جائے۔

وسیم اکرم کے افتتاحی کلمات کے بعد لاہور کے ساتھی شیخ احمد صاحب نے شرکاء اجتماع کو تجوید کے اصول سکھائے اور ان کی روشنی میں قرأت القرآن کی مشق کرائی۔

تجوید القرآن کے اس پروگرام کے بعد سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۳۱ **وَاذْكُرُوا اٰلَیَّیْنَ كُنْتُمْ اَكِلًا** کے عنوان سے فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے تحت چند روزہ تاہیں منٹ دورانیے کی تقاریر ہوئیں۔ اس پروگرام کی نگرانی و مصطفیٰ کے فرائض کراچی کے خالد عزیز و عبد اللہ عمر نے انجام دیے۔ اگرچہ مقررین نے قرآن و حدیث پر مبنی دلائل کے ذریعے مجموعی طور پر موضوع سے متعلق حوصلہ افزا کارکردگی دکھائی تاہم لاہور کے امداد اللہ، کراچی کے اعجاز احمد، سرحد کے محمد طاہر اور سرگودھا کے محمد شیر نے مصطفین کی رائے میں سب سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

فہم القرآن کے پروگرام کے بعد لاہور کے ساتھی ضرا لطف بٹ کی نگرانی میں باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس کے دوران ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے ساتھیوں نے حسب معمول باری باری اپنا تعارف کرایا اور بعض ساتھیوں نے ابتدائی مراحل میں پیش آنے والے واقعات کو بھی مختصر بیان کیا جو سامعین کی دلچسپی کا باعث بنے۔

اس کے بعد فیصل آباد کے نوجوان ساتھی رفعت نواب نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۹ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا** کے حوالے سے درس قرآن دیا جس میں انہوں نے اس سورہ کا پس منظر اور اس میں بیان کیے گئے مضامین کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے اطاعت امیر کے موضوع پر وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ انہوں نے قرآن کی مذکورہ آیت کے حوالے سے بیان کیا کہ ایمان والوں کو اللہ اس کے رسول اور امراء کی اطاعت کی تعلیم دی جا رہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ باہمی تنازعہ امور میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں۔ انہیں اس بات کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ اللہ اور یوم آخرت پر تمہارے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اللہ اس کے رسول اور اپنے امراء کی اطاعت کرو۔ اہل ایمان کو ہر جگہ اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ سب و طاعت کے پیگیر بنیں۔ اس میں ایمان والوں کی تربیت کا انتظام ہے، چاہے صلح کا معاملہ ہو یا جنگ کا، ہجرت کا موقع ہو یا عام زندگی کے معاملات و عبادات کی بات ہو۔ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے حوالے سے طاعت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادشاہ مقرر کیا۔ چنانچہ جب وہ اہل ایمان پر مشتمل اپنے لشکر کو لے کر نکلا تو ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے راستے میں آنے والی نہر سے متعلق تمہیں آزمایا ہے اس لیے تم میں سے کوئی بھی سوائے ایک آدمہ چلو کے، اس سے پانی نہ پیے۔ لیکن ان میں سے قہوڑی سے تعداد کے علاوہ سب نے پانی پی لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جالوت کا سامنا کرنے سے گریز ان رہے۔ صرف انہی لوگوں نے اپنے امیر کے ساتھ مخالف فوج سے لڑنے کی ہمت کی جو اللہ پر یقین و بھروسہ رکھنے والے اور اطاعت گزار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی تائید و نصرت سے نوازا۔ یہی معاملہ ایک غزوہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی پیش آیا لیکن انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کی اور ان سے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ موٹی ﷻ کے ساتھیوں والا معاملہ نہیں کریں گے بلکہ آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آزمائش میں سرخرو فرمایا اور فتح سے ہمکنار کیا۔

مقرر نے سب و طاعت کے حوالے سے بخاری و مسلم کی کچھ روایات بھی پیش کیں۔ مثال کے طور پر نبی ﷺ کے یہ فرامین کہ:

○ "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی گو یا اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی تو گو یا اس نے میری نافرمانی کی۔ جنگ امام و حال ہے جس کے پیچھے قتال کیا جاتا ہے اور اس سے بچاؤ کیا

جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ کے تقوے کا حکم دے اور انصاف کرے، اس کو اس بات کا اجر ہے اور اگر اس کے علاوہ کا حکم کرے تو اس بات کا گناہ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

○ ”ایک مسلم کے لیے لازم ہے کہ امیر کا حکم سنے اور اس کی اطاعت کرے، چاہے اس کو پسند ہو یا نا پسند، جب تک کہ وہ گناہ کا حکم نہ دے۔ اگر وہ اس کو گناہ کا حکم دے تو نہ سنا ہے نہ اطاعت کرنا۔“ (بخاری و مسلم)

○ ”جو شخص اپنے امیر میں کوئی نا پسندیدہ چیز دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ اگر کوئی جماعت سے باشت بھر بھی جدا ہوگا تو اس حالت میں اس کی موت، جاہلیت پر موت ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

○ ”جو کوئی ایک امیر پر شقاق لوگوں کو نظم سے ہٹائے یا تمہاری جماعت میں تفرق ڈالے اس کو قتل کر دو۔“ (مسلم)

○ ”جو کوئی اس امت کے معاملے میں تفرق ڈالنے کا ارادہ کرے، جبکہ وہ یکجا اور اکٹھی ہو، تو اس کو تلواریں سے قتل کر دو چاہے کوئی بھی ہو۔“ (مسلم)

○ ”جو امیر تم کو تمہارا حق نہ دے، اس کا بھی حکم سنو اور اطاعت کرو اس لیے کہ اس کا بوجھ اس پر ہے اور تمہارا بوجھ تم پر۔“ (مسلم)

○ ”سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر جیسی ظلام کو عامل بنا دیا جائے جس کا سرکشش (کے دانے) کی طرح ہو۔“ (بخاری)

○ ”جس نے امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا، قیامت کے دن اس کے لیے کوئی دلیل نہ ہوگی۔“ (مسلم)

○ ”ہر غدار (یعنی جماعتی نظم سے بغاوت اختیار کرنے والے) کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا کھڑا ہوگا، جس سے وہ پہچانا جائے گا۔“ (مشق علیہ)

○ ”جو جماعت سے باشت بھر علیحدہ ہو اور یقیناً اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی، اللہ یہ کہ وہ واپس آجائے۔“ (ترمذی)

دین کا کام انسانیت کی فلاح کا کام ہے۔ تعمیری کام کے لیے نظم و ضبط اور صبر و طاعت ضروری ہے جبکہ تخریبی کام کے لیے کسی نظم و ضبط یا ڈسپلن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال ہمارے سامنے ہے جن کی اخوت اور بھائی چارہ مثالی تھا۔

صلوٰۃ الطہر کے وقفے کے بعد صوبائی ناظمین نے رفتار کار کے حوالے سے جائزہ رپورٹ پیش کی۔ یہ پروگرام کتنا ڈی (صوبہ سرحد) کے محمد زابد صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ چنانچہ اس کے تحت کراچی (صوبہ سندھ) کے خالد عزیز صاحب، پنجاب کے سجاد حسین صاحب، شمالی علاقہ جات و کشمیر کے نگر اس رفعت نواب صاحب اور صوبہ سرحد کے رسول خان صاحب نے اپنے اپنے علاقوں کی

جائزہ رپورٹ پیش کی۔

اس کے بعد سرگودھا کے سجاد حسین صاحب اور لاہور کے معراج الدین صاحب کی نگرانی میں تفسیر سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ کے حوالے سے سوال و جواب کی صورت میں معلوماتی پروگرام ہوا جس میں مختلف انتظامی یونٹوں کے ساتھیوں نے دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا اور انہیں کارکردگی کے حوالے سے نمبر بھی دیے گئے۔

صلوٰۃ العصر کے بعد طلباء و نوجوانان پاکستان کے ناظم محمد ارشد صاحب کے اختتامی کلمات پر یہ تربیتی اجتماع اختتام کو پہنچا۔ انہوں نے سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۱۰۱: اَوَلَاذِیْنِیْنَ اٰیْتٰتِیْنَ الظَّالِمٰتِ اَنْ یَّحٰیضُوْهُنَّ کے حوالے سے خطاب کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ایمان کی بنیاد ہی طاغوت کے کفر سے مشروط ہے اور یہی ہماری تنظیم کی بنیاد ہے کہ اللہ پر خالص ایمان اور طاغوت کا علانیہ کفر ہو۔ کلمہ طیبہ بھی اسی بات کو واضح کرتا ہے۔ لا الہ الا اللہ میں سب سے پہلے اس بات کا انکار ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کوئی داتا اور مشکل کشا نہیں! محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ان پر ایمان لازمی ہے۔

طاغوت کی بندگی کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ طاغوت کی بات نہیں مانتی بلکہ اس کا انکار کرتا ہے، اور جو ایسا نہیں کرتا وہ ان طاغوت کی بندگی کرتا ہے۔ جو ان طاغوت کو کافر نہیں کہتا وہ ایمان والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے جسم میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک میں اللہ کی محبت ہو اور دوسرے میں طاغوت کی۔ ایک دل میں صرف ایک ہی چیز ہو سکتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زبان سے طاغوت کا کفر اور اس سے نفرت کا اظہار لیکن عملاً طاغوتی رسومات، طور طریقے اور انداز رہن سہن اختیار کرنا دوغلا پن ہے، اس سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ ایمان والا تو اللہ کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہے۔

انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی آیت اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے حوالے سے دو باندی اکابر محمود الحسن کے عقیدے کا ذکر کیا کہ کس طرح غیر اللہ سے استعانت کو جائز قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح احمد بن حنبل نے مرنے کے بعد محمود درج کے عقیدے کو ایمان کا حصہ بنا کر اللہ کے دیے ہوئے عقیدے کو رد کر ڈالا اور اس کے مقابلے میں یہ عقیدہ دیا کہ مرنے والے کی روح اسی قبر میں دنیاوی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ صرف عقیدہ ہی نہیں دیا بلکہ کہا گیا کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ انہوں نے اکابر دو بدقاسم تاتوئی کے اس عقیدے (باقی صفحہ آخر پر)

بات صاف ہوگئی (یعنی جہنم میں سے محمد ﷺ کی زندگی کرتا تھا تو جان لے کر محمد ﷺ کو موت آگئی)۔ دوسری طرف یہ ایک بنیاد ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی سارے ہوتا ہے۔ اب جنہوں نے کہا کہ اس کے بعد سارے بھی ہے، حیات بھی ہے تو اللہ فرماتا ہے: **أَمْوَالٌ خَيْرٌ مِّنْ أَمْوَالٍ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** وہ مرگے ہیں ان میں زندگی نہیں، یہ نہیں سنتے۔ تو اللہ کی کتاب کے خلاف جو کہتا ہے، چاہے وہ بڑے سے بڑا امام ہو، وہ امام نہیں ہو سکتا۔ امام وہ ہیں فرمایا: **الَّذِينَ آمَنُوا وَكَلَّمُوا بِكَلِمَاتٍ** جو ایمان لائے اور تقویٰ والے ہیں، وہی امام ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی کتاب کو بھٹکایا ہے وہ امام نہیں ہو سکتے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب میں مقلد ہوں، آپ مقلد ہیں؟

جواب: ہم نبی ﷺ کے مقلد ہیں، اور کس کے مقلد؟

سوال: امام ابو حنیفہ کی بات مانتے ہیں آپ؟

جواب: جو اچھی بات ہو، جس کی بات قرآن و حدیث کے مطابق ہو، امام بخاری کی ہو یا امام ابو حنیفہ کی ہو، آپ کی بات ہو یا میری بات، اللہ نے ارشاد فرمایا کہ **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ**۔ کہ جب تم میں کوئی تنازعہ ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

سوال: بتائیے تین امام ہیں: امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، تینوں سارے کا قائل ہیں اور حدیث پیش کرتے ہیں قلب بدروالی؟

جواب: خالص ظلم ہے، امام احمد بن حنبل کے علاوہ کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ دیکھو کوئی اختلاف نہیں ہے اس میں۔ صرف ایک واقعہ ہے قلب بدروالی جس کے اندر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ یہ مجروح تھا، ہر مردہ زندہ نہیں ہوتا اور نہ سنتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں اصم سے مراد اعلم ہے۔ دو چیزیں بخاری نے بتائیں کہ یا تو یہ مجروح ہے یا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطابق ان کو ظلم ہو گیا۔

سوال: آپ بخاری کی بات مانتے ہیں امام احمد بن حنبل کی بات نہیں مانتے؟

جواب: یہ اس لیے ہے کہ امام بخاری کی بات قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور امام احمد بن حنبل کی بات قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ کیسے میں اپنے مالک کی کتاب کے ساتھ ظلم کروں، ذرا آپ خود سوچیے۔

سوال: بات تو حید کے خلاف لھیک نہیں ہے لیکن عقیدہ تو امام احمد بن حنبل کا بھی وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کا ہے، پھر امام ابو حنیفہ کو کیوں صحیح مانتے ہیں؟

جواب: ہم نے تو برابر یہی بات کہی ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ** مَّا تَزِيلُ لِكَلَامِهِمْ وَلَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ہم

نے آپ کی طرف یہ کتاب اتاری ہے تاکہ آپ اس کی تفسیر بیان کر دیں، اور انہوں نے تفسیر بیان کی کہ یہ سارے مردے ہیں۔ مالک فرماتا ہے: **أَمْوَالٌ خَيْرٌ مِّنْ أَمْوَالٍ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** جو مر گیا، قبر والوں میں سے ہر ایک مردہ ہے، ان میں جان کی رشت تک باقی نہیں ہے۔ اب کیا یہ قرآن کا انکار کریں گے؟

آپ کے خیال کے مطابق امام ابو حنیفہ کا عقیدہ خراب ہے؟ وہ تو کہتے ہیں: اگر کوئی قسم کھالے کہ اگر میں تجھ سے بات کروں تو میری بیوی کو تین طلاق، یہ طلاق معلق ہے، اور اس کے بعد اس کے جنازے پر آ کے خطاب کرتا ہے کہ میرے بھائی میری دنیا میں تجھ سے دوستی تھی مگر شیطان نے بہکا دیا کہ میں نے ایسی بات کہی، اب تم دنیا سے رخصت ہو رہے ہو تو اب معافی ملانی کرو، تو دوسرے کہیں گے کہ دیکھو بات تو اس نے کر لی اب اس کی بیوی کو تین طلاق ہے، اس کا کوئی تو نہیں۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نہیں، اس نے بات کرنے کی قسم کھائی تھی، اس نے جنازے پر گفتگو کی ہے، یہ بات کرنا نہیں ہے، بات تو اس سے کی جاتی ہے جو سنتا ہو، سمجھتا ہو، جواب دیتا ہو! میت نہ سنتی ہے، نہ سمجھتی ہے اور نہ جواب دیتی ہے۔ آپ کہیں کہ نہیں، میت سنتی ہے تو پھر امام ابو حنیفہ کے عقیدے کو کہیں کہ ان کا عقیدہ صحیح نہیں۔ اب اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو امام ابو حنیفہ کا عقیدہ صحیح ہے یا احمد بن حنبل کا عقیدہ۔ ایک وقت میں دونوں کا صحیح ہونا تو ممکن نہیں۔

سوال: اجتہاد کسے کہتے ہیں؟

جواب: اجتہاد اس وقت ہوتا ہے کہ جب نص قطعی قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماع نہ ہو، تب ہی اجتہاد ہوتا ہے۔ نص قطعی ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ نبی ﷺ کے لیے فرما دیا گیا کہ وفات کے بعد یہاں نہیں بلکہ جنت الفردوس کا سب سے اونچا ان کا مقام ہے۔ بخاری کی حدیث میں آ گیا کہ وفات کے بعد یہاں پہنچ جائیں گے، اجماع صحابہ ﷺ ہے کہ وفات پا گئے، اب اس کے بعد اجتہاد کیا ہوگا۔ اجتہاد، چوتھی بات کے لیے تقاضا تو یہ ہے کہ نص قطعی قرآن کی نہ ہو، نص قطعی حدیث کی نہ ہو، اجماع صحابہ کی نہ ہو، تب کہیں جا کر اجتہاد ہوتا ہے۔ یہ اجتہاد اب کر رہے ہیں! اجتہاد سے قرآن کی نص کو بدل دیں گے کیا؟

سوال: جو احادیث وارد ہوئی ہیں، انہوں نے ان کی بات کی ہے اور آپ انہیں مشرک کہہ رہے ہیں؟

جواب: دیکھیں میں نے یہاں ابھی تک ایک بار بھی انہیں اپنی زبان سے (باقی صفحہ آخر پر)

کا بھی ذکر کیا کہ نبی ﷺ کی روح جسم سے نہیں نکلتی تھی بلکہ جیسے میں انہی رہ گئی تھی۔ ان سب عقائد کے بعد اب کہے چاہا کریں؟ اللہ کی آیات کا انکار ہوتے دیکھ کر کیسے خاموشی اختیار کی جائے؟ لوگ کہتے ہیں فتویٰ نہ لگاؤ اور سکوت کی بات کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انہوں نے قادیانیوں پر فتویٰ کیوں لگایا!

انہوں نے سورہٴ عنکبوت کے حوالے سے بتایا کہ صرف زبان سے ایمان کا اعلان کافی نہیں ہے اس کے لیے عملی ثبوت دینا ہوتا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں بتائی ہے کہ اَحْسِبَ النَّاسَ اَنْ يَتْرُكُوْا اَنْ يَفْعَلُوْا اَمْرًا اَوْهُمْ لَا يَفْعَلُوْنَ۔ اس سلسلے میں انہوں نے اصحاب کرب کا ذکر بھی کیا کہ کس طرح انہوں نے طاغوت کی بندگی سے بچتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔

(بقی: سوال و جواب)

شُرک نہیں کہا ہے۔ میں نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف کوئی بات، اگر کوئی جھوٹی روایتوں سے قرآن کو بدلے تو یہ اس کے لیے دلیل نہیں ہے۔ یہ یحییٰ کہتے ہیں نور عن نور اللہ، کہ اللہ تعالیٰ تو رکابے اور نبی ﷺ بھی اسی نور میں سے ہیں۔ بتائیے یہ ان کا شرک قرآن سے ثابت ہوتا ہے یا یہ انہوں نے خود نکالا ہے؟ تو یہ جھوٹی روایات لاتے ہیں اور جو صحیح روایات ہیں ان کو غلط معانی دیتے ہیں۔ کیا ان کی بات کو مان لیا جائے، آپ کا کیا خیال ہے؟

ضروری وضاحت

تھامی تنظیم نو آن و سریت کی عاقل و محنت کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے جو صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن و حدیث کو اپنا رہنما جانتے ہوئے عالم کے علم و فضل کے لیے دلت و سرے، قدرت کے شے کو نمایاں ہے۔ ہمارا بھی اسی قدیم و جدید فرقے و مسلک، تحریک و جماعت، تنظیم و گروہ کے بھی اسی حکم کو کوئی حق نہیں بلکہ ہم ان سے علم و طاقت، رزق و اجر الٰہی کا انحصار کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا ان پادشاہ سے بھی کوئی عقلی نہیں جو خود حیدر ملت کے فرشتے ہوں۔ یہ دراصل ہیں خود کو وہ نام نہاد و تراب اللہ ہوں، حکمران کی رہنمائی گروہ و جماعت، مسلمان یا کھنڈ مسلمان یا کوئی بھی گروہ یہ نام نہاد یہودی، عیسائی، ہندی، سکھ کی نہ کوئی حق بلکہ جو عداوت مانع اور رخ اختیار کرتے ہوئے امتیازی، نفی دہی، نفی کے دہی قرآن کے نام پر اور الرضی الرضی و انت کام (www.araahman-arahim.com) کے نام سے اپنی عداوت سامنے جا کر اپنی دعوت کو پھیلا رہا ہے۔ اگرچہ وہین اسلام کی اساس ہونے کی وجہ سے تو یہی دعوت ہی ہمارا تنظیم کا محور ہے اور اسی وجہ سے ہمارا مساجد بھی اسی نام سے منسوب ہیں۔ ہمارے ہمارا بیگانہ ولی ایک نام ہے جو اللہ نے قرآن میں ایمان والوں کو دیا ہے یعنی "مسلم"۔ اسی وجہ سے ہم خود کو کوئی فرقہ وارانہ ہم نہیں سمجھتے۔ ہم خود کو خودی نہیں کہہ سکتے ہیں تاکہ کسی پادشاہ سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہو۔ ہم ان سے اپنی عقلی و ایمانی تعلق نہ کریں گے۔

چڑھانے کے لیے کی تھی اور جس سے اللہ تعالیٰ نے ابن کو بچا کر آسمان پر اٹھالیا۔ یہ تمام امور ان واقعات ہی سے متعلق تھے۔

یہ کہتے ہیں کہ ان نعمتوں میں اٹھائے جانے اور نزول کا کوئی ذکر نہیں۔ ذکر کرتے ہیں جو سب کو نظر آتا ہے سوائے مفلکین حق کے۔ جن کے قلب اندھے ہو جاتے ہیں ان کو کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ سورۃ الحج کی آیت جو اس سے قبل پیش کی گئی ہے، اس میں اندھے پن کی اس کیفیت کو اسطرت بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَخْشَوْنَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ عَهْدِي ۖ فَلْيَأْتُوا بِبَيِّنَاتٍ لَّيْسَ بِهِ عِلْمِي ۚ فَلْيَقُولُوا كُنَّا نَسُوا بَيِّنَاتٍ لَّكُنَّا عَلَىٰ أَصْوَابٍ مَّا كُنَّا عَلَيْهِمْ ۚ

”بات یہ ہے کہ انھیں اندلی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سیٹے میں ہیں، وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔“

یہ بات تو اب بخوبی واضح ہوگئی کہ فقہ قادریانیت کا اصل محرک فقہ انکار حدیث ہی ہے اور ان کے جعلی حجت کی ثبوت کا دار و مدار ہی عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے انکار پر ہے۔ اسی لیے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار اور وفات عیسیٰ علیہ السلام کا پرچار قادیانیوں اور منکرین حدیث کا مشترک اور بہت ہی محبوب مشغلہ ہے۔ یہ گروہ صدیوں سے خدمتِ دین کے نام پر یہ کھیل کھیلتا رہا ہے۔ اور قادیانیت کے لیے میدانِ ہموار کرتا رہا ہے۔ مرزا غلام احمد نے دیکھا کہ امت میں ایک گروہ وفات عیسیٰ علیہ السلام کا قائل ہے تو اسی بنیاد پر اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ دین میں سب سے بڑا فقہ انکار حدیث ہی ہے۔ اسی سے شہ پاکر آدمی قرآن کی واضح آیات کا انکار کرتا یا اس کی معنوی تحریف کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہر صاحبِ ایمان جانتا ہے کہ دین اسلام کا مدار قرآن و سنت پر ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ کے بغیر نہ تو قرآن کی صحیح تشریح ممکن ہے اور نہ ہی سنت کا اوراد۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ کتب حدیث میں بعض ضعیف اور مہضوع روایات پائی جاتی ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پورے کا پورا سرمایہ حدیث ہی ہے کار محض اور ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے ذریعے اسماء الرجال کا مکمل اور جامع نظام وضع کر دیا، کھرا اور کھوتا علیحدہ کیا اور احادیث رسول ﷺ کو ملاوٹوں سے پاک کر دیا، اور ایمان والوں کے لیے آسمان ہو گیا کہ وہ صحیح، ضعیف اور موضوع میں تمیز کر سکیں۔ اس کے بغیر تو ذخیرہ حدیث آزاد فکر نفس پرستوں کے رحم و کرم پر ہوتا جو من مانی تاویلات اور اقوال پر اللہ کے دین کو کھلونا بنا دیتے؟ اگر یہ صحیح احادیث نہ ہوتیں اور ہر آدمی اپنی عقل و رائے سے قرآن کی تفسیر اور سنت کی تعبیر کرتا، تو آج دنیا میں دو آدمیوں کا بھی ایک دین پر اتفاق محال تھا۔ عقیدہ کا مسئلہ ہوا اعمال کا، صوم و صلوة کا معاملہ ہو یا حج و زکوٰۃ کا، ہر آدمی ہر کام اپنی ہی پسند کے طریقے پر کرتا اور انجام کار اللہ کے غضب کا حقدار ٹھہرتا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے قرآن کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے نبی ﷺ کی سنت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام بھی فرمادیا تاکہ جاہد حق کے مسافر اس کی رہنمائی میں اپنی منزل کا تعین کرتے رہیں۔

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

امام احمد بن حنبل، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ایک جم غفیر ہے جو مردہ جسم میں قیامت سے پہلے روح کے واپس آجانے کا قائل اور اسی دنیاوی قبر میں قیامت تک مردہ پر عذاب یا راحت کے سارے حالات کے گزرنے کا اقراری ہے۔ یہ دونوں عقیدے جو قرآن اور حدیث کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں ایک نہیں، ان میں زمین آسمان کی دوری اور ایمان و کفر کا فرق ہے۔ ایک کا ماننے والا بہر حال دوسرے کا کافر ہے۔ اب کہ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ لوگوں کو اختیار ہے، جس کا دل چاہے قرآن اور حدیث کی بات مانے اور جس کی مرضی میں آئے وہ گل ہائے عقیدت کی رنگینیوں کے فسوں سے از خود رفتہ ہو کر..... شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زبان رکھ دے۔

امت کی بد نصیبی کہ آج عذابِ قبر کے اس عظیم مسئلہ کو فروغی مسئلہ قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حالانکہ دنیاوی قبر میں عذابِ قبر کا اثبات ”حیات فی القبر“ کے ہم معنی اور قبر پرستی کے شرک کی اصل اور بنیاد ہے اسی لیے شیطان نے اس مسئلے میں اس وقت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میت مبارکہ ابھی دفن بھی نہ ہوئی تھی امت کے دوسرے نمبر کے بزرگ ترین ولی، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فریب دینے کی کوشش کی تھی۔ اللہ کا کرم کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمن ایمان کے اس وار کو اسی پر الٹ دیا اور دو صدیوں تک اس کی ایک نہ چلی۔ پھر ۲۲۰ھ کے مسئلہ خلقِ قرآن کے ہیرو امام احمد بن حنبل پر اسکا وار ہوا۔ افسوس کہ وہ تاب نہ لاسکے۔ اب ان کی شہرت اور انکے ساتھ بے پناہ عقیدت کے سہارے اس ازلی دشمن کو قبر پرستی کے شرک کی بنیاد کہ ”مرنے والا دنیاوی قبر میں زندہ ہے“ امت کے عقیدہ میں داخل کرنے اور قائم رکھنے کا موقع مل گیا، پھر دنیا بھی لٹی اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔ اور آج ہر طرف شرک و کفر کے سیاہ سائے راج کر رہے ہیں۔ آئیے کہ اللہ کا نام لیکر اصلاح حال کیلئے سردھڑ کی بازی لگا دیکھیں اور اللہ غالب و توانا پر جس نے نصرت کا وعدہ کیا ہے توکل کریں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ
وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأَانِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ
وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ
النَّاسِ يَغْدُو فَبَايَعُ نَفْسَهُ فَمُعْتَقَتُهَا أَوْ مَوْبِقَتُهَا

”طہارت (پاکیزگی) نصف ایمان ہے اور الحمد للہ (کہنا) میزان کو بھر دیتا
ہے اور سبحان اللہ اور الحمد للہ (دونوں) بھر دیتے ہیں یا (ہر ایک) بھر
دیتا ہے اسکو جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور صلوٰۃ نور ہے اور صدقہ (دیتا)
دلیل ہے اور صبر (کرنہ) روشنی ہے اور قرآن حجت ہے تمہارے حق میں یا تمہارے
خلاف۔ ہر شخص صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے آزاد کرالیتا
ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔“

(مسلم: کتاب الطہارہ، باب غسل الوضوء)